مرکز احمدیت

قادیان



مصنف
شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان

مرکز احمدیت

قادیان



مصنف

شیخ محمود احمد عرفانی ایڈیٹر الحکم قادیان

میرے لختِ جگر محبوب احمدؐ عرفانی نے سکندر آباد دکن میں گذشتہ سال اگست ۱۹۴۷ء میں اپنی وفات سے قبل اپنے دادا جان حضرت عرفانی کبیر سے بستر مرگ پر لیٹے ہوئے قادیان کی محبت کا اظہار کیا اور کہا کہ

"قادیان میری محبوب بستی تھی جہاں میں پیدا ہوا اور بڑھا اور جوان ہوا۔ اب میں اُس سے دُور مر رہا ہوں کیا میں یہیں رہوں گا؟"

اس کے دادا جان حضرت عرفانی کبیر نے اُسے تسلی دی کہ وُہ اُسے قادیان لے جائیں گے۔ قادیان کے متعلق جس لاثانی محبت کا اظہار جنت مکان محبوب نے کیا تھا۔ اس کا تقاضا ہے کہ میں اس کتاب کو اپنے پیارے لختِ جگر محبوب کی یادگارِ محبت بناتا ہوا اسے شائع کر رہا ہوں۔

موت کی آغوش میں جاتے ہوئے انسان کی زبان سے جو کچھ نکلتا ہے۔ وُہ اس کے قلب کی کیفیتوں کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ محبوب احمدؐ کے الفاظ، اس امر کی دلیل ہیں۔ کہ ہمارا احمدؐ اپنے سینے میں قادیان کے لئے کس قدر جذباتِ محبت رکھتا ہے۔

پیارے بچے! یہ کتاب ہمیشہ ہمیشہ کیلئے تیری محبت کی یادگار رہیگی۔

محمود احمدؐ عرفانی

قادیان اپنے پہلے ادوار میں

بانیانِ قادیان کی تاریخ

دورِ اوّل

۱- جناب میرزا ہادی بیگ صاحب مورثِ اعلیٰ و بانی قادیان
۲- "عضد الدولہ" جناب میرزا فیض محمد صاحب "ہفت ہزاری"

دُوسرا دور- آزاد حکومت قادیان

۳- جناب میرزا گل محمد صاحب بانی حکومت
۴- غیاث الدولہ وزیر اعظم سلطنت مغلیہ دہلی کی قادیان میں آمد

تیسرا دور- سکھوں کا قادیان پر قبضہ

۵- جناب میرزا عطا محمد صاحب
۶- معزز خاندان برلاس کی ہجرت از قادیان
۷- قادیان نے اس وقت کیا دیکھا
۸- جناب میرزا غلام مرتضیٰ صاحب
۹- سکھ راج پر اچٹتی ہوئی نظر
۱۰- قادیان کو واپسی
۱۱- جناب میرزا غلام قادر صاحب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

قادیان

دنیا میں بڑے بڑے شہروں کو کسی خاص وجہ سے شہرت حاصل ہوتی ہے۔ مثلاً کوئی شہر کسی بادشاہ کا دارالسلطنت ہونے کی وجہ سے تاریخی شہر ہو جاتا ہے۔ کوئی صنعتی و حرفتی ترقی کی وجہ سے مشہور ہو جاتا ہے۔ کوئی کسی علمی ادارے کا مرکز ہونے کی وجہ سے ایک مرکز کہلانے لگتا ہے۔ کوئی اپنی بڑھی ہوئی آبادی، سربفلک عمارتوں، باغات اور عجائب خانوں کی وجہ سے دنیا کی دلچسپی کا باعث بن جاتا ہے۔ مگر ہم جس شہر کے متعلق قلم اٹھا رہے ہیں وہ آج سے کچھ سال قبل کوئی بھی ایسی خصوصیت نہ رکھتا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ قابلِ ذکر کہلا سکے۔

قادیان ایک کورِ دیہہ بستی تھی۔ جہاں عام ضرورت کی اشیاء بھی میسر نہ تھیں اور سوائے ان لوگوں کے جو اس بستی سے کوئی ذاتی تعلق رکھتے تھے کوئی شخص اس سے واقف نہ تھا۔ ع

کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر

مگر چند ہی سال بعد قادیان کو وہ مقام حاصل ہوا کہ دنیا کے کونے کونے میں اس کی

شہرت پھیل گئی۔ اور باخبر انسانوں میں سے کوئی بھی ایسا نہ رہا جو قادیان کے نام سے واقف نہ رہا ہو۔

قادیان کی بنیادی تعمیر

قادیان کی بنیادی تعمیر کا آغاز ۱۵۳۰ء میں ہُوا۔ گویا اس وقت ۱۹۴۲ء تک قادیان کو آباد ہوئے چار سو بارہ برس ہوئے۔ ہندوستان میں اس وقت مغلیہ سلطنت کا ڈنکہ بج رہا تھا۔ شہنشاہ بابر ہندوستان کے تخت پر متمکن تھا۔

اس وقت تیموری خاندان کا ایک امیر دو سو خدم و حشم اور اہل و عیال کو لیکر واردِ ہندوستان ہُوا۔ شہنشاہ ہند بابر کے دربار سے اُسے جاگیردار منصب کے ساتھ ایک علاقہ کی مجسٹریٹی یعنی قضاء کا عہدہ سپرد کیا گیا۔ یہ رئیس میرزا ہادی بیگ کے نام سے مشہور و معروف تھا۔ وُہ پنجاب کے اس علاقہ میں جو ماجھا کے نام سے اب تک مشہور ہے اُتر پڑا اور اس نے قادیان کی زمین کو جو بالکل ایک جنگل اور سُنسان پڑی ہوئی تھی اپنی جاگیر کا مقر قرار دیا۔ اور یہاں ایک چھوٹی سی گڑھی تعمیر کی۔ جس کا ابتدائی نام اسلام پور قاضی رکھا۔ جو بعد میں بدلتے بدلتے قاضی ماجھی ہو گیا اور پھر قادیان ہو گیا۔

اس طرح قادیان کی بنیادی تعمیر عہد بابری میں برلاس مغلوں کی ایک جماعت کے وارِدِ ہند ہونے پر رکھی گئی۔ قادیان کی بنیادی تعمیر پر مورخ سلسلہ احمدیہ حضرت عرفانی کبیر اپنی کتاب حیات النبی جلد اول میں لکھتے ہیں:۔

"اس قصبہ (قادیان) کی جگہ میں جو اس وقت جنگل پڑا ہوا تھا اور جو لاہور سے تخمیناً پچاس کوس گوشہ شمال مشرق میں واقعہ ہے فروکش ہو گئے۔

جس کو انہوں نے آباد کر کے اس کا نام اسلام پور رکھا۔ اس قوم کے اور حضرت مسیح موعودؑ کے مورثِ اعلیٰ حضرت میرزا ہادی بیگ صاحب کو اسلام سے بہت محبت تھی۔ اور وُہ اپنی دینی اور عملی حالت کے لحاظ سے ایک ممتاز بزرگ تھے۔ یہ بات یہاں آکر اپنے آباد کردہ قصبہ میں بھی انہوں نے ملحوظ رکھی۔ ممکن تھا کہ آج کل کے دنیا پرستوں کی طرح اس گاؤں کا نام ہادی پورہ یا برلاس پورہ رکھ لیتے۔ مگر اُن کی دینداری اور زاہدانہ طبیعت نے پسند کیا کہ اس کا نام اسلام پورہ رکھیں۔

چونکہ یہ علاقہ جس میں میرزا ہادی بیگ نے اپنے رہنے کے لئے یہ گاؤں آباد کیا، ماجھا کہلاتا تھا۔ جس کا طولانی علاقہ ساٹھ کوس ہے۔ اور شاید یہ نام اس واسطے رکھا گیا ہو کہ اس ملک میں بھینسیں بکثرت ہوتی ہیں اور ماجھ زبان ہندی میں بھینس کو کہتے ہیں۔ یہ بستی جو حضرت میرزا ہادی بیگ صاحب نے آباد کی اور جس کا نام اسلام پور رکھا، یوماً فیوماً ترقی کرنے لگی۔ اور اس کے ارد گرد کثرت سے دیہات آباد ہو گئے۔ اور میرزا ہادی بیگ کی نیک چلنی، حسنِ اخلاق، دینداری اور اسلامی غیرت و محبت کا تمام گرد و نواح میں عام شہرہ ہو گیا۔ اور شجاعت و طاقت کی ہیبت تمام علاقوں پر چھا گئی۔ یہاں تک کہ اس سارے علاقہ کی حکومت اسی خاندان کے ہاتھ میں آگئی۔ اور اسلام پور جو اب قادیان کہلاتا ہے اس سارے علاقے کا جو ۶۰ میل تک پھیلا ہوا تھا صدر مقام ٹھہرا۔ اور یہیں صدر عدالت یعنی دارالقضاء تھا۔ اس لئے لوگوں نے اس قصبہ کا نام اسلام پور قاضی ماجھی مشہور کر دیا۔ چونکہ زبان محاورہ اختصار پسند ہوتی ہے اس لئے رفتہ رفتہ لوگ اسلام پور چھوڑ کر کچھ عرصہ تک اس کو قاضی ماجھی کے نام سے پکارتے

رہے اور پھر امتدادِ زمانہ نے قاضی ماجھی کی بجائے صرف قاضی نام باقی رہنے دیا۔ اور چونکہ ضؔ کے تلفظ میں اہل ہند و پنجاب عموماً دؔ سے کام چلاتے ہیں اس لئے قاضی کی بجائے قادی ہو گیا، پھر اس سے بگڑ کر قادیان بنا۔ اور آج کل اسی جگہ کو قادیان کہتے ہیں۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا تھا کہ مہدی قصبہ کدعہ سے پیدا ہو گا۔ وہ اسی قصبہ قادی کا پتہ ہے۔

جو لوگ کشفی زبان اور اجنبیت رسم الخط کی حقیقت کو سمجھتے ہیں وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ کدعہ اور قادی ایک ہی ہیں۔ یہ قصبہ کدعہ (قادیان) ۳۲ درجے طولانی خطِ استوا میں واقعہ ہے۔ اور یہ وہی طول بلد ہے جس میں دمشق ہے۔ اور یہ ظاہر ہے کہ دمشق سے اس کی سمت مشرقی ہے۔ اگرچہ میرزا ہادی بیگ صاحب کے وہم و گمان میں بھی یہ امر نہ تھا کہ وہ اس قدر دُور دراز سفر طے کر کے ایک جنگل میں کیوں قیام کرتے ہیں۔ لیکن جس مصلحتِ الٰہی نے اُنہیں خراسان اور کش سے پنجاب کی طرف نکالا۔ اُسی نے انہیں اس مقام پر آباد ہونے کی تحریک کی۔ تاکہ اس حدیث نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا منشا پورا ہو جائے۔ جس میں آپؐ نے فرمایا تھا کہ مسیح موعود کا نزول جانب شرق دمشق سے ہو گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

از کلمۂ منارۂ شرقی عجب مدار
چوں خود ز شرق است تجلّی نیرم

(حیات النبی ص ۲۲ و ۲۳)

اس تفصیل سے ان تمام ادوار اسی کا پتہ چل گیا جو اسلام پور کو قادیان تک

پہنچنے میں لگے۔

اور اس روحانی مقصد کا بھی علم ہوا جو میرزا ہادی بیگ کو خراسان سے کھینچ کر اس جنگل میں لایا جو دریائے بیاس کے قریب تھا۔

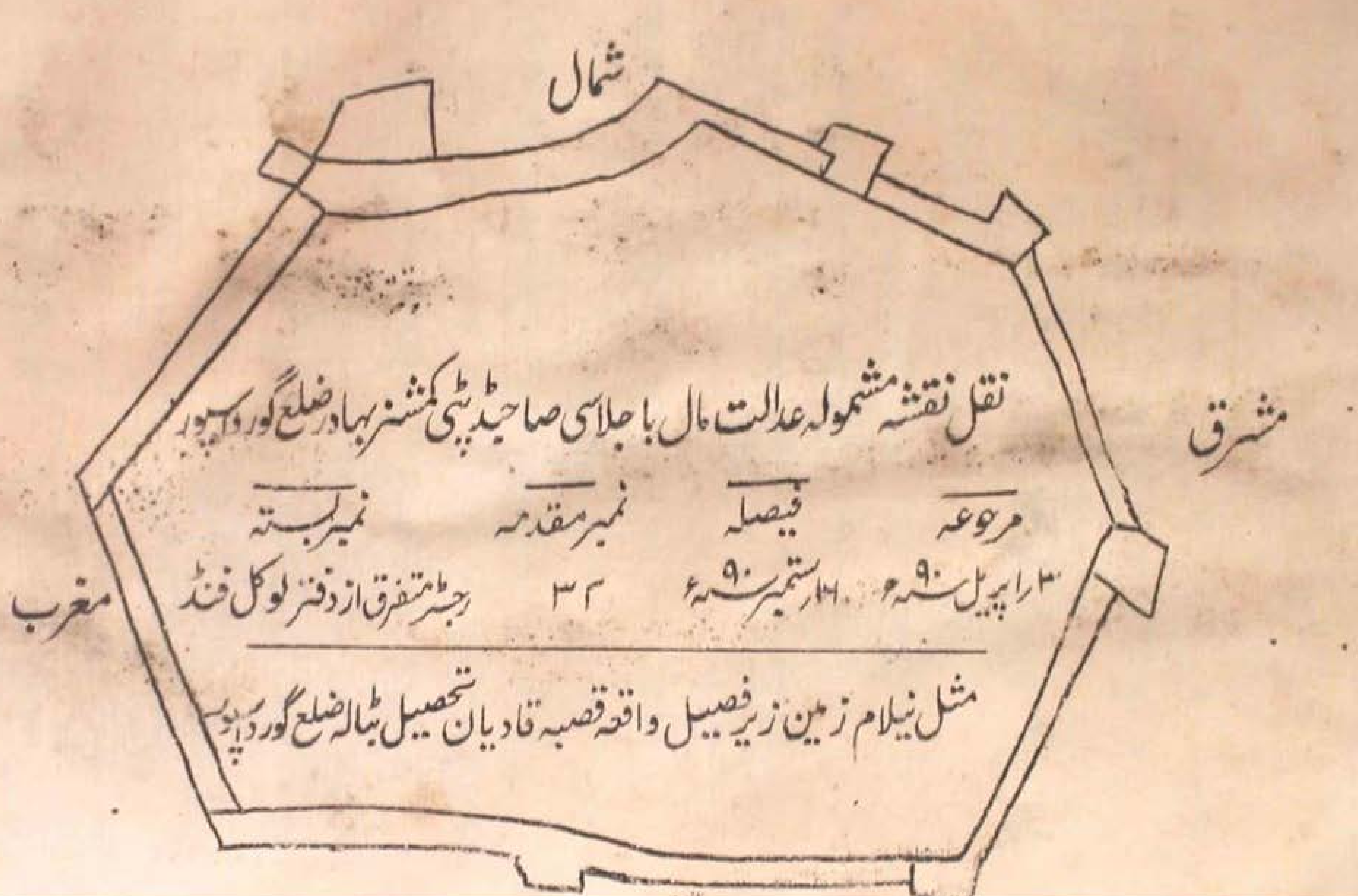
قادیان کی تعمیر

قادیان کی تعمیر ایک قلعہ نما گڑھی کی طرح ہوئی جس کے ارد گرد ایک خندق تھی جو برساتی پانی سے بھر جاتی تھی اور ایک بڑی فصیل سارے شہر کے ارد گرد تھی جو تقریباً بیس بائیس فٹ چوڑی تھی۔ قصبہ کے اندر آنے جانے کے لئے چار دروازے تھے۔ جن پر حفاظتی دستے رہتے تھے۔ دروازوں کے حسب ذیل نام تھے۔

بٹالی دروازہ۔ پہاڑی دروازہ۔ موری دروازہ۔ ننگلی دروازہ۔

ان دروازوں کے ساتھ ڈیوڑھیاں بنی ہوئی تھیں۔ مضبوط دروازے لگے ہوئے تھے جو صبح کو کھول دئے جاتے تھے۔ اور رات کو بند کر دیئے جاتے تھے۔ فصیل کچی تھی۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ کچی دیوار میں گولہ باری اثر انداز نہ ہو سکتی تھی۔ فصیل کے گرداگرد بہت بڑی وسیع خندق اور ڈھاب تھی۔ قادیان کا جائے وقوع نشیب میں تھا۔ اس لئے برسات کے موسم میں تمام دیہات ملحقہ کا پانی قادیان کی طرف آتا تھا۔ جس سے دریا کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی تھی۔ اور بہت سی زمینیں جو کاشت کے کام میں آتی تھیں کئی کئی دن تک پانی میں غرقاب رہتی تھیں۔ ویسے تو پانی سارا سال یہاں کھڑا رہتا تھا مگر اس طغیانی کی حالت بھی مہینہ مہینہ بھر رہا کرتی تھی۔

فصیل اور اس کے اندر کی آبادی کی شکل معلوم کرنے کے لئے ذیل میں ایک نقشہ دیا جاتا ہے جو سرکاری کاغذات سے لیا گیا ہے۔


شمال
مشرق
مغرب
نقل نقشہ مشمولہ عدالت مال باجلاسی صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر ضلع گورداسپور
مرجوعہ
فیصلہ
نمبر مقدمہ
نمبر بستہ
۳ ؍ اپریل سنہ ۹۰ء
۱۶ ؍ ستمبر سنہ ۹۰ء
۳۲
رجسٹر متفرق از دفتر لوکل فنڈ
مثل نیلام زمین زیر فصیل واقعہ قصبہ قادیان تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور

میرزا ہادی بیگ کا مورث اعلیٰ

قراچار

میرزا ہادی بیگ برلاس مغل تھے۔ اُن کی پیدائش خراسان میں ہوئی تھی۔ ان کی قوم کا مورث اعلیٰ **قراچار** نامی شخص ہوا۔ **قراچار** چھٹی صدی کے قریب ہوا۔ یہ شخص اپنی قوم میں سے پہلا شخص تھا جس نے اسلام قبول کیا تھا اور اپنی قوم میں اشاعتِ اسلام کا باعث ہوا تھا۔

جان ملکم اور **مارخم** جیسے متعصب عیسائی مؤرخین نے بھی قراچار کی بڑی تعریف و توصیف کی ہے۔

قراچار پہلے چغتائی کا وزیر تھا۔ مگر بعد میں اس کی بہادری اور جرأت کو دیکھ کر اُسے اپنا وزیر جنگ اور سپہ سالارِ افواج بنا دیا۔

قراچار نے اپنی قوم برلاس کو سمرقند کے جنوب کی طرف تخمیناً ۳۰ میل کے فاصلے پر شہر کُش کے گرد و نواح میں آباد کیا۔

قراچار کے پوتے برقال کے دو بیٹے ہوئے۔ ایک کا نام طراغے تھا، دوسرے کا نام حاجی برلاس۔ صاحبقران تیمور اسی طراغے کے بیٹے تھے۔ اور قادیان کے موسس اور بانی میرزا ہادی بیگ کے جد امجد یہی حاجی برلاس تھے۔

حاجی برلاس کی ہجرت

تیمور بڑا ہو کر اپنے ملک کا فاتح ہوا۔ اور اُس نے اس علاقہ کو بھی فتح کر لیا۔ جو کش کے ساتھ وابستہ تھا۔ اس طرح تیمور کی فتحمندی نے حاجی برلاس کو جو بادشاہ کا

پچا تھا، وہاں سے نکلنے پر مجبور کیا۔ انہوں نے وہاں سے نکل کر خراسان میں پناہ لی۔ اور وہیں وفات پائی۔ حاجی برلاس کی وفات کے بعد امیر تیمور نے خراسان کو بھی فتح کر کے یہ ملک اپنے چچا کی اولاد کو جاگیر میں دے دیا۔ اور اس طرح اس تکلیف کی تلافی کرنی چاہی، جو حاجی برلاس اُسکے چچا کو وہاں سے نکلنے پر ہوئی تھی۔

میرزا ہادی بیگ

میرزا ہادی بیگ جو قادیان کے بانی اور موسس تھے خراسان ہی میں پیدا ہوئے تھے۔ لیکن وہ نامعلوم اسباب کی بناء پر اپنے اس وطن کو جو تیمور نے فتح کر کے اُن کے قبضہ میں دے دیا ہوا تھا، اور جہاں وہ ایک امیر کبیر اور صاحب حکومت شخص کی حیثیت سے رہتے تھے، اپنے وطن کو الوداع کہنے پر مجبور ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے میرزا ہادی بیگ صاحب کے متعلق جو بیانات تحریر فرمائے ہیں۔ وہ میں یہاں درج کر دیتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں :-

"مجھے کچھ معلوم نہیں کہ کیوں اور کس وجہ سے ہمارے بزرگ سمرقند سے اس ملک میں آئے۔ مگر کاغذات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس ملک میں بھی وہ معزز امراء اور خاندان والیانِ ملک میں سے تھے۔ اور اُنہیں کسی قومی خصومت اور تفرقہ کی وجہ سے اس ملک کو چھوڑنا پڑا۔"

"میرے بزرگوں کے پرانے کاغذات سے جواب تک محفوظ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اس ملک میں سمرقند سے آئے تھے۔ اور اُن کے ساتھ قریباً دو سو آدمی اُن کے توابع اور خدام اور اہل و عیال میں سے تھے اور وہ ایک معزز رئیس کی حیثیت سے اس ملک میں داخل ہوئے۔"

سر لیپل گریفن اپنی مشہور کتاب "رئیسان پنجاب" میں لکھتے ہیں :-
"شہنشاہ بابر کے عہد حکومت کے آخری سال یعنی ۱۵۳۰ء میں ایک مغل مسمی ہادی بیگ باشندہ سمرقند اپنے وطن کو چھوڑ کر پنجاب میں آیا اور ضلع گورداسپور میں بود و باش اختیار کی۔ یہ کسی قدر پڑھا لکھا آدمی تھا۔ اور قادیان کے گرد و نواح کے ۷۰ مواضعات کا قاضی یا مجسٹریٹ مقرر کیا گیا .... کئی پشتوں تک یہ خاندان شاہی عہد حکومت میں معزز عہدوں پر ممتاز رہا"

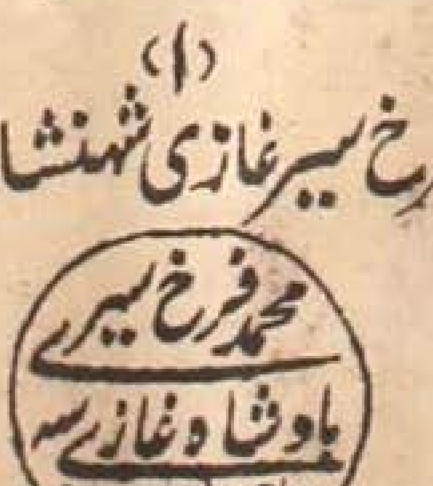
اس شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا ہادی بیگ کی اولاد مغل سلطنت میں ممتاز عہدوں پر فائز رہی۔

عضد الدولہ میرزا فیض محمد صاحب ہفت ہزاری

جب تک مغل حکومت مضبوط ہاتھوں میں رہی اور پنجاب کا ملک دہلی کا باجگزار تھا۔ اس وقت تک یہ خاندان مغل ایمپائر میں بہت معزز اور مقرب سلطنت سمجھا جاتا رہا۔ چنانچہ بعض فرامین شاہی جو دستیاب ہوئے ہیں وہ اس امر کی کھلی شہادت ہیں۔

(۱)

منشور محمد فرخ سیر غازی شہنشاہ ہندوستان



زبدۃ الاماثل والاقران میرزا فیض محمد خاں مستمال بودہ بداند کہ چوں در ینوقت

حضور فیض گنجور عرش آشیانی ظل سبحانی از وفاکیشی وخیر سگالی وجاں نثاری شما مسرور ومبتہج شدہ است۔ لہذا حکم جہاں مطاع عالم مطیع شرف صدور می یابد کہ آں اخلاص نشان را در سلک ہفت ہزاری منضبط کردہ وجا دادہ از خطاب عضد الدولہ مفتخر وممتاز فرمودہ مے شود۔ بادکہ در موکب فیروزی کوکب خود راموجود وحاضر ساختہ مدام بوفاکیشی وخیر سگالی بندگان عرش آشیانی ساعی ومصروف می بودہ باشد۔ فقط

تحریر بتاریخ نوزدہم شہر شوال جلوس سنہ ۴ سم

ترجمہ

بزرگوں وہمسروں میں برگزیدہ میرزا فیض محمد خاں شاہی دلجوئی یافتہ ہو کر جان لیں کہ اس وقت حضور فیض گنجور عرش آشیانی ظل سبحانی آپ کی وفاکیشی اور خیر اندیشی اور جاں نثاری سے نہایت خوش ہوئے ہیں۔ اس لئے حکم جہاں مطاع عالم مطیع نے صدور کا شرف حاصل کیا ہے۔ کہ اس اخلاص نشان کو ہفت ہزاری امرا کی سلک میں منضبط کر کے اور جگہ دے کر عضد الدولہ کے خطاب سے مفتخر اور ممتاز کیا جاتا ہے۔ چاہیئے کہ اب لشکر فیروزی اثر میں اپنے آپ کو موجود اور حاضر کریں۔ اور ہمیشہ عرش آشیانی کی درگاہ کے بندوں کی وفاکیشی اور خیر اندیشی میں مصروف اور ساعی رہیں۔

۱۹ ماہ شوال سنہ ۴ جلوس سم

(۲)

منشور عہد محمد شاہ بادشاہ ہندوستان

اخلاص وعقیدت دستگاہ میرزا گل محمد ستمال بودہ بدانند۔ در ینوقت سلالۃ النجبا فضیلت وکمالات پناہ حیات اللہ مفصل حقیقت شما حالی گردانید بایدکہ در ہر باب خاطر جمع نمودہ در اکنۂ خود ہا آباد ومطمئن باشند واینجانب را

متوجہ احوال خود انگاشتہ چگونگی را ارسال دارند بکار ہائے خود بکمال خاطر جمعی مشغول و سرگرم باشند و ہرگاہ احدے از عازمان متوجہ آں سرزمین خواہد شد بر مضمون تعلیقچہ اطلاع یافتہ در بارہ آں اخلاص نشان غور واقعی بعمل خواہد آورد۔

تحریر فی التاریخ بست و چہارم شہر رجب سنہ ۱۱۶۱ ہجری

باللہ محمود فی
کل فعالہ محمد

ترجمہ

اخلاص و عقیدت دستگاہ میرزا گل محمد (شاہی) دلجوئی یافتہ ہو کر معلوم کریں۔ اس وقت برگزیدہ شرفاء و نجباء فضیلت و کمالات پناہ حیات اللہ نے خود آپ کی بیان کردہ حقیقت کی تفصیل سے آگاہ کیا۔ لازم ہے کہ ہر باب میں خاطر جمع ہو کر اپنی جگہ آباد اور مطمئن رہیں۔ اور اس جانب کو اپنے حالات کی جانب متوجہ سمجھ کر اپنے حالات کی کیفیت ارسال کرتے رہیں۔ اور اپنے کار متعلقہ میں پوری دلجمعی کے ساتھ مشغول اور سرگرم رہیں۔ جب کوئی کارپرداز اس سرزمین کی طرف متوجہ ہوگا تو تعلیقہ (رپورٹ) کے مضمون پر اطلاع پاکر اس اخلاص نشان کے بارہ میں واقعی غور عمل میں لایا جائیگا۔

محررہ ۲۴ رجب سنہ ۱۱۶۱ ہجری

مہر چوکور

(۳)

منشور عہد شاہ عالم ثانی بادشاہ ہندوستان

نجابت و معالی پناہ میرزا گل محمد بتوجہات خاطر عالی مستمال بودہ بداند کہ دریں وقت رایات عالی وزیر آباد را رشک فرودین وار دی بہشت فرمودہ فضیلت و کمالات

مآب سیادت و نجابت انتساب بٹالہ حسن اخلاق او را بعرض رسانید در
ہر باب خاطر خود را جمعداشت نمودہ در جائیگاہ خود ہا سکونت داشتہ باشد
کہ انشاء اللہ تعالےٰ در حین ورود مسکن فیروزی مامن غور و پرداخت احوال
آنہا۔ بواقعی خواہد شد در کمال اطمینان و دیانتداری وکلائے خود را روانہ
درگاہ نمایند۔

مہر کلاں جو دریدہ ہے

سنہ ۱۲۱۱ ہجری

ترجمہ

نجابت و معالی پناہ میرزا گل محمد خاطر عالی کی توجہات سے دلجوئی ہو کر معلوم
کریں کہ اس وقت لشکر شاہی نے وزیر آباد کو فرور دین اور ارذی بہشت کا رشک بنایا
ہے۔ فضیلت مآب بٹالہ کے رہنے والے نے آپ کا حسن اخلاق عرض کیا۔ ہر باب میں
خاطر جمع ہو کر اپنے گھر بار میں سکونت رکھیں۔ انشاء اللہ جس وقت مسکن فیروزی
مامن میں ورود ہو گا۔ اس وقت آپ کے حالات کی واقعی غور پرداخت کی جائے گی۔
کمال اطمینان کے ساتھ اپنے وکلاء درگاہ میں روانہ کریں۔

سنہ ۱۲۱۱ ہجری

مہر

(۴۷)

منشور عہد شاہ عالم ثانی بادشاہ ہندوستان

عالیجاہ رفیع جائیگاہ اخلاص و عقیدت دستگاہ گل محمد خاں بسلامت
باشد بعدہٗ آنکہ عریضہ کہ دریں وقت بخصوص چگونگی احوالات و روئیداد و اخلاص
و خدمت گذاری خود و غیرہ مواد کہ قلمی و ارسال داشتہ بود رسید حقائق آں
واضح و حالی گردید۔ عریضہ مرسلہ ترقی خواہ را در نظر بہادراں حضور فیض گنجور
خاقانی گذرانیدہ شد و در جواب رقم قدر توام مالک مطاع اشرف بسرافرازی

آں عالیجاہ شرف اصدار یافتہ کہ بزیارت آں مشرف دار۔ بعمل خواہد آورد در ہر باب خاطر جمع داشتہ و مستعد خواہش دیوانی بودہ نویساں حالات باشد۔

بتاریخ جمادی الثانی ۱۲۱۳ ہجری

(مہر بیضوی جو بہت مدھم ہے)

ترجمہ

عالیجاہ بلند مرتبہ اخلاص اور عقیدت کے دستگاہ رکھنے والے۔ گل محمد خاں سلامت رہو۔ بعدہٗ وہ عریضہ کہ آپ نے اپنی چگونگی حالات اور روئیداد و اخلاص و خدمت گذاری وغیرہ مواد کے خصوص میں لکھا تھا۔ اس کی حقیقت واضح ہوئی۔ اس عالیجاہ کا عریضہ حضور فیض گنجور کے بہادروں کے سامنے پیش ہو گیا۔ اس کے جواب میں اس عالیجاہ کی سرافراز کی نسبت رقم قدر توام مالک و مطاع اشرف کا حکم صادر ہوا ہے۔ مشرف دار یعنی ناظر اعلیٰ اس کو عمل میں لائے گا۔ دیوانی ضرورتوں کے مستعد ہو کر اپنے حالات لکھتے رہیں۔

محررہ ماہ جمادی الثانی ۱۲۱۳ ہجری

(مہر)

(۵)

منشور عہد عالمگیر ثانی بادشاہ ہندوستان

عمدۃ الاماثل والاقران گل محمد خاں بداند عریضہ کہ دریں وقت بخصوص احوالات و روئیداد خود قلمی و ارسال داشتہ بود رسید چگونگی آں واضح شد باید کہ خاطر خود را بہر باب جمع داشتہ و مطمئن خاطر بودہ مشغول امورات خود و احوالاتے کہ باشد ہمہ روزہ بعرض رساند۔

بتاریخ شہر رجب ۱۲۱۶ ہجری

(مہر بیضوی جو مدھم ہے)

ترجمہ

برگزیدہ اکابر و معاصر گل محمد خاں معلوم کریں۔ کہ اس وقت آپ کے عریضہ سے جس میں خصوصیت کے ساتھ آپ نے اپنی روئداد اور حالات قلمبند کر کے بھیجا ہے تمام واضح ہوئی۔ چاہیئے کہ آپ ہر بات میں مطمئن اور خاطر جمع ہو کر اپنے متعلقہ امور میں مشغول رہیں۔ اور اپنے روزمرہ کے حالات لکھتے رہیں۔

محررہ ماہ رجب ۱۲۱۶ھ ہجری (مہر)

ان فرامین سے معلوم ہوتا ہے کہ میرزا فیض محمدؐ صاحب کو شہنشاہ فرخ سیر نے عضد الدولہ کا خطاب اور ہفت ہزاری کے منصب سے سرفراز فرمایا تھا۔

اس سے خاندان قادیان کی اس عظمت کا پتہ چلتا ہے جو اسے سمرقند میں اور پھر ہندوستان میں حاصل تھی۔

قادیان کا دُوسرا دور

طوائف الملوکی کا زمانہ

سکھوں کے ابتدائی حملوں میں جبکہ سلطنت مغلیہ بالکل کمزور ہوگئی تھی۔ اس وقت جناب میرزا گل محمد صاحب جو بانی جماعت احمدیہ کے پردادا تھے۔ وہ قادیان کے اردگرد کے علاقہ پر جس میں ۸۵ گاؤں شامل تھے، مطلق العنان حکمران تھے۔ اور انہوں نے اس وقت ایک آزاد حکومت کی بنیاد رکھی۔ اس آزاد سلطنت کے قیام سے قادیان کا دوسرا دور شروع ہوا۔

جناب میرزا گل محمد صاحب ہمہ صفت موصوف تھے وہ دیانت و امانت،

پرہیزگاری کے ساتھ بہادری، شجاعت اور تدبّر اور سیاست کے ساتھ صاحب خوارق وکرامات تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ان کا دستر خوان بہت وسیع تھا۔ اور ہمیشہ قریب ۵۰۰ آدمی اُن کے دستر خوان پر روٹی کھاتے تھے۔ انہوں نے اپنی ۸۵ گاؤں کی ریاست کا زبردست انتظام کیا ہوا تھا۔ اور سکھوں کے حملوں کو روکنے کے لئے ایک فوج رکھی ہوئی تھی۔ اس فوج میں قریب ایک ہزار سوار و پیادہ کے تھے اور تین توپیں بھی اُن کے پاس تھیں۔

غیاث الدولہ کی آمد

اس زمانہ میں سلطنت دہلی کا ایک مشہور وزیر غیاث الدولہ قادیان میں آیا۔ اور اس نے میرزا گل محمد صاحب کا مدبرانہ طریق اور بیدار مغزی اور ہمت اور اولوالعزمی اور استقلال اور عقل و فہم وغیرہ اور آپ کے دربار کے وقار کو دیکھا تو وہ چشم پُرآب ہو کر بولا کہ اگر مجھے پہلے خبر ہوتی۔ کہ

اس جنگل میں خاندان مغلیہ میں سے ایسا مرد موجود ہے جس میں صفات ضروریہ سلطنت کے پائے جاتے ہیں تو میں اسلامی سلطنت کے محفوظ رکھنے کے لئے کوشش کرتا کہ ایام کسل اور نالیاقتی اور بدوضعی ملوک چغتائیہ میں اسی کو تخت دہلی پر بٹھایا جاوے۔

قادیان کی ریاست کی سالانہ آمدنی

اس ریاست قادیان کی سالانہ آمدنی آٹھ لاکھ روپیہ تھی۔ چنانچہ کتاب

شمشیر خالصہ یا تواریخ گورو خالصہ جلد سوئم صـ ۲۸۴ مطبوعہ ۱۸۹۳ء میں لکھا ہے :۔

"۱۸۶۳ بکرمی میں اس کا (سردار جودھ سنگھ کا) چچا تارا سنگھ مرگیا تو اس کے بیٹے دیوان سنگھ نے جودھ سنگھ سے لڑکر اپنی جائیداد علیحدہ کرلی۔ اور تعلقہ قادیان کے ۸۴ دیہات پر جن کی آمدنی آٹھ لاکھ روپیہ سالانہ تھی قابض ہوگیا۔"

اس حوالہ سے صاف واضح ہوگیا کہ قادیان کی ریاست کی سالانہ آمدنی اس وقت آٹھ لاکھ روپیہ تھی۔ ایک ہزار فوج کا خرچ ہی بتلاتا ہے کہ ریاست ایک معقول آمدنی رکھتی تھی۔

قادیان کا تیسرا دور

جناب میرزا عطا محمدؐ صاحب۔ اور سکھوں کا قادیان پر قبضہ

جناب میرزا گل محمد صاحب کی وفات پر میرزا عطا محمد صاحب اُن کے صاحبزادے جانشین ہوئے۔ مگر اُن کے زمانہ میں سکھ لوگ بڑھتے چلے گئے اور باوجود میرزا عطا محمد صاحب کی تمام مساعی اور تدابیر قضاء و قدر کا مقابلہ نہ کرسکیں۔ اور ایک ایک کرکے اس ریاست کے سب گاؤں قبضہ سے نکل گئے اور سکھ ان پر قابض ہوگئے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس انقلاب کے متعلق حسب ذیل بیان شائع فرمایا:۔

"دادا صاحب مرحوم نے اپنی ریاست کی حفاظت کے لئے بہت تدبیریں کیں۔ مگر جبکہ قضاء و قدر اُن کے ارادہ کے موافق نہ تھی۔ اس لئے ناکام رہے اور کوئی تدبیر پیش نہ گئی۔ اور روز بروز سکھ لوگ ہماری ریاست

کے دیہات پر قبضہ کرتے گئے۔ یہاں تک کہ دادا صاحب مرحوم کے پاس ایک قادیان رہ گئی۔ اور قادیان اس وقت ایک قلعہ کی صورت پر ایک قصبہ تھا اور اس کے چار بُرج تھے اور برجوں میں فوج کے آدمی رہتے تھے۔ اور چند توپیں تھیں۔ اور فصیل بائیس فٹ کے قریب اُونچی اور اس قدر چوڑی تھی کہ اس پر تین چھکڑے آسانی سے ایک دوسرے کے مقابل پر جا سکتے تھے۔ اور ایسا ہُوا کہ ایک گروہ سکھوں کا جو رام گڑھیہ کہلاتا تھا۔ اوّل فریب کی راہ سے اجازت لے کر قادیان میں داخل ہُوا، اور پھر قبضہ کر لیا۔"

اس طرح مغلیہ سلطنت کے خاتمہ کے بعد اس خاندان کی حکومت میرزا عطا محمد صاحب کے زمانہ میں ختم ہو گئی۔ اور یہ قادیان کا تیسرا دور تھا جبکہ برلاس خاندان جو قادیان کا بانی تھا قادیان سے نکلنے پر مجبور ہُوا۔ اور سکھ حکومت قادیان میں قائم ہو گئی۔ کتاب عمدۃ التواریخ تتمہ دفتر اوّل و دوم میں لکھا ہے:۔

"ایں دیوا سنگھ پسر تارا سنگھ تاخت و تاراج ملک مے نمود تا آنکہ تعلقہ کادیان از مغولاں عطا محمد پسر میرزا گل محمد .... بودند بزور گرفت وایشاں را از خانماں بدر کرد۔"

یعنی یہ دیوا سنگھ پسر تارا سنگھ ملک کو تاخت و تاراج کرتا تھا یہاں تک کہ اس نے تعلقہ قادیان مغلاں کو جہاں (میرزا) عطا محمد پسر میرزا گل محمد مقیم تھے زبردستی لے لیا اور مغلوں کو اپنے گھروں سے باہر نکال دیا۔

قادیان نے اُس وقت کیا دیکھا

جب یہ خاندان ہندوستان کے اس حصہ میں آباد ہُوا تھا۔ انہوں نے راحت و آرام

کے سوا کچھ نہ دیکھا تھا۔ حکومت امارت۔ رُعب داب۔ دبدبہ شاہی۔ نوکر چاکر۔ خدم و حشم سب کچھ موجود تھا۔ مگر دنیا کا رنگ بدل گیا۔ مغلوں کی سلطنت ختم ہوئی۔ سکھوں کا دور دورہ شروع ہوا۔ اب گذشتہ سلطنت کے کھنڈرات کو باقی رکھنا پسند نہ کیا جاتا تھا۔ مغل نئی سلطنت کے مجرم تھے اور ان کا یہی جرم تھا کہ وہ گذشتہ سلطنت کے عمائد تھے۔ اس لئے تلاش کر کر کے پکڑے جاتے تھے۔ اور زمین باوجود اپنی وسعت کے ان پر تنگ ہو رہی تھی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اس حالت کا نقشہ کھینچا ہے۔ فرمایا:۔

"اس وقت ہمارے بزرگوں پر بڑی تباہی آئی۔ اور اسرائیلی قوم کی طرح وہ اسیروں کی طرح پکڑے گئے۔ اور اُن کی مال و متاع سب لوٹی گئی۔ کئی مسجدیں اور عمدہ عمدہ مکانات مسمار کئے گئے۔ اور جہالت و تعصب سے باغوں کو کاٹ دیا گیا۔ اور بعض مسجدیں جن میں سے اب تک ایک مسجد سکھوں کے قبضہ میں ہے دھرم سالہ یعنی سکھوں کا معبد بنایا گیا۔

اس دن ہمارے بزرگوں کا ایک کتب خانہ بھی جلا دیا گیا جس میں ۵۰۰ نسخہ قرآن شریف کا قلمی تھا۔ جو نہایت بے ادبی کے ساتھ جلایا گیا۔ اور آخر سکھوں نے کچھ سوچ کر ہمارے بزرگوں کو نکل جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ تمام مرد و زن چھکڑوں میں بٹھا کر نکالے گئے۔ اور وہ پنجاب کی ایک ریاست میں پناہ گزین ہوئے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد ان ہی دشمنوں کے منصوبے سے میرے دادا صاحب کو زہر دی گئی"

یہ بیان اگرچہ مختصر ہے مگر اس میں بہت بڑی تفصیل پنہاں ہے۔

مغلوں کا طرۂ امتیاز یہ تھا کہ وہ اچھی عمارتوں اور عمدہ خوبصورت باغات کے شیدائی تھے۔ اور وہ جہاں جاتے تھے خوبصورت مسجدیں بنایا کرتے تھے۔ چنانچہ ہندوستان کی تاریخ کو پڑھ کر دیکھ لو۔ ہندوستان کے طول و عرض میں پھر کر دیکھ لو۔

مغلوں کی یادگار اُن کی عمارتیں ہیں۔ جو اپنی نفاست کی وجہ سے مغلوں کے تمدنی ارتقاء اور ان کی نفاست پسندی کا ثبوت ہیں۔

پس اگر اس تفصیل میں چلا جاؤں جو مغلوں کے تمدنی ارتقاء کے متعلق ہے۔ تو میری کتاب اس تفصیل کی متحمل ہو نہیں سکتی۔ مگر دہلی۔ آگرہ۔ فتحپور سیکری۔ لاہور وغیرہ مقامات میں نفیس عمارتیں۔ عمدہ باغات۔ اعلیٰ درجہ کی مسجدیں اُن کے اس شوق کی کھلی اور بیّن دلیل ہیں۔ اسی شوق اور جذبہ کے ماتحت میرزا ہادی بیگ اور ان کی اولاد نے قادیان میں **باغات**، **مسجدیں** اور **مکانات** بنائے تھے۔ جو سکھوں کے حملوں سے تباہ کر دئیے گئے۔ اور دو تین سو سال کی **حکومت و امارت** نے ان کے مکانات کو جن تحائف اور قیمتی عجائبات سے بھر دیا ہوگا وہ بھی ظاہر ہے۔ وہ سب بیدردی سے لُوٹ لئے گئے۔

اور مغلیہ خاندان کے یہ شاہزادے اور شاہزادیاں بیدردی سے اسیر کئے گئے۔ وہ بیگمات جو کبھی ایک قدم چلنے کی عادی نہ تھیں ان کو نہایت سختی سے ان کے محلات سے نکالا گیا۔ اور ان کو چھکڑوں میں سوار کیا گیا۔

سب سے بڑی چیز یہ کہ مغل ہمیشہ علم کے سرپرست رہے۔ اس لئے اس خاندان میں بھی علمی اور مذہبی چرچا تھا۔ جس کی وجہ سے انہوں نے ایک قیمتی کتب خانہ جمع کر رکھا تھا اور اس کی عظمت کا اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں پانچسو قلمی قرآن مجید موجود تھے۔ یہ سب کچھ بیدردی سے ضائع اور تباہ کر دیا گیا۔

اس کا صاف مفہوم یہ ہے کہ سکھوں کی سلطنت کے آغاز میں قادیان کی اینٹ سے اینٹ بج گئی۔ اور بڑی تباہی آئی۔ اور یہ **ممتاز** خاندان جو صدیوں سے **سلطنت و امارت** کرتا چلا آرہا تھا خانماں برباد ہو گیا۔

اس طرح قادیان کے لوگوں نے قادیان کی مرفع الحالی کے بعد اس کی ویرانی کو دیکھا

میرزا عطا محمد صاحب اپنے لُٹے ہوئے قافلے کو کپور تھلہ کی ریاست میں چلے گئے۔ جہاں بمقام بیگوال میں قیام کیا۔ سر لیپل گریفن کی تحقیقات کی بناء پر میرزا عطا محمد صاحب بیگوال میں بارہ سال تک رہے۔ اس وقت کپور تھلہ کے حکمران سردار فتح سنگھ آہلو والیہ تھے۔ جنہوں نے اس معزز خاندان کی ہر طرح عزت کی۔ میرزا عطا محمد صاحب وہیں فوت ہوئے۔ مگر اُن کے بیٹے میرزا غلام مرتضیٰ صاحب اُن کی نعش کو وہاں سے راتوں رات قادیان لائے اور اپنے خاندان کے قبرستان میں اُن کو دفن کر دیا۔ میرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی یہ جرأت و دلیری بے شک قابل صد احترام ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کی ذرا بھی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے والد کی نعش کو یہاں لے آئے اور ان کی آخری آرامگاہ وہاں ہی بنائی جہاں اُن کے بزرگ آرام کر رہے تھے۔

جناب میرزا غلام مرتضیٰ صاحب

سکھوں کے اس دَور میں قادیان نے بھی ایک جدید دَور دیکھا۔ پہلا دَور آغاز ترقی، فارغ البالی کا تھا۔ یہ دوسرا دَور تباہی اور انہدام کا دور تھا۔ مکانات گر گئے، باغ اُجڑ گئے، مسجدیں تباہ ہوئیں، کتب خانے جلائے گئے۔ فوجی شان و شوکت جو قادیان کی فصیل پر نظر آتی تھی ختم ہوئی، باغوں میں چہچہانے والے پرندے اڑ گئے اور کچھ لوگ ان لڑائیوں میں مارے گئے۔ اور کچھ جو وفادارانِ خاندان ہوں گے وہ یہاں سے ہجرت کر گئے ہوں گے۔ جیسا کہ ایسے موقعوں پر ہُوا کرتا ہے۔ **الغرض** قادیان کے لئے یہ زمانہ سوگ اور غم کا زمانہ تھا۔

سکھوں کا زور ہو گیا۔ شہر میں سکھ کاردار کی حویلی بن گئی۔ اور یہ حویلی مسجد اقصیٰ کی جگہ پر تھی۔ مجرموں کو اسی حویلی کے سامنے کاٹھ مارا جاتا تھا اور وہ سارا سارا دن

اس عذاب میں مبتلا پڑے رہتے تھے۔

وہ تر و تازگی اور قادیان کی رونق اس دور میں بالکل ختم ہو گئی۔ اور قادیان ایک نہایت ہی معمولی قسم کا قصبہ ہو گیا۔ جہاں ضرورت کی اشیاء بھی میسر نہ آتی تھیں مگر خدا کا شکر ہے کہ جلد حالت بدل گئی۔ اور ایک جدید دور کا آغاز ہوا۔

قادیان کا ایک جدید دور

قادیان پر جلد ہی ایک جدید دور کا آغاز ہو گیا۔ میرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے زمانہ میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے بڑی طاقت پکڑ لی اور انہوں نے ایک منظم حکومت کی بنیاد رکھی۔

جناب میرزا غلام مرتضےٰ صاحب نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دربار تک رسائی حاصل کی۔ جس کے نتیجہ میں مہاراج نے میرزا صاحب موصوف کو واپس قادیان بُلا لیا۔ اور اُن کو اُن کی جدی ریاست کا صدر مقام قادیان اور پانچ اور دیہات واپس دیدیئے۔

میرزا عطا محمد صاحب کے زمانہ میں جو کچھ ہوا۔ اور جس قسم کی مصیبتوں کا سامنا اس خاندان کو ہوا۔ اس کے پیشِ نظر قادیان کا واپس مل جانا اور اس کے ساتھ پانچ دیہات کا واپس مل جانا کوئی معمولی کامیابی نہ تھی۔ اور یہ جو کچھ بھی ہوا، ایسا تھا جو کسی کے وہم میں بھی نہ آسکتا تھا۔ اور دراصل یہ الٰہی منشاء کے ماتحت ہوا جیسے کہ میں آگے چل کر لکھوں گا۔

میرزا صاحب کا عزم

میرزا غلام مرتضیٰ صاحب ایک بڑے صاحبِ عزم بزرگ تھے۔ انکی ساری زندگی

اس کام میں صرف ہوئی کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی ریاست کو واپس حاصل کریں۔ اور اپنی ریاست کی اسی شان کو قائم کریں جو پہلے بزرگوں کے وقت میں قائم تھی۔ وہ اس غرض کے لئے اپنی ساری قوت، اپنی ساری طاقت اور اپنا سارا وقت اور اپنی ساری دولت صرف کر رہے تھے۔ مگر ان کو اس میں کامیابی نہ ہوئی۔ جناب میرزا صاحب کو اپنی ناکامیوں کا بہت صدمہ تھا۔ مگر اُن کے پائے استقلال کو کبھی جنبش نہیں ہوئی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس خصوص میں تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"میرے والد صاحب اپنی ناکامیوں کی وجہ سے اکثر مغموم اور مہموم رہتے تھے۔ انہوں نے پیروی مقدمات میں ستر ہزار کے قریب روپیہ خرچ کیا تھا۔ جس کا انجام آخر کار ناکامی تھی۔ کیونکہ ہمارے بزرگوں کے دیہات مدت سے ہمارے قبضہ سے نکل چکے تھے اور اُن کا واپس آنا خیال خام تھا۔ اسی نامرادی کی وجہ سے حضرت والد صاحب مرحوم ایک نہایت عمیق گرداب غم اور حُزن اور اضطراب میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اور مجھے ان حالات کو دیکھ کر ایک پاک تبدیلی کرنے کا موقعہ حاصل ہوتا تھا۔ کیونکہ حضرت والد صاحب کی تلخ زندگی کا نقشہ مجھے اس بے لوث زندگی کا سبق دیتا تھا جو دنیاوی کدورتوں سے پاک ہے۔

اگرچہ حضرت میرزا صاحب کے چند دیہات ملکیت باقی تھے اور سرکار انگریزی کی طرف سے کچھ انعام بھی سالانہ مقرر تھا۔ اور ایام ملازمت کی پنشن بھی تھی۔ مگر جو کچھ وہ دیکھ چکے تھے اس لحاظ سے وہ سب کچھ ہیچ تھا۔ اس وجہ سے وہ ہمیشہ مغموم اور محزون رہتے تھے اور بار ہا کہتے تھے کہ جس قدر میں نے اس پلید دنیا کے لئے سعی کی اگر میں وہ سعی دین کے لئے کرتا تو آج شاید قطبِ وقت

غوث وقت ہوتا"

اس سے اس سعی کا پتہ چلتا ہے جو آپ نے اپنی کھوئی ہوئی ریاست کے حصول کے لئے کی۔

میرزا غلام مرتضےٰ صاحب بہت بڑے طبیب تھے۔ بہت بڑے بہادر اور شاہسوار تھے۔ چنانچہ سر لیپل گریفن کتاب رؤسائے پنجاب میں لکھتے ہیں:-

"رنجیت سنگھ نے جو رام گڑھیہ مسل کی تمام جاگیر پر قابض ہو گیا تھا۔ غلام مرتضےٰ کو واپس قادیان بلا لیا تھا اور اس کی جدی جاگیر کا ایک بہت بڑا حصہ اُسے واپس دے دیا۔ اس پر غلام مرتضیٰ اپنے بھائیوں سمیت مہاراجہ کی فوج میں داخل ہوا۔ اور کشمیر کی سرحد اور دوسرے مقامات پر قابل قدر خدمات انجام دیں۔

نونہال سنگھ۔ شیر سنگھ اور دربار لاہور کے دور دورے میں غلام مرتضیٰ ہمیشہ فوجی خدمت پر مامور رہا۔

سنہ ۱۸۴۱ء میں ایک کمیدان بنا کر روانہ کیا گیا۔ ہزارے کے مفسدے میں اس نے کارہائے نمایاں ادا کئے۔ اور جب سنہ ۱۸۴۸ء کی بغاوت ہوئی تو یہ اپنی سرکار کا نمک حلال رہا۔ اور اس کیطرف سے لڑا۔ اس موقع پر اس کے بھائی غلام محی الدین نے اچھی خدمات کیں۔

جب مہاراج سنگھ اپنی فوج کے دیوان مولراج کی امداد کیلئے ملتان کی طرف جا رہا تھا۔ تو غلام محی الدین اور دوسرے جاگیرداروں لنگر خان ساہی وال۔ اور صاحب خان ٹوانہ نے مسلمانوں کو بھڑکایا اور صاحبدیال کی فوج کے ساتھ باغیوں سے مقابلہ کیا اور ان کو شکست فاش دی۔ انکو سوائے دریائے چناب کے کسی طرف بھاگنے کا راستہ نہ تھا جہاں چھ سو سے زیادہ

آدمی ڈوب کر مر گئے۔"

مندرجہ بالا شہادت سے جناب میرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی بہادرانہ اور شجاعانہ زندگی کا پتہ چلتا ہے۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے جو نیکی آپ سے کی تھی۔ اس کا بدلہ انہوں نے سکھ سلطنت کی بنیادیں مضبوط کرنے کی صورت میں دیا۔ اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد بھی اپنی وفاداری کو منقطع نہیں کیا۔ ہر خطرے کے مقام پر اپنے آپ کو سینہ سپر کیا۔ اور ہر بغاوت کو فرو کرنے کے لئے اپنی جان کو جوکھوں میں ڈال دیا۔

سکھ راج پر ایک اچٹتی سی نظر

مہاراجہ رنجیت سنگھ سے قبل سکھ سردار اپنے اپنے علاقہ میں مرہٹوں کی چوتھ کی طرح راکھی وصول کیا کرتے تھے۔ مگر مہاراجہ نے اپنی بہادری اور تدبر سے تمام پنجاب پر قبضہ کر لیا۔ اور پشاور سے لے کر دریائے ستلج تک ایک عظیم الشان سلطنت قائم کر لی۔ اور اس کے بعد اس کی تمام تر توجہ کشمیر۔ ملتان۔ پشاور اور سرحدی علاقوں کی تسخیر کی طرف مبذول کر دی۔ (تاریخ مصنفہ مستنصر باللہ ایم۔ اے۔ بی ٹی)

مہاراجہ رنجیت سنگھ کی طاقت کا تمام راز اس کی فوجی طاقت میں پنہاں تھا۔ اس نے فوج کے بل بوتے پر سکھوں کی بارہ مثلوں اور مغربی پنجاب کی کئی ریاستوں کو تباہ کر کے ایک زبردست سلطنت قائم کی تھی۔ توپیں اور گولہ بارود بنانے کے لئے اس نے کئی جگہ پر کارخانے کھول رکھے تھے۔ اس کی کوششوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس کی فوج ایک زبردست طاقت بن گئی تھی۔ اس کی فوج ۷۰ ہزار نوجوانوں پر مشتمل تھی۔

مہاراجہ نے ۱۸۳۹ء میں وفات پائی۔ اس کی وفات پر فوج دربار کے قابو میں

نہ رہی۔ اراکینِ دربار دو حصوں میں بٹ گئے۔

ایک طرف ڈوگرہ فریق تھا۔ جس میں دھیان سنگھ وزیر اعظم۔ گلاب سنگھ گورنر جموں۔ سُچیت سنگھ سپہ سالار اور ہیرا سنگھ فرزند وزیر اعظم تھا۔

دوسری طرف سندھیانوالے اور دیگر خالصہ سردار ہر ایک اپنا اپنا نامزد راجہ تخت نشین کرنا چاہتا تھا۔ اس کشمکش میں مہاراجہ کا بڑا لڑکا کھڑک سنگھ تخت نشین ہُوا۔ لیکن وہ بھی جلد فوت ہو گیا۔

اس کے بعد اس کا بیٹا کنور نونہال سنگھ تخت نشین ہوا۔ لیکن ابھی وہ اپنے باپ کی لاش سنسکار کر کے واپس آیا ہی تھا کہ حضوری باغ کے دروازہ کی چھت اُس پر گر پڑی اور وہ دب کر مر گیا۔

اب فوج نے مہاراجہ کے دوسرے بیٹے شیر سنگھ کو تخت پیش کیا مگر بدنظمی کی وجہ سے شیر سنگھ اور اس کا لڑکا سیندھیانوالے سرداروں کے ہاتھوں سے قتل ہوا۔

چاروں طرف طوائف الملوکی کا دور دورہ ہو گیا۔ دھیان سنگھ۔ سُچیت سنگھ ہیرا سنگھ باری باری وزیر اعظم مقرر ہوئے مگر قتل ہوئے۔

آخر مہاراجہ کا خورد سال بچہ دلیپ سنگھ گدی پر بیٹھا۔ اس کی ماں رانی جنداں سرپرست مقرر ہوئی۔ اور لال سنگھ وزیر اعظم اور تیج سنگھ سپہ سالار۔ مہارانی جنداں نے فوج کی بڑھی ہوئی طاقت دیکھ کر یہ یقین کر لیا۔ کہ اگر اس کا کوئی انتظام نہ کیا۔ تو اس کا اور اس کے بیٹے مہاراج کا وہی حشر ہو گا۔ جو پہلے راجوں اور وزیروں کا ہُوا ہے۔ اس لئے اس نے سکھ فوج کو اشتعال دلا کر سابقہ معاہدات کے خلاف انگریزی فوج سے لڑا دیا۔ متعدد لڑائیاں ہو کر ۱۸۴۶ء میں لارڈ ہارڈنگ فاتح کی حیثیت سے لاہور میں داخل ہوئے۔ چونکہ لارڈ ہارڈنگ الحاق پنجاب کے حق میں نہ تھے اس لئے انہوں نے لاہور کے مقام پر ایک صلح نامہ لکھا جو عہد نامہ لاہور کے نام سے مشہور ہُوا۔

جس میں حسب ذیل شرائط تھیں۔

۱۔ سکھوں نے دوآبہ بست جالندھر یعنی دریائے ستلج اور بیاس کا درمیانی علاقہ انگریزوں کے حوالے کیا۔

۲۔ سکھوں کو ۱½ کروڑ روپیہ بطور تاوانِ جنگ ادا کرنا پڑا۔ لیکن لاہور کے خزانہ میں ۵۰ لاکھ روپیہ موجود تھا۔ اس لئے مہاراجہ گلاب سنگھ نے ایک کروڑ روپیہ دے کر علاقہ کشمیر خرید لیا۔

۳۔ سر ہنری لارنس انگریزوں کی طرف سے لاہور میں رزیڈنٹ مقرر ہوا۔ اور سکھ فوج کی تعداد گھٹا کر ۲۰ ہزار کر دی۔

۴۔ دلیپ سنگھ راجہ تسلیم کیا گیا۔ قیام امن اور راجہ کی حفاظت کے لئے انگریزی فوج مقرر کی گئی۔ (تاریخ ہند صفحہ ۱۷۳)

شورشِ ملتان ۱۸۴۸ء

دیوان مولراج گورنر صوبہ ملتان تھا۔ اس کے ذمہ حکومت کا کچھ روپیہ بقایا نکلتا تھا۔ جب دربار نے مطالبہ کیا تو اُس نے لیت ولعل شروع کیا۔ حکومت نے اس کے صوبہ کی حدود کم کر دیں اور خراج دُگنا کر دیا۔ مولراج نے ناراض ہو کر استعفیٰ داخل کر دیا۔ دربار لاہور نے ریذیڈنٹ کے مشورے استعفیٰ منظور کر لیا۔ اور سردار کاہن سنگھ کو حاکم ملتان مقرر کر دیا۔ دو انگریز افسر چارج لینے کے لئے اس کے ساتھ گئے۔ مولراج نے چارج تو دے دیا۔ مگر قلعہ سے واپسی پر ایک برخاست شدہ سپاہی نے دونوں انگریز قتل کر دیئے۔ ملتان کے عام لوگ مولراج کی حمایت

کھڑے ہوگئے اور بغاوت عام ہوگئی۔

اس بغاوت کو دبانے کے لئے سردار شیر سنگھ ایک جرار لشکر لے کر ملتان کی طرف گیا۔ مگر انہی دنوں میں اس کا باپ چتر سنگھ حاکم ہزارہ نے اسے اطلاع دی کہ دربار نے اُسے ملازمت سے سبکدوش کر دیا ہے اور اس کی جاگیر ضبط کر لی ہے۔ یہ خبر سنتے ہی **شیر سنگھ** دربار لاہور کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا۔

اس نے مولراج سے مدد مانگی مگر وہ کسی وجہ سے شریک نہ ہوا۔ البیر شیر سنگھ ہزارہ کی طرف روانہ ہوا۔ اُدھر اس کا باپ بھی چل پڑا۔ اور جہلم کے مقام پر اکٹھے ہوئے یہاں پر تمام برطرف شدہ سپاہی شیر سنگھ سے آملے۔ اس طرح یہ بغاوت ایک ہمہ گیر بغاوت بن گئی۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ تمام سکھ انگریزوں کے خلاف ہوگئے۔ متعدد خونریز لڑائیاں ہوئیں۔ بغاوتیں دبائی گئیں۔ اور ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء کو پنجاب سلطنت انگلشیہ میں شامل کر لیا گیا۔ اور مہاراجہ دلیپ سنگھ کو پانچ لاکھ روپیہ سالانہ پنشن دے کر انگلستان بھیجدیا گیا۔ بالآخر شیر سنگھ نے بھی بے جگری سے لڑائیاں لڑنے کے بعد ہتھیار ڈال دیئے۔ (تاریخ ہند صفحہ ۱۷۶ تا صفحہ ۱۸۰)

سکھوں کی اس مختصر سی تاریخ سے پتہ چل سکتا ہے۔ کہ سکھ حکومت مہاراجہ رنجیت سنگھ کے بعد کن مشکلات میں پھنس گئی تھی۔ ملک کے تمام سردار۔ عمائدین۔ افسرانِ فوج سازشوں کے جال پھیلا رہے تھے۔ اور سلطنت کی بنیادیں بالکل کھوکھلی ہو چکی تھیں۔ انگریزی حکومت کی طاقتور سپاہ پنجاب کے ارد گرد گھیرا ڈالے ہوئے تھی۔ ایسے وقت میں جبکہ سکھ قوم کے چیدہ سردار اور شاہی خاندان کے لوگ سلطنت کو اپنے ہاتھوں سے تباہ کرنے کی فکر میں تھے۔ مغلیہ حکومت کے ایک بہادر اور تلوار کے دھنی شخص کا جو سکھوں کے ہاتھوں سے پامال ہو چکا تھا۔ جس نے اپنے سامنے

مغلیہ سلطنت کو ان لوگوں کے ہاتھوں مٹتے دیکھا تھا۔ جس نے اپنے بزرگوں اور اپنے خاندان کی مستورات کو اپنے گھروں سے خانہ بدوش ہوتے دیکھا تھا جس کی آنکھوں کے سامنے اُن کے مکانات مسمار کئے گئے تھے، گھر بار لوٹا گیا تھا اور خانمان برباد کر دیا گیا تھا۔ اُس کے سینہ میں ایک آگ ہر وقت اُس ریاست کو حاصل کرنے کے لئے سُلگتی رہتی تھی۔ وُہ ایسے وقت سے فائدہ اُٹھا کر نہ صرف سکھ قوم کو تباہ کر سکتا تھا بلکہ وُہ پہلے کی نسبت اپنی ریاست کے حدود کو بہت زیادہ بڑھا سکتا تھا۔

مگر

میرزا غلام مرتضےٰ صاحب کا یہ ایک شاندار کیریکٹر ہے کہ انہوں نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کی مہربانی کو نظر انداز نہ کیا۔ اور اس وقت کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اپنی سلطنت یا ریاست کی دوبارہ بنیاد نہ رکھدی۔ وُہ اس وقت اگر چاہتے تو انگریز افسروں سے سازباز کر لیتے۔ مگر انہوں نے ایسا بھی نہیں کیا۔

سر لیپل گریفن نے تسلیم کیا ہے کہ وہ دربار لاہور کے نازک ترین اوقات میں بھی اپنی حکومت کا وفادار رہا۔ اور ہر قسم کے فتنوں کو دبانے میں کوشاں رہا۔

یہ وہ کیریکٹر ہے جو سکھ حکومت کی ساری تاریخ میں کسی اور شخص کا نظر نہیں آئیگا۔ میں وثوق سے کہتا ہوں کہ اس خوبی کی بہت کم مثال ملے گی۔ کہ ایک شخص کو اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کا موقع میسر آئے۔ وُہ ایک مٹتی ہوئی حکومت کی بنیاد پر اپنا شاندار قصر تعمیر کر سکتا ہو۔ مگر اُس نے اس قوم کے ایک فرد کی نیکی کو سامنے رکھ کر اپنی ساری عمر کی امید کو جس کے لئے وہ ساری عمر کوشاں رہا، اپنے ہاتھوں پامال کر دیا۔ اگر میرزا غلام مرتضےٰ جیسا جانباز سپاہی چاہتا۔ تو یقیناً اس وقت ایک مضبوط اسلامی سلطنت کی بنیاد رکھ لیتا۔ جس قدر بھی اس معاملہ پر غور کیا جائیگا میرزا صاحب کا یہ کارنامہ زیادہ سے زیادہ شاندار نظر آئیگا۔

اسی پر بس نہیں

الحاق پنجاب کے موقعہ پر انگریزی سلطنت نے جہاں بہت سے سکھوں کی جاگیریں ضبط کیں، وہاں قادیان کی جاگیر بھی ضبط کر لی گئی۔ اور صرف ۷۰۰ روپیہ سالانہ کی پنشن مقرر کی گئی۔ اس ضبطی کی وجہ یہی تھی۔ کہ جناب میرزا غلام مرتضیٰ صاحب نے سکھ حکومت کی وفاداری کی تھی۔ اگر وہ انگریزی حکومت سے مل جاتے تو یقیناً اپنی جاگیر کو برقرار رکھ سکتے ؞

قادیان کے خاندان کا طُرّۂ امتیاز

قادیان کے خاندان کا یہ طرۂ امتیاز ہمیشہ سے رہا ہے کہ وہ جب کبھی کسی سے عہدِ وفا باندھتے ہیں۔ تو اُسے ہر قیمت پر پورا کرتے ہیں۔ اور جس کی طرف اپنی دوستی کا ہاتھ بڑھاتے ہیں اُسے کبھی واپس نہیں لیتے۔

مغلیہ سلطنت دہلی کی کمزوری پر جب سکھ بڑھ رہے تھے۔ اس وقت میرزا گل محمد صاحب حکومت کو اپنی مدد کا یقین دلاتے رہے اور اپنی سلطنت قائم کرنے کا خیال بھی نہیں کیا۔ حالانکہ اگر وہ چاہتے۔ تو اس وقت اپنی سلطنت کی مضبوط بنیاد رکھ سکتے تھے۔ اسی طرح سکھوں کے زمانہ میں میرزا غلام مرتضےٰ صاحب کو موقعہ تھا۔ کہ وہ اپنی سلطنت قائم کر لیتے۔ مگر انہوں نے اُن سے غداری نہ کی۔ اور جو عہد دوستی باندھا تھا۔ اُسے اپنے نقصان کے ساتھ بھی نبھا کر دکھا دیا۔

اور اس امر کی پرواہ بھی نہیں کی کہ جو حکومت برسرِ اقتدار آ رہی ہے وہ کس قدر طاقتور ہے۔ چنانچہ مغل سلطنت کے مقابلے میں سکھوں کی بڑھتی طاقت کی پرواہ نہ کی۔ اور سکھوں کی قائم شدہ سلطنت کے مقابل میں انگریزی طاقت کی پرواہ نہ کی۔

مگر

جب کوئی سلطنت قائم ہوگئی - تو پھر اس سلطنت کے ایسے مددگار ہوئے گویا کہ اس سے کبھی کوئی پرخاش نہ تھی -

چنانچہ

سلطنت برطانیہ کے قیام کے بعد اس خاندان نے سلطنت برطانیہ کے استحکام کے لئے زبردست خدمات سر انجام دیں - **غدر ۱۸۵۷ء** کے دوران میں بہت اچھی خدمات کیں - فوج کے لئے بہت سے آدمی بھرتی کئے - اور میرزا غلام قادر صاحب نے **جو میرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے بڑے بیٹے تھے** جنرل نکلسن کی فوج میں اس وقت خدمات سر انجام دیں - جبکہ اس فوج نے نمبر ۴۶ نیوانفنٹری کے باغیوں کو جو سیالکوٹ سے بھاگے تھے تہ تیغ کیا تھا -

ان خدمات کے صلہ میں جنرل نکلسن نے میرزا غلام قادر صاحب کو ایک سند دی - جس میں لکھا کہ **۱۸۵۷ء میں خاندان قادیان ضلع گورداسپور کے تمام خاندانوں سے نمک حلال رہا -**

(رئیسان پنجاب)

میرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے متعلق بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے - مگر یہ کتاب بہت زیادہ تفصیل کی متحمل نہیں ہوسکتی - مگر میں اُن کے کیریکٹر کو بیان کرنے کے لئے دو تین واقعات کا اور بھی ذکر ضروری خیال کرتا ہوں -

اُن کی عالی ہمّتی کی ایک اور مثال

میرزا صاحب موصوف بہت بلند پایہ طبیب بھی تھے - اور اُن کے متعلق

مشہور تھا کہ وُہ دستِ شفاء رکھتے ہیں۔

ایک دفعہ بٹالہ کا راجہ تیجا سنگھ بیمار ہُوا۔ اس کو کاربنکل کی قسم کا پھوڑا ہُوا۔ بہت علاج کیا مگر فائدہ نہ ہُوا۔ آخر جناب میرزا صاحب کی طرف رجوع کیا۔ ان کے علاج سے اُن کو شفا ہو گئی۔ راجہ صاحب نے میرزا صاحب کو ایک کثیر رقم اور خلعت کے علاوہ شتاب کوٹ وغیرہ بعض دیہات اُن دیہات میں سے جو آپکی ریاست کا ایک جزو تھے، دینے کے لئے پیش کئے مگر آپ نے باوجود اصرار کے لینے سے انکار کر دیا۔ اور فرمایا

میں ان دیہات کو علاج میں لینا اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے ہتک سمجھتا ہوں۔

یہ واقعہ کوئی معمولی واقعہ نہیں۔ میرزا صاحب موصوف ساری عمران دیہات کے حصول کے لئے کوشاں رہے جو ان کی ریاست سے نکل گئے تھے۔ مگر جب اُنہی دیہات میں سے کچھ علاج کے صلہ کے رنگ میں پیش کئے گئے۔ تو اس متاعِ مفقود کو ملتے ہوئے دیکھ کر بھی منہ پھیر لیا۔ اور اسے پائے حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اور کہا کہ میں اسے اپنے لئے اور اپنی اولاد کیلئے ہتک سمجھتا ہوں۔ انسانی فطرت یہ ہے کہ وُہ اپنی گم شدہ متاع کو ہر قیمت سے حاصل کرنیکی سعی کرتا ہے۔ اور اس غرض کے حصول کے لئے بعض اوقات انسانی متانت اور سنجیدگی کو بھی چھوڑ دیتا ہے۔ اور بعض اوقات ایسے طریق اختیار کر لیتا ہے جو بالکل ہی گرے ہوئے ہیں۔ مگر ایسا قلب کہ وُہی چیز جس کی تلاش میں وہ برسوں سرگردان رہا ہو۔ ایک وقت اُس کے پاس خود آرہی ہو۔ اور وُہ اس لئے اُسے قبول نہ کرے کہ وہ جس طرح گئی تھی اس طرح واپس نہیں آرہی۔ دنیا میں بہت کم نظر آئے گا۔ بیشک یہ وُہی علوِ ہمتی تھی جو شاہی نسل کے ایک انسان کے وجود میں نظر آنی چاہئے::

وُہ کسی سے مرعُوب نہ ہوتے تھے

میرزا غلام مرتضےٰ صاحب کے کیریکٹر میں یہ امر بھی نمایاں تھا۔ کہ وہ کسی بڑی سے بڑی ہستی سے بھی مرعوب نہ ہوتے تھے۔ اور اس کی بہت سی مثالیں مؤرخِ سلسلہ احمدیہ نے لکھی ہیں۔ ایک واقعہ اس قسم کا ہے۔ میں اُسے نظرانداز نہیں کرسکتا۔

مہاراجہ شیر سنگھ کا واقعہ

"مہاراجہ شیر سنگھ جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا بیٹا اور پنجاب کا بادشاہ تھا ایک دفعہ شکار کے لئے اطرافِ قادیان یعنی کاہنوواں کے چھنب میں آیا۔ جناب میرزا صاحب بھی اس شکار میں ساتھ تھے۔ مہاراجہ کے بازدار کو جو قوم کا جولاہا تھا، زکام کی بیماری ہوگئی اور کسی قدر شدید ہوگئی۔ جناب میرزا صاحب نے اُسے دو اڑھائی پیسے کا نسخہ لکھ دیا۔ اور وہ فوراً اچھا ہوگیا۔ اس کے بعد خود مہاراجہ اسی بیماری میں مبتلا ہُوا۔ حضرت میرزا صاحب کو علاج کے لئے کہا گیا۔ آپ نے تیس چالیس روپے کا نسخہ تجویز فرمایا۔ مہاراجہ کو تعجب ہُوا۔ اور کہا کہ اس جولاہے کے لئے دو اڑھائی پیسے کا نسخہ اور میرے لئے اتنا قیمتی۔ اور بیماری ایک ہی ہے! آپ نے نہایت بے تکلفی سے فرمایا

شیر سنگھ اور جولاہا ایک نہیں ہوسکتے

یہ جواب آپ کی قلبی شجاعت کا پتہ دیتا ہے۔ ایک بادشاہ کے سامنے کسی بڑے سے بڑے رئیس اور جاگیردار کو بھی یہ جرأت نہیں ہوسکتی۔ کہ اس کا نام سادہ طور پر بغیر آدابِ شاہانہ کے لے۔

اور اُمراء اور والیانِ ملک کو تو بچپن سے ہی یہ گھٹی پلائی جاتی ہے۔ کہ وہ

چاپلوسی اور خوشامد کے سوا کچھ سُن ہی نہیں سکتے۔ ان حالات میں کوئی بڑے ہی دل گُردے والا انسان ایسی دلیری کر سکتا ہے۔ چنانچہ آپ کی اس دلیری سے مہاراجہ ناراض نہیں ہوا۔ بلکہ خوش ہوا۔ اور آپ کی عزّت افزائی کے لئے ایک کڑوں کی جوڑی پیش کی۔" (حیات النبی حصہ اول صد ۳۷)

آپ کی زندگی کا آخری زمانہ

مسجد اقصےٰ کی تعمیر

"آپ نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایام گذشتہ کی تلافی کے لئے قصبہ کے وسط میں عین سر بازار ایک مسجد بنانے کا ارادہ فرمایا۔ اس سے قبل آپ نے اس مسجد کے حصول کیلئے بڑی کوشش کی تھی جسے سکھوں نے جبراً چھین کر دھرم سالہ بنالیا تھا۔ مگر بعض نا اہل اور بد قسمت مسلمانوں نے اُن کے خلاف شہادت دی۔ اور قانونی طور پر وہ اس کی بازیافتگی سے قاصر رہے۔ اس پر انہوں نے ارادہ کیا کہ قادیان کے وسط میں ایک مسجد تعمیر کریں۔ اس مسجد کی اراضی حاصل کرنے میں انہیں بہت بڑی مالی قربانی کرنی پڑی۔ کیونکہ یہ مسجد جس جگہ بنی ہوئی ہے سکھ کارداروں کی حویلی تھی۔

(کاردار۔ سکھ حکومت میں صوبے کا اعلیٰ حاکم ناظم کہلاتا تھا۔ اور اس کے ماتحت کاردار تھے جن کا فرض تھا کہ زمینداروں سے لگان وصول کریں۔ رعایا کے جان و مال کی حفاظت کریں۔ اور عدالت و انصاف کا ترازو ہم پلّہ رکھیں) (تاریخ ہند صد ۱۶۲)

گویا کاردار ناظم صوبہ کا اسسٹنٹ ہوا کرتا تھا۔ مسجد اقصیٰ جس جگہ بنی ہوئی ہے۔ یہ سکھ حاکم کی حویلی تھی۔ اس لئے نیلام ہونے پر۔ اہلِ قادیان نے قیمت میں میرزا صاحب کا خوب مقابلہ کیا۔ اور معمولی قطعہ زمین جو اس وقت چند روپوں کی مالیت کا تھا وہ کئی سو گنا قیمت پر انہیں خریدنا پڑا۔ میرزا صاحب نے یہ عزم کر لیا تھا اور خدا تعالےٰ سے سچا عہد کیا تھا۔ کہ

اگر باقی ساری جائداد بھی فروخت کرنی پڑے تو تو میں اس زمین کو لے کر مسجد بناؤں گا۔

اللہ تعالےٰ نے ان کے اس اخلاص کو ضائع نہ فرمایا۔ زمین انہیں مل گئی اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی۔ چونکہ یہ مسجد بطور جامع مسجد بنائی جا رہی تھی۔ وہ گاؤں کی بعض دوسری مساجد سے بہت بڑی تھی۔ اس وقت ایک شخص نے کہا کہ اتنی بڑی مسجد کی کیا ضرورت ہے۔ کس نے نماز پڑھنی ہے۔

اس مسجد میں چمگادڑ ہی رہا کرینگے

مگر اس اخلاص و نیک نیتی سے بنائی ہوئی مسجد کو خدا تعالےٰ نے ایسا فخر قبولیت بخشا ہے۔ کہ آج وہ روئے زمین کی نہایت ممتاز و مقبول مساجد میں سے ایک ہے۔ اور مسجد اقصیٰ کہلاتی ہے۔" (حیات النبی جلد اول ص۴۲)

اس واقعہ میں مندرجہ ذیل امور قابل غور ہیں۔

(۱) جس طرح میرزا صاحب حصول جائداد و ریاست کے لئے کوشاں رہے۔ اسی طرح وہ اس مسجد کے لئے تڑپ رکھتے تھے۔ جو مسلمانانِ قادیان کے ہاتھوں سے نکل گئی تھی۔ اور اس کے لئے مقدمات وغیرہ کرتے رہے۔ اور جب اس میں ناکامی ہوئی۔ تو سکھ حکومت کے قصر کی جگہ کو نئی مسجد کے لئے تجویز کیا۔ جو شہر کے وسط میں اور بازار کے سر پر تھی۔ کھوئی ہوئی مسجد کی بہ نسبت ہر طرح یہ نئی مسجد کیا بلحاظ

وُسعت کیا بلحاظ مضبوطی و خوبصورتی کے بڑی تھی۔

اس سے انکی اس کارگذاری اور خدمت کا جو بہت بڑی خدمت اسلام تھی پتہ مل سکتا ہے۔ جو اللہ تعالےٰ نے ہر طرح قبول فرمائی۔ اس قبولیت کا ذکر مسجد اقصٰی کے باب میں آئیگا:

آپ کی وفات

مسجد بن کر تیار ہو گئی اور فرش کی چند اینٹیں باقی تھیں۔ کہ جناب میرزا صاحب چند روز بیمار رہ کر وفات پا گئے۔ اور حسب وصیت جو جگہ انہوں نے خود کھڑے ہو کر اپنی قبر کے لئے بتلائی تھی۔ وہیں مسجد کے ایک گوشے میں دفن کئے گئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۸۰ یا ۸۵ سال کی تھی۔ آپکی وفات جون ۱۸۷۶ء میں ہوئی:

میرزا غلام قادر صاحب

اب اس خاندان کی زمام میرزا غلام قادر صاحب کے ہاتھ میں آئی۔ میرزا غلام مرتضیٰ صاحب نے اپنے بیٹے میرزا غلام قادر صاحب کو نصیحت کی تھی۔ کہ وہ اپنے شرکاء کے شر سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتے رہیں۔ اور فرمایا تھا۔ کہ

"یہ شرارے ہیں میں نے ان کو خاکستر سے دبایا ہوا تھا۔ اُڑاتا نہیں"

مگر بڑے میرزا صاحب کی وفات کے بعد واقعات نے صورت بدل لی۔ میرزا امام الدین صاحب نے (جو ان کے برادر زادہ تھے) بعض خاندانی وراثت کے مقدمات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اور اسی سلسلہ میں بعض شرکاء کی طرف سے قادیان کی ملکیت کا

ایک حصہ میرزا اعظم بیگ صاحب رئیس لاہور کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس جائیداد کے متعلق مقدمات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ جس میں میرزا غلام قادر صاحب کو ناکامی ہوئی۔ میرزا غلام قادر صاحب کو ان مقدمات میں ناکامی کی وجہ سے سخت صدمہ ہوا۔ بالآخر وہ بھی اس قسم کے صدمات میں مبتلا ہو کر ۱۸۸۳ء میں فوت ہو گئے ؛

اُن کی وفات پر وہ قادیان جو میرزا ہادی بیگ کے وجود سے معرض وجود میں آیا تھا، ختم ہو گیا۔ اب بھی اگرچہ اس خاندان کے حقوق مالکانہ تو موجود تھے مگر اندرونی اور بیرونی سازشوں کی وجہ سے قوت بالکل گھٹ گئی تھی۔ اب قادیان وہ قادیان نہ تھی۔ مگر اس مٹی ہوئی قادیان سے ایک نئی قادیان پیدا ہوئی۔ یہ وہ قادیان تھی جس کی شہرت دنیا کے کونوں تک پھیل گئی۔ اور جسے وہ عظمت حاصل ہوئی جو دنیا کے کسی بڑے سے بڑے شہر کو بھی حاصل نہیں ہوئی۔ اس

جدید قادیان

کی خاطر ہم نے یہ کتاب تصنیف کی ہے۔ اور اس کی عظمت کے اظہار کے لئے گذشتہ قادیان کا ہم نے مندرجہ بالا سطور میں ذکر کیا ہے ؛

چہ گویم با تو گر آئی چہا در قادیان بینی
دوا بینی۔ شفا بینی۔ غرض دارالامان بینی

مِٹی ہوئی قادیان

کے

چشمدید حالات

۱۔ حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کی شہادت (جن کی آمد ۱۳۱۲ھ ہجری مطابق ۱۸۹۳ء میں ہوئی)

۲۔ حضرت میاں امام الدین صاحب سیکھوانی کی شہادت

۳۔ حضرت صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب نعمانی کی شہادت (جن کی آمد ۱۸۸۲ء میں ہوئی)

۴۔ جناب پنڈت موہن لال صاحب بجنوت ساکن قادیان سابق درباری راج اجے گڑھ بندھیل کھنڈ کی شہادت

۵۔ خاکسار محمود احمد عرفانی مصنف کتاب کی چشمدید شہادت ۱۹۰۱ء کے بعد کا زمانہ

قادیان کی حالت
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ابتدائی زندگی میں

ہم گذشتہ باب میں لکھ چکے ہیں کہ جس قادیان کا آغاز میرزا ہادی بیگ صاحب کے وجود سے شروع ہوا۔ وُہ قادیان میرزا غلام مرتضیٰ صاحب کی وفات کے ساتھ ختم ہوگئی۔ میرزا غلام قادر صاحب کی زندگی میں اس قادیان کی متحدہ طاقت ختم ہوگئی اور برلاس مغلوں میں سے نکل کر چغتائی مغلوں کی ایک شاخ کے ایک فرد کے پاس قادیان کا ایک بڑا حصہ چلا گیا۔ اس طرح خود قادیان میں بھی برلاس خاندان کی طاقت و قوت متحد نہ رہ سکی۔ اس لئے یہ وقت اس خاندان کی طاقتوں کے زوال کا تھا۔ ہر رنگ میں انحطاط کا دور دورہ ہو گیا۔ اس ابتدائی زمانہ میں جن لوگوں نے قادیان کو دیکھا ہے۔ اس باب میں مَیں اُن کی چند شہادتیں درج کرنے پر اکتفا کروں گا۔

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی کی شہادت

(۱)

بھائی جی سب سے پہلے قادیان میں ۱۸۹۵ء میں آئے۔ اس وقت آپ نے جو دیکھا۔ وہ الحکم ۱۴ر جنوری ۱۹۴۰ء میں لکھا ہے۔ جہاں سے لے کر یہ شہادات شائع کئے جاتے ہیں۔

"تعصبات اور شہروں سے دُور گوشۂ گمنامی میں مستور ایک چھوٹا سا گاؤں بلکہ موضع اور گوردیہ لاہور سے ستر میل شمال مشرقی گوشہ پر ضلع گورداسپور تحصیل و تھانہ بٹالہ

کی حدود میں واقعہ تھا۔ جسے قصبات و شہر تو درکنار معمولی دیہات و مواضعاتِ ضلع و تحصیل میں بھی کوئی شہرت یا نمایاں حیثیت حاصل نہ تھی۔ نام اس کا اس زمانہ میں کچھ اتنا غیر معروف و نامعلوم اور دنیا کے کان اس سے ایسے ناآشنا تھے کہ ۱۸۹۳ء یا ۱۸۹۴ء ہجری میں جب عبداللہ آتھم والی پیشگوئی کا چرچا ہوا۔ تو میرے استفسار پر بتانے والوں نے جو کچھ بتایا وہ یہ تھا۔ کہ

دُور کہیں رُوس کی سرحد پر

کوئی گاؤں ہے جہاں کے کسی مولوی صاحب نے ایک انگریز کی موت کی پیشگوئی کی ہے۔

پھر جب ۱۳۱۲ھ ہجری کے ماہ جون میں میں کپورتھلہ ہوتا ہوا بٹالہ پہنچا۔ تو ڈیرہ بابا نانک۔ کلانور۔ بھاگووالہ۔ علیوال۔ لنگروال۔ ہنجگرائیں۔ سری گوبندپور۔ ہرچووال اور بھام تک کے نام تو میرے کان میں پڑے۔ مگر قادیان کے نام سے میرے کان آشنا نہ ہوئے۔ گاڑی کے سٹیشن پر پہنچتے ہی یکہ بان۔ ریڑھو اور گدہ والے کئی گھڑے چیختے پکارتے تھے۔ میں چند گھنٹے منڈی سٹیشن اور کچہری کے آس پاس پھر اکیا۔ مگر قادیان کا نام میں نے نہ سُنا۔

دوبارہ جب اللہ کریم نے سیالکوٹ میں میری دستگیری کے سامان مہیا فرمائے تو قادیان کا نام میں نے کتابوں میں پڑھا۔ انوار الاسلام اور نشان آسمانی کا مطالعہ نصیب ہوا۔ نورِ ایمان کی شعاعوں نے میرے دل و دماغ کو منور کیا۔ اور میری خواہش

اظہارِ اسلام

پر محترم بزرگ حضرت میر حامد شاہ صاحب نے مجھے قادیان پہنچا کر اس شرف سے مشرف اور اس سعادت سے بہرہ ور ہونے کا مشورہ دیا۔ اور میں بٹالہ اُتر کر قادیان پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

آپ شاید تعجّب کریں گے

اور میرے بیان کو مبالغہ سمجھیں گے۔ کہ مجھے اس وقت بھی بہت مشکلات کا سامنا ہوا۔
میں لوگوں سے قادیان کا راستہ پوچھتا وُہ میرے مُنہ کو تکتے اور سوچ بچار کر کہتے کہ

کادیں تو ایک گاؤں ہے

تم جو نام لیتے ہو۔ وہ اس نواح میں تو ہے نہیں۔ تھانے سے پوچھو شاید پتہ لگ جائے۔
۹ بجے غالباً ٹرین بٹالہ پہنچی۔ بارہ بج گئے۔ مجھے **قادیان** کا پتہ ملا نہ راستہ۔
حتیٰ کہ میں گھبرا کر واپس لوٹ جانے کی فکر کرنے لگا۔ اسی شش و پنج میں تھا۔ کہ ایک
شخص میرے قریب آکر بولا۔

جی آپ نے قادیان جانا ہے؟

میں افسردہ و پژمردہ ہو رہا تھا۔ اور پریشان تھا کہ کروں تو کیا؟ اس شخص کی آواز سے
ڈھارس بندھی اور امید کی ایک جھلک نظر آئی۔ میں نے اس سے قادیان کا اتا پتا
دریافت کیا۔ تو اُس نے جواب دیا۔

وُہی نا۔ مرزا صاحب والی قادیان

گنوار لوگ اس کو کادیں۔ کادیں کر کے پکارتے ہیں۔ میں خود قادیان کا رہنے والا ہوں
مرزا صاحب گاؤں کے رئیس اور مالک ہیں۔ میں آپ کو انکے دروازہ پر جا اتارونگا۔
اس تسلی کے بعد میں اس کے یکہ میں بیٹھ گیا۔ اور وہ مجھ سے یہ کہکر بازار کو گیا کہ

گھوڑے کے واسطے نہاری لے آؤں

مگر کچھ ایسا گیا۔ کہ لوٹنے کا نام ہی نہ لیا۔ کم و بیش ایک گھنٹہ میں اس یکہ میں ٹنگا رہا۔
نہ اس کو چھوڑ سکوں نہ یکہ بان کی تلاش کر سکوں۔ جمعہ کا دن تھا۔ میں نے سیالکوٹ
سے روانگی میں اسی غرض سے جلدی کی تھی۔ کہ جمعہ کی نماز میں مشریک ہو کر اس
برکت سے حصہ پا سکوں گا۔ مگر یکہ بان کی طمع نے مجھے نماز جمعہ میں شرکت کی برکت
سے محروم رکھا۔ کیونکہ وہ دراصل

نہاری کی بجائے سواری

کی تلاش میں تھا ؛

قصہ کوتاہ میں اللہ تعالےٰ کے فضل سے قادیان پہنچا۔ وہ زمانہ ۱۳۱۲ھ ہجری
کا تھا۔ میں نے قادیان کو جس حالت میں دیکھا۔ وہ نظارہ اپنا چشم دید لکھنے کی کوشش
کروں گا۔ وَمَا تَوْفِيْقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ؛

قادیان آتے ہوئے سڑک کے موڑ کے قریب پہنچکر یکہ بان نے اشارہ سے بتایا

وُہ ہے قادیان

میری پہلی نظر مسجد اقصےٰ کے خوبصورت گنبدوں اور کونوں کے مناروں پر پڑی۔
جن میں خدا جانے کیا تاثیر، جذب اور کشش تھی۔ کہ میرا دل ایک

سکینت، تسلی اور اطمینان

سے بھر گیا۔ اور ساری کوفت اور گھبراہٹ و بے قراری جاتی رہی۔ دل ایک تیز پرواز
کی تمنا کرنے لگا۔ کہ میسر آجائے تو اُڑ کر پہنچوں۔ قادیان پہنچکر بڑی لمبی چوڑی
فصیل پر نظر پڑی۔ تو اُس کے پہلے دنوں کے عروج و اقبال اور عظمت و شوکت کی
خیالی تصویر آنکھوں میں پھر گئی۔ کیونکہ آثار و علامات اس امر کی دلیل تھے کہ یہ مقام کبھی

بھاری قلعہ اور ایک مضبوط حصار

ہوا کرتا ہوگا۔ بعد میں رہتے رہتے جو اچھی طرح دیکھا۔ تو یہ دیکھا کہ بستی ایک فصیل
کے اندر محدود تھی۔ جو جا بجا شکستہ و ریختہ تھی۔ چوڑائی اس کی تیس بتیس فٹ اور
اونچائی بوجہ گر جانے کے پوری معلوم نہ ہوسکی۔ جو بھی وہ بعض جگہ سے آٹھ دس
فٹ ضرور تھی۔

آثار اس فصیل کے سوائے شمال مغربی کونہ کے چاروں اطراف میں نمایاں
تھے۔ میں نے جو سرسری سا تخمینہ اس فصیل اور بستی کا کیا۔ اس کے نتیجہ میں یہ لکھ

سکتا ہوں۔ کہ فصیل تقریباً مستطیل شکل میں واقع تھی۔ جس کا طول بیرونی حدود تک کم و بیش گیارہ سو اور عرض نو سو فیٹ تھا فصیل کے اندرونی جانب تخمیناً اٹھارہ بیس فیٹ چوڑا ایک کوچہ گول سڑک کے طریق پر برابر چاروں طرف چھوڑا ہوا تھا جو آج کل دائیں بائیں کی دست بُرد کا شکار ہو کر آٹھ۔ دس۔ بارہ اور چودہ فٹ رہ گیا ہے۔ بلکہ بعض حصوں میں تو بالکل غائب اور ختم ہو چکا ہے۔ اس گول سڑک کے اندر اندر ہی اس زمانہ میں آبادی تھی۔ فصیل اور گول سڑک کو چھوڑ کر اصل زیر آبادی رقبہ کی پیمائش تخمیناً ایک ہزار فٹ طویل اور آٹھ سو فٹ عریض تھی۔

فصیل کے چاروں کونوں پر چار برج اور چار ہی اس میں دروازے تھے یعنی پہاڑی دروازہ۔ بٹالوی دروازہ۔ ننگلی دروازہ اور موری دروازہ۔ فصیل کے باہر بڑے بڑے اور پُرانے ببولوں کا گویا ایک گھنا جنگل کھڑا تھا۔ جہاں دن دہاڑے خوف آتا۔ رات کے اندھیرے میں تو کم ہی کوئی فصیل کے باہر نکلتا ہوگا۔ اس خارِ مغیلاں کے دشت سخت کے بالکل ساتھ لگی ہوئی ایک

کھائی یا خندق

تھی۔ جو چاروں طرف عموماً سال بھر پانی سے بھرپور رہتی۔ کئی کئی میل دُور سے برسات کا پانی اس نشیب میں آن جمع ہوا کرتا تھا۔ جو گویا ایک قدرتی امداد اور غیبی تائید تھی اس قلعہ کی حفاظت کی۔ جو اسے قدرت کی فیاضی سے مفت میں میسر تھی۔ قصبہ کی رونق، شادابی اور خوبصورتی کے لئے قصبہ سے باہر کئی باغات تھے۔ جو چاروں طرف دُور دُور تک پھیلے ہوئے بہت بڑے رقبہ میں لگائے اور سجائے گئے تھے۔ جن کے اثمارِ شیریں اور معطر و مصفیٰ ہوا سے حاکم و محکوم برابر فائدہ اٹھایا کرتے۔

اس مرکز کی حفاظت و مضبوطی کے لئے چاروں اطراف وقتی ضروریات کے مدنظر مناسب مقامات پر دُور و نزدیک ایک اور معاون و حفاظتی قلعوں کی لائن

تھی - جن میں سے بسرا - کھارا - ٹھیکری والہ - رسول - وڈالہ - کنڈیلا - اور ڈھیپئی کے قلعوں کے آثار تو آج تک بھی واضح اور عیاں موجود ہیں - اور بعض زمانہ کی دستبرد کی نذر ہو چکے ہیں - اس قلعہ بندی اور حفاظت و تنظیم پر نظرِ غائر ڈالنے سے مرکز کی مضبوطی، شان و شوکت اور زیرِ نگیں ریاست کی وسعت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے - نیز اس عالی ہمت اولوالعزم اور اقبال مند خاندان کے حسنِ تدبر - انتظامی قابلیت، قوتِ عمل اور علوِّ ہمتی کو جانچا جا سکتا ہے - جس نے ہزاروں میل سے آکر ان

جنگلوں میں منگل

کر دیا - اور ایک مستقل ریاست کی بنیاد رکھی -

جدھر نظر اٹھاؤ ویرانہ و کھنڈر - عمارات برباد اور مکانات مسمار - بچے کھچے اکثر مقفل و بے چراغ - خال خال کوئی آباد - اور جو آباد بھی تھے - اُن پر بھی ایک قسم کی اُداسی برستی دکھائی دیا کرتی تھی جیسے کسی اُجڑے دیار کا سوگ منا رہے ہوں -

میرا اپنا اندازہ یہ ہے - کہ گاؤں کا تین چوتھائی حصہ غیر آباد یا تباہ و برباد پڑا تھا - اور بمشکل ایک چوتھائی حصہ آباد - جس میں زیادہ سے زیادہ پانچسو نفوس رہتے ہوں گے - بازار دو تھے - ایک بڑا بازار سے موسوم، دوسرا چھوٹا بازار - مگر دونوں سنسان - چھوٹے بازار میں تو شاذ ہی کوئی دکان کھلی اور آدمی نظر آتا - سوائے دو منحوس اڈوں کے جو دن کی بجائے رات کو زیادہ کھلتے ہوں گے - باقی بازار بند اور اُجڑا پڑا تھا - بڑے بازار میں چند دو کانات کھلی دکھائی دیا کرتی تھیں - مگر کاروبار ان کا بھی دیکھنے میں کوئی نہ آتا - خالی دوکانوں پر نکمے مُت بیٹھے ہوا کرتے یا دفع الوقتی کیلئے گھروں کی وحشت سے گھبرا کر بازار میں آجایا کرتے - جہاں آنے جانے والوں کی شکل و صورت دیکھ لیتے - یا پانسہ، چوپٹ اور شطرنج وغیرہ کھیل کر دن گذار لیا کرتے - یا بعض

اس ٹٹی کی آڑ میں فلاکت زدہ کسانوں اور مزدوری پیشہ محتاجوں کا خون چوسنے اور پیٹ کاٹنے کی غرض سے سُودی لین دین کر لیا کرتے۔ بازار محض نام کو تھا۔ کام کوئی تھا نہ ہنر اور پیشہ۔ تین دوکاندار تھے۔ جو اس ویران بستی کی زینت کہلاتے۔ ایک بزاز۔ دُوسرا عطار۔ تیسرا حلوائی۔ ایک مسلمان اور دو ہندو۔ اور ان تینوں کی آبادی بھی صرف اس ایک گھرانے کی بدولت تھی۔ جس کو خدا نے پھر سے

نئی زمین اور نیا آسمان

بنانے کے لئے چُن لیا تھا۔ عطار کا کام سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خاندانی کمال فنِ طب اور فیض کا رہینِ منت تھا۔ یا حضرت نور الدین خلیفہ اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مطب اور مریضوں کی وجہ سے۔ اور حلوائی کا مہمانوں اور بیماروں کی آمدورفت کے باعث۔ اور لالہ سُکھرام صاحب بزّاز کی بِکری بھی محض اسی گھرانے کے طفیل تھی۔ جو عموماً یتامیٰ و بیوگان اور غربا کی ضروریات کیلئے خرید فرمایا کرتے۔ مگر اس سے یہ نہ سمجھ لینا چاہیئے کہ یہ کوئی دوکانیں تھیں۔ حلوائی کی ایک دوکان کی تفصیل لکھ دیتا ہوں۔ اس سے دوسری دوکانوں کا بھی قیاس کر لیں۔ چار یا چھ آنہ کا دُودھ لے کر یہ لوگ صبح سے رات کے دس گیارہ بجے تک عموماً بیٹھا کرتے۔ دُودھ بِکتا جتنا بِکتا۔ باقی سے کھوا تیار ہوتا۔ کبھی دہی۔ دہی نہ بِکتا تو رات کو بھلّے پکوڑیاں تیار ہوتیں۔ گاہک کوئی آگیا تو خیر ورنہ وُہ بھی

گھر کی مرغی دال برابر

چار و ناچار یوں چکا دی جاتیں۔ یہی حال بتاشے مٹھائیوں کا ہوا کرتا۔

الغرض بازار نام کو تو تھے [2] دو۔ مگر کام کی کوئی چیز یا ضرورت کا کوئی سامان قطعاً میسر نہ آسکتا تھا۔ بالکل معمولی معمولی ضروریات زندگی کے لئے بٹالہ۔ امرت سر اور لاہور جانا ہوتا تھا۔ اور تو در کنار زمینداری ضروریات مثل بیج۔ بنولے تک لوگ

بٹالہ سے سروں پر اٹھا کر لایا کرتے۔ علاقہ کی پیداوار بھی بمشکل فصل کے ایام میں بل سکتی تھی۔ بنئے۔ مہاجن اور ساہو کار شہروں کو لے جاتے۔ تو چند ہی روز بعد پھر بیچارے کسانوں اور مزدوروں بلکہ ہر طبقہ کے لوگوں کو شہروں سے جا کر لانی پڑتی تھیں۔ گوشت اور سبزی کا بھی یہی حال تھا۔ قصاب دوسرے تیسرے روز بکرا کرتے وہ بھی نہ بکتا۔ تو دیہات میں لے جا کر قرض دام یا غلہ نکلنے کے وعدہ پر اُدھار دے آتے گوشت ایسا خراب ہوا کرتا۔ کہ دیکھنے کو جی نہ چاہتا۔ قصابوں کی بڑی جائداد کالی بھیڑیں ہوا کرتی تھیں۔ بکرا شاذونادر؛

بے کاری عام تھی

کیونکہ کام کے لوگ اپنی عزت، و آبرو بچانے کی غرض سے بستی کو چھوڑ کر جا چکے تھے پیچھے بیکار یا بدقماش رہ گئے تھے یا سُست اور کاہل۔ کام کے لوگ نکل گئے۔ تو نکمے پڑے رہے۔ جس کے نتیجہ میں مختلف قسم کی عادات قبیحہ اور افعال شنیعہ میں لوگ مبتلا تھے۔ قمار بازی کا بازار گرم رہتا جس کے کئی اڈے قائم تھے۔ گردونواح کے بدقماش اور آوارہ لوگ آتے۔ پولیس چھاپے مارتی۔ لوگ دیوالیہ و کنگال ہوا کرتے تھے۔ رونق ہوا کرتی ٹھیکہ کی دوکانوں پر۔ اُم الخبائث کا ٹھیکہ موجود۔ بھنگ چرس۔ گانجا کے دم لگا کرتے۔ اور چنڈو کا استعمال ہوتا۔ افیون اور دھتورہ کا استعمال بھی عام تھا۔ حقہ نوشی اور میکشی و میفروشی کی کوئی انتہا نہ تھی۔ اور اُن کے نتائج تلخ بھی لوگوں کو چکھنے پڑا کرتے تھے۔

صفائی کا یہ حال تھا۔ کہ جا بجا کوڑا کرکٹ اور نجاست کے تودے۔ گوبر اور گندگی کے انبار لگے رہا کرتے۔ جن کی وجہ سے ہر گھر سنڈاس اور کوچہ و گلی گندے نالے کا منظر پیش کرتے۔ کوچوں کا یہ حال تھا۔ کہ دن کی روشنی میں بھی دشوار گذار تھے۔ بڑے بڑے کھنگر گلی کوچوں کو ناہموار اور ناقابلِ عبور بنائے ہوئے

تھے۔ گندہ پانی اور مویشیوں کا بول و براز مل کر ایسا تعفن اور عفونت پیدا کرتے۔ کہ دماغ سڑا کرتا تھا۔

بعض میلے بھی ہوا کرتے۔ جن میں جاہلیت کے کمالات اور ہنر و جوہروں کا ایسا مظاہرہ ہوتا۔ کہ شرافت تو درکنار، انسانیت بھی سر پیٹ لیتی اور مارے ندامت و شرمندگی کے

پانی بنکر بہ نکلتی

خصوصاً میلہ "قدم شریف" جو کہ بستی کے بالکل متصل ہندو حصہ آبادی کے پاس لگا کرتا۔ ایک رات اور دن لوگ دور دور سے آکر اکٹھے ہوتے۔ رات کو آتے ہوئے مرد اور عورتوں کی ٹولیاں گند بکتیں۔ اور جس طرح ننگے گیت گاتیں، اُن کے ذکر سے بھی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ بستی کے گلی کوچوں میں رات دن وہ اودھم مچا کرتا۔ کہ الامان والحفیظ۔ لڑائی۔ دنگہ اور فساد جو عموماً چھیڑ خانی کے نتیجہ میں ہوا کرتا۔ سر پھٹول اور پکڑ دھکڑ پہ منتج ہوا کرتا۔

عرب جاہلیت کے میلے

جہالت اور بد تہذیبی کے لئے ضرب المثل سُنے جاتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے۔ کہ یہ میلے ہر رنگ میں اُن پر سبقت لے جایا کرتے تھے۔ کیونکہ ان میلوں میں اکثر حصہ علم اور ادب۔ فصاحت اور بلاغت کے لئے وقف ہوا کرتا۔ جوا بھی کھیلا جاتا۔ تو اس کی تہ میں غریب نوازی اور خدمتِ خلق کا جذبہ پنہاں ہوا کرتا تھا۔ یا اخراجات جنگ کی فراہمی مدنظر ہوا کرتی۔ مگر یہاں سرتاپا گالی گلوچ۔ گند اور ہزلیات و بجواس حیا سوز حرکات اور غیرت کش افعال جس پر طرفہ قماربازی اور فتنہ و فساد۔ خدا کی پناہ!

میں جس زمانہ کے چشم دید واقعات بیان کر رہا ہوں وہ ۱۳۱۲ھ ہجری یا ۱۸۹۵ء

کا زمانہ ہے۔ جبکہ یہ بستی خدا کے الہام اور کلام کے نزول اور سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے بعد کا زمانہ ہے۔ اور اس زمانہ میں یہ بستی

قادیان کی مقدس بستی

بن چکی تھی۔ نیک اور شریف تعلیم یافتہ لوگوں کا مرجع اور خداشناسی کا مرکز ہونے کی وجہ سے ترقی کی راہوں پر گامزن تھی۔ اور بہت کچھ اصلاح بھی عمل میں آ چکی تھی۔ باوجود اس کے ان حالات کی موجودگی بستی کی کچھ ہی عرصہ پہلے کی حالتِ ابتر کی مظہر ہے کہ نوبت کہاں تک پہنچی ہوگی :۔

گیدڑ۔ لومڑ اور بڑے بڑے جنگلی بِلّے تو سرِ شام ہی غلاظت اور سنڈاس کے ڈھیروں پر منڈلانے لگا کرتے تھے۔ ان کے علاوہ بعض درندے اور وحوش رات کی تاریکی میں آتے اور بھیڑ بکری۔ مرغی۔ بِلّوں تک کو اُٹھا لے جاتے۔ احمدیہ چوک کے شمال مشرقی کونہ کی دوکان جس میں آج کل شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی بیٹھتے ہیں۔ کسی وقت حضرت نواب صاحب قبلہ کا باورچی خانہ تھا۔ جس کے آگے ایک پھاٹک لگا ہوا تھا۔ گوشت چونکہ یہاں عموماً خراب ملا کرتا۔ اور بعض اوقات ضرورت کے وقت مل ہی نہ سکتا تھا۔ لہٰذا حضرت نواب صاحب کے ہاں اس کا انتظام رہتا۔ ایک رات کا ذکر ہے کہ بکرا وہاں بند تھا رات کو بھیڑیا آیا۔ اس نے پھاٹک کا ایک حصہ توڑا اور بکرا اُٹھا کر لے گیا۔

اس سے بھی بڑھ کر

ایک اور چشمدید واقعہ سُناتا ہوں۔ ایک روز دن دہاڑے ایک لمبے دانتوں والا جنگلی خنزیر شرقی ڈھاب میں پانی پی اور نہا کر شکستہ فصیل کی راہ سے جہاں آج کل حضرت عرفانی صاحب کا مکان اور دفتر الحکم ہے، بستی میں داخل ہوا۔ اور سیدھا ایک شخص مسمی ڈھنتو کے گھر میں جا گھسا۔ جہاں اس کی بیوی بیٹھی چرخا کات رہی تھی۔ عورت اس بدصورت خونخوار یار کو دیکھ کر گھبرائی۔ گھبراہٹ میں اور کچھ نہ بن پڑا۔ تو ہاتھ سے دھتکارنے لگی۔ اس نے ہاتھ پکڑ کر

چبا لیا۔ اور پھر شور و غوغا سے خائف ہو کر گاؤں کے گلی کوچوں میں سے ہوتا ہوا بستی کے غربی جانب سے نکل کر گنے کے کھیتوں میں جا گھسا۔ اور آخر شکاری کتوں اور شکاریوں کا شکار ہو کر اُس جرأت کی پاداش کو پہنچا۔ بھیڑیا جسے پنجابی میں بگھیاڑ کہتے ہیں۔ اس کثرت سے ہو گیا تھا۔ کہ موجودہ سٹیشن اور بستی کے درمیان ایک جوہڑ کا نام ہی

بگھیاڑاں والا چھپڑ

مشہور تھا۔ نہ صرف یہی بلکہ گاؤں کے باہر بعض حصے ویرانی و بربادی کے باعث اتنے بھیانک اور ڈراؤنے ہو چکے تھے۔ کہ بھوت چڑیل کا مرکز کہلاتے۔ جہاں دن دہاڑے لوگ جانے سے گھبرایا کرتے تھے۔ اس طرح گویا یہ بستی جو ایک قوم کے ذریعہ جنگل سے منگل بنی تھی۔ دوسری قوم کے ذریعہ سے پھر تنزل کر کے

منگل سے جنگل

آباد سے ویران۔ اور علم و فضل۔ ہنر و حکمت اور نیکی و تقویٰ کی بجائے جہالت اور رذالت بیکاری و خجالت اور بدی و بدکرداری کا مرکز ہو چکی تھی۔ جہاں علم رہا نہ دولت۔ تجارت رہی نہ حرفت۔ زراعت رہی نہ حکمت۔ غفلت و سستی۔ بیکاری و بیماری۔ اور بدی و بدکاری کا دور دورہ اور جہالت و ضلالت کا عمل مسلط تھا۔ جنگلی جانوروں اور درندوں کی وجہ سے کھیتیاں برباد ہوا کرتیں۔ اور یہی وجہ تھی کہ شکاری لوگ اور شکاری کتے اُن دنوں قادیان میں کثرت اور عزت سے پالے اور رکھے جاتے تھے۔

بات لمبی ہوتی جاتی ہے۔ مگر بے کہے تسلی ہوتی ہے نہ حقیقت کھلتی ہے۔ لہذا نہایت ہی اختصار سے اشاروں پر اکتفا کرتے ہوئے کچھ عرض کرتا ہوں۔ سب سے پہلی مشکل اس بستی کی گمنامی کی وجہ سے اس کی تلاش کی تھی۔ تو دوسرا بڑا بھاری مرحلہ قادیان پہنچنے کا تھا۔ ذرائع آمد و رفت کا اتنا فقدان تھا۔ کہ سواری کا میسر آنا مشکل ہو جایا کرتا۔ سواری آج کے اس زمانہ میں ریڑھو۔ بیل گاڑی اور گڈا زیادہ سے زیادہ

دقیانوسی یکّا

ہوا کرتا تھا۔ جس کی وضع قطع اور شکل و بناوٹ اس امر کی مقتضی ہُوا کرتی تھی کہ اُسے یکّا کی بجائے شیطانی چرخا کے نام سے پکارا جائے۔ اور حقیقت بھی اس سواری کی اسی نام سے پوری طرح واضح ہوتی ہے۔ چلنے میں دھکّوں کا لگنا حتّیٰ کہ پسلیاں دُکھ جایا کرتیں پیٹ میں درد اُٹھنے لگتا۔ اور جسم ایسا ہو جاتا کہ کسی نے اُوکھلی میں دے کر کوٹ دیا ہو۔ اس کا چلتے چلتے سیخ پا ہو جانا۔ اُلٹ جانا۔ سواریاں نیچے چرخا اُوپر۔ یہ باتیں خالی یکّہ لکھ دینے سے کیسے معلوم ہو سکتی ہیں۔

یکّہ مل جانے کے بعد دوسری مشکل یہ ہُوا کرتی کہ یکّہ بان غائب۔ وہ نہاری لینے چلا جایا کرتا۔ اور جب تک کئی سواریاں ہاتھ نہ آجائیں، اس کی نہاری تیار نہ ہو سکتی۔ اور اس طرح بہت سا قیمتی وقت یکّہ بان کے انتظار یا تلاش میں ضایع ہو جایا کرتا۔ سڑک کی کیفیت لکھنے کی تو ضرورت نہیں۔ کیونکہ اس کی تفصیل خود خداوند عالم الغیب نے

فجّ عمیق

کے کلام میں فرمادی ہے۔ سڑک کچّی تھی۔ مرمت کا کبھی کوئی سامان نہ ہُوا کرتا تھا۔ غلہ وغیرہ اجناس تمام گڈّوں کے ذریعہ سے بٹالہ جایا کرتی تھیں۔ جس کی وجہ سے سڑک نہایت خستہ ناہموار اور خراب تھی۔ یکّہ کی ہیئت ترکیبی ہی کچھ ایسی تھی۔ کہ اچھے سے اچھا موٹا تازہ اور نو بنو گھوڑا یکّے میں لگنے کے بعد چند ہی روز میں دُبلا پتلا اور ایسا مریل ہو جایا کرتا۔ کہ دیکھنے والوں کے دل رحم سے بھر جاتے۔ راستہ کا اکثر حصہ سواریاں پیدل چل کر طے کرتیں۔ اور برسات کے موسم میں تو خدا کی پناہ۔ بعض اوقات پورا پورا دن چلنے سے بھی قادیان نہ پہنچ سکتے۔ یکّے پھنس جایا کرتے تو ایسی مصیبت ہُوا کرتی۔ جو برداشت سے باہر ہو جاتی۔ سامان مزدوروں کے سروں پر اٹھوا کر منگوایا جاتا۔ سواریاں پیدل آئیں۔ یکّہ بان مجبور ہو کر گھوڑا کھول کر لے آتا۔ اور

بلکہ سڑک میں کھڑا رہتا

اس کیفیت کی اگر تفصیل کروں۔ تو پوری ایک کتاب بن جائے۔

قادیان کی بستی نشیب میں واقع ہے۔ برسات کی وجہ سے چاروں طرف سے پانی کا سیلاب آیا کرتا۔ جس سے گاؤں کے گرد کی ڈھابیں، کھائیاں اور خندقیں بھر جایا کرتیں۔ اور زائد پانی ڈیڑھ میل تک قریباً بٹالہ قادیان کی سڑک میں سے ہی گذرا کرتا۔ جو بعض اوقات اتنا گہرا، تیز اور زور سے چلتا کہ اس میں سے سلامت گذر جانا ہر کسی کا کام نہ تھا۔ گاؤں صحیح معنوں میں ایک جزیرہ ہو جایا کرتا۔ دیہات و مضافات سے آنے والے اور مسافر۔ کیا عورت کیا مرد کپڑے اُتار۔ برہنہ ہو کر گاؤں میں پہنچا کرتے۔ اور یہ منظر نہایت ہی ناگوار اور غیرت کُش ہوا کرتا تھا۔

اس زمانہ میں جائیداد کی کوئی قیمت تھی نہ قدر۔ زمین و مکان کوڑیوں کے مول بکتے۔ کوئی خریدار تھا نہ گاہک۔ چنانچہ قلعہ کی فصیل جو گورنمنٹ برطانیہ کی ملکیت قرار پا چکی تھی اور کاغذات سرکاری میں نزولی رقبہ کہلاتا تھا۔ جب حکومت نے نیلام کرنا چاہی تو کئی مرتبہ ناکامی ہوئی۔ اور نیلام کنندہ حکام ناکام واپس چلے گئے۔ کیونکہ کوئی اس کے خریدنے کو تیار نہ ہوتا۔ آخر سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت کے ابتدائی زمانہ میں آخری مرتبہ نیلام ہوا۔ اور فصیل کی زمین

مفت کے برابر

برائے نام قیمت پر لوگوں کے گلے منڈھ دی گئی۔ مرزا محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم جو اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کارندہ تھے۔ انہوں نے بھی خاندانی مکانات کے سامنے کی زمین کی بولی دے کر بہت ارزاں خرید لی۔ مرحوم بیان کیا کرتے تھے کہ میں خوشی خوشی حضرت کے حضور گیا۔ اور اپنی طرف سے بطور خوشخبری یہ خبر سنائی۔ مگر حضرت نے فرمایا:۔

"اسمٰعیل ہم نے یہ زمین کیا کرنی ہے۔ آپ نے بے پوچھے کیوں خرید لی؟

ہمارے کس کام کی ہے۔ اور ہمارے پاس تو روپیہ بھی نہیں"

مرزا اسمٰعیل صاحب بیان کیا کرتے تھے۔ کہ میں بولی دے چکا تھا نہ انکار ہوسکتا تھا نہ واپس کی جا سکتی تھی۔ اور نہ ہی کوئی اور اُسے خریدنے کو تیار تھا۔ مجبوراً میں نے قرض دام کر کے قیمت ادا کر دی۔ مگر جب حضرت کو میرے اس فعل کا علم ہوا۔ تو حضور نے وہ ساری رقم ایک یا دو مرتبہ کر کے مجھے ادا کر دی۔ اور وہ زمین اب سلسلہ کی اہم ضروریات میں کام آئی۔ میرا اندازہ ہے کہ اگر آج یہ زمین خریدنی پڑتی۔ تو موقعہ کے لحاظ سے سو گنا زیادہ قیمت ادا کرنا پڑتی۔

تعلیم کا یہ حال تھا۔ کہ اس خاندان اور اس سے تعلق رکھنے والوں کو الگ کر کے بمشکل ایک یا زیادہ سے زیادہ دو فیصدی معمولی نوشت و خواند کے آدمی مل سکتے ہونگے۔ صرف ایک بالکل ہی چھوٹا سا

دیہاتی پرائمری سکول

تھا۔ جو ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے چلایا جا رہا تھا۔ دوسرا کوئی مکتب تھا نہ مدرسہ۔ اسی سکول کے ایک ماسٹر کو دو چار روپیہ الاؤنس دے کر **ڈاک خانہ** کا انچارج یا برانچ پوسٹ ماسٹر بنا دیا جایا کرتا۔ جو صبح و شام ایک گھنٹہ ڈاک کی آمد اور روانگی نیز دیگر کاموں کے لئے دیا کرتا۔ ڈاک بٹالہ سے ایک ہرکارہ کے ذریعہ ایک مرتبہ ایک چھوٹی سی تھیلی میں آیا کرتی۔ جو تقریباً تمام کی تمام ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام یا حضور کے غلاموں کی ہوا کرتی تھی۔ گاؤں میں شاذ ہی کسی کا کوئی خط ہوا کرتا۔ اور اگر کسی کا خط آ بھی جاتا تو اس کو پڑھانے کے لئے اس کو در بدر اور کو بکو پھرنا پڑتا۔

لباس اس علاقہ کے لوگوں کا اتنا مختصر کہ عریانی اور ستر عورت بھی نہ ہوا کرتی۔ نیم برہنہ کہنا گویا لغت میں تصرف کرنا ہوگا۔ کیونکہ حقیقتاً عوام بالکل ننگے اور برہنہ

ہُوا کرتے تھے۔ چار انگل کی ایک لنگوٹی اُن کا لباس تھا۔ جس کو دیکھ بعض اوقات

سیدنا حضرت خلیفہ اوّل رضؓ

اُن سے ایک سوال کیا کرتے۔ مگر تعجب ہے کہ وہ کچھ ایسے بے حس ہو چکے تھے۔ کہ اُن کا جواب اُن کے لباس سے بھی زیادہ مکروہ اور ننگا ہوتا تھا۔ مستورات یا عورتیں جن کے نام ہی میں ستر اور پردہ لازم قرار دیا گیا ہے۔ عموماً بے پردہ پھرتیں۔ رات کو سونے میں برہنگی اور ایک نہایت ہی قبیح رسم "اَدّھڑ ونجا" کی لعنت میں مبتلا تھیں۔

زبان اتنی موٹی۔ بھدی اور کرخت تھی کہ کان اس کی برداشت نہ کر سکتے۔ گالی کے بغیر اُن کی بات مکمل نہ ہُوا کرتی۔ اور کلام میں حلاوت و شیرینی پیدا کرنے کے لئے پھکڑ بازی لازمی تھی۔ بچوں کو بچپنے ہی سے اس کا مشاق بنایا جاتا۔ اور گالی گلوچ کی باقاعدہ تعلیم دی جایا کرتی۔ اور جب بچہ اس علم میں طاق ہوکر باپ یا بڑے بوڑھوں کو مُنہ پر گالی دینے کے امتحان میں کامیاب ہو جاتا۔ تو

واہ وا

کی صدا گونج اُٹھتی۔ اور ہر طرف سے داد ملنے لگتی۔ غرض گالی لوگوں کی عادت اور لازمہ سخن ہو چکی تھی۔ اور اظہارِ محبت و پیار کے لئے تو یہ چیز ایسی ضروری تھی۔ جیسے کھانے میں نمک۔

مساجد اس زمانہ میں چار تھیں۔ (۱) **مسجد مبارک** جو دراصل مسجد البیت تھی۔ جس کا نام بیت الذکر تھا۔ یہ مسجد سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود بنوائی تھی۔ دوسری مسجد اقصےٰ تھی جو حضور پُر نور کے والد ماجد

حضرت میرزا غلام مرتضٰے صاحب

نے بنوائی۔ انہی کا مزار مبارک آج کل مسجد اقصیٰ کے وسط میں زیر گنبد ہے۔ اور تیسری مسجد محلہ ارائیاں اور چوتھی حلقہ خوجیاں میں تھی۔ اور یہ دونوں بالکل چھوٹی۔ ویران اور غیر آباد پڑی تھیں۔ ان کی بناوٹ اور وضع سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ پُرانی اور قدیم نہیں۔ بلکہ ایام میں

اور قریب زمانہ کی بناوٹ تھیں۔ ایک عرصہ تک ہم لوگ عموماً غسل وغیرہ کیلئے وہیں جایا کرتے۔ کیونکہ غسل خانے صرف انہی میں تھے۔ نوافل بھی ادا کر لیا کرتے۔ یا بعض آس پاس رہنے والے دوست فرائض بھی ان میں پڑھا کرتے رہے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ کہ اس زمانہ میں ان کی مرمت و آبادی اور ڈول رسی کے چندوں میں بھی احمدی غیر احمدی کا کوئی امتیاز نہ تھا۔ سبھی حسب توفیق حصہ لیا کرتے تھے۔

آبنوشی اور دیگر ضروریات کے لیئے کنواں صرف ایک۔ وہی جو

مسجد اقصےٰ

کے صحن میں حضرت اقدس کے والد بزرگوار حضرت مرزا غلام مرتضیٰ صاحب نے اپنی عمر کے بالکل آخری حصہ میں بنوایا، حضور کے حصہ میں آیا۔ دیوان خانہ میں بھی ایک کنواں تھا مگر وہ حضور پُرنور کے بڑے بھائی صاحب کے حصہ میں چلا گیا۔ حضرت کے گھر اور مہمانوں کے ہاں تو سقے بہشتی جہاں سے چاہتے پانی لے آتے۔ مگر ہم لوگوں کو اپنی ضرورت کے لئے مسجد اقصیٰ ہی کے کنوئیں پر جانا پڑا کرتا تھا۔ کیونکہ ایک طرف تائی صاحبہ محترمہ۔ تو دوسری طرف مرزا امام الدین اور مرزا نظام الدین صاحبان ڈانٹ ڈپٹ کیا کرتے۔ اور بعض اوقات ناقابل برداشت طعن و تشنیع تک نوبت پہنچا دیتے۔ پس اس طرح ہمارے لئے صرف ایک

خدا کے گھر کا کنواں

کھلا تھا۔ جس طرح خدائے عالم و عالمیان نے اس مقدس و مقبول الٰہی بزرگ ... انسان کے دو بیٹوں میں سے ایک کو اپنے نور کا سرچشمہ اور فیوض کا منبع بنا کر ہمیں اس تک پہنچا دیا۔ اور وہ اکیلا ہی خلق و جہان کے ورثہ میں آیا۔ اسی طرح آپ کے ترکۂ مادی کے دو کنوؤں میں سے ایک اور صرف ایک ہی کنواں آنے والی پیاسی دنیا کے لئے کھلا تھا۔ جو فضلِ الٰہی سے اس نواح میں اپنے پانی کی لطافت و پاکیزگی صحت افزائی و

خُنکی نیز بعض اور خواص کے لحاظ سے بھی ممتاز ہے۔

مہمان خانہ اس زمانہ میں ابھی کوئی نہ تھا۔ سیدنا حکیم الامۃ حضرت مولٰنا نُورالدین خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالٰے عنہ کے مطب ہی میں آنے والے مہمان قیام کیا کرتے اور یہی جگہ سب کے لئے کافی اور وافی ہُوا کرتی تھی۔ یا پھر حضرت اقدس کا

الدّار

بطور مہمانخانہ استعمال ہوتا تھا۔

لنگر خانہ بھی علیحدہ کوئی نہ تھا۔ بلکہ حضرت اقدس کے مکان کے اندر ہی بک غلام حسین صاحب سالن وغیرہ تیار کرتے اور روٹی خادمات تیار کر لیا کرتیں۔

نہ دفتر تھا اس زمانہ میں کوئی نہ محکمہ نظارت و وزارت۔ مہمان نوازی۔ مسافر نوازی اور غریب نوازی اور کیا تالیف و تصنیف۔ طباعت و اشاعت۔ بیمار پُرسی وغیرہ اُچی الغرض عام دینی کام تنہا سیدنا حضرت اقدس ہی کو کرنے پڑتے۔ سب امور۔ سارے انتظام صرف اور صرف حضور کے ذمہ تھے۔ جن کو نہایت خوش اسلوبی اور بطریق احسن سرانجام پہنچایا جاتا۔

الغرض

یہ بستی اپنے عروج و اقبال کے بعد بعض مصالح الٰہی کے ماتحت دوبارہ ویرانہ و جنگل میں تبدیل ہو کر گمنامی و قعرِ مذلت میں غرق ہو کر بالکل ایک چھوٹی سی بستی کی شکل میں تبدیل ہو چکی تھی۔ جہاں کوئی پولیس تھانہ نہ اخبار۔ کارخانہ تھا نہ تار۔ بجلی تھی نہ فون۔ ریل تھی نہ ٹانگہ۔

سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام گاؤں کی اراضیات اور جائداد کے علاوہ بعض دیہات کی تعلقہ داری میں بحیثیت ایک زمیندار مالک کے تھے۔ مگر حضور چونکہ دنیا اور اس کی عظمت و حشمت۔ مال و منال اور شغل و اشغال نیز علائق سے منقطع ہو کر صرف خدا اور اس کے دین۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور مخلوق کی ہمدردی و خدمت

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عزت و عظمت اور خدا کے نام کے اعلاء اور جلال کے اظہار کے لئے وقف ہو چکے تھے۔ حضور کو اپنی کسی زمین کا علم تھا نہ جائیداد کا پتہ۔ جو جس کے قبضہ میں تھی وہی اس کو استعمال کرتا اور فائدہ اٹھاتا۔ حضور کو

لینے کی بجائے دینے

پڑا کرتے۔ خرچ آمد سے زیادہ ہو جاتا۔ اور مالیہ و لگان بھی حضور کو اپنی گرہ سے ادا کرنا پڑتا۔ اس طرح حضور اس جائیداد کے لحاظ سے مزارعین یا کارندوں کے رحم پر تھے۔ شرکاء حضور کے دنیوی لحاظ سے اپنے فن کے ماہر۔ علم کے کچے اور گانٹھ کے پورے تھے۔ وہ برسرِ اقتدار تھے۔ اور اُن کا دبدبہ و لاٹھی چلتی تھی۔ اللہ تعالےٰ کی تجلی۔ رجوعِ خلق اور حضور کے فنا فی اللہ۔ فنا فی الرسول اور فنا فی الدین ہو جانے اور اپنے بیگانوں کو اسی رنگ میں رنگین کرنے کی مساعی کی وجہ سے استقبال الی اللہ کے باعث اُن کو حضور سے

خدا واسطے کا بُغض

قلبی عناد اور دلی عداوت تھی۔ حضور کا عروج ان کو ایک آنکھ نہ بھاتا۔ اور وہ ہمیشہ درپئے آزار رہتے۔ ہنسی مذاق اور تمسخر و استہزاء سے بھی بہت آگے نکل جایا کرتے زیر مسجد خرافات کا نقشہ دکھائی دیا کرتا۔ ان حالات کو دیکھ کر ایمان اور بھی بڑھ جایا کرتے۔ کیونکہ قولِ خداوندی

اذا نصر اللہ المؤمن جعل لہ الحاسدین فی الارض

کی صداقت روزانہ آنکھوں سے دیکھنے کا موقعہ ملا کرتا۔ ملکیت کے لحاظ سے وہ تینوں بھائی مل کر بھی حضرت کی ملکیت سے قریباً ½ پر تھے۔ مگر زور و بود کے لحاظ سے ایسا نظر آیا کرتا کہ گویا وہی مالک و حاکم تھے۔ اور تفاصیل کو چھوڑتا اور اُن کی ایذا رسانی کی صرف ایک ہی مثال درج کرتا ہوں۔ جو جماعت میں

مقدمۂ دیوار

کے نام سے مشہور و معروف ہے ۔ یہ کام حضور کے شرکاء نے محض حضور کو اذیت پہنچانے اور دُکھ دینے کی غرض سے سینہ زوری کرتے ہوئے کیا ۔ ورنہ ان کا قطعاً کوئی حق نہ تھا ۔ انہوں نے ایک دیوار کھڑی کر کے مسجد مبارک اور مسجد اقصیٰ دونوں کا راستہ بند کر دیا جس کی وجہ سے حضور کے خدام ، غلاموں اور مہمانوں کے علاوہ خود حضور پُر نور کو سخت اذیت پہنچی ۔ کیونکہ حضور کو اپنے دوستوں اور خدام کی تکلیف کا احساس اپنی تکلیف سے بھی کہیں بڑھ کر ہُوا کرتا تھا ۔ مساجد میں پہنچنے کے لئے ایک لمبا چکر کاٹ کر لوگوں کو جانا پڑتا ۔ اور برسات کے ایام میں تو کیچڑ گارے کے باعث اکثر لوگ پھسلنے گرنے سے چوٹیں کھاتے تھے ۔ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ازراہِ شفقت اپنے مکان کے گول کمرہ کے دروازے کھول کر راستہ بنوا دیا جس سے بہت حد تک تکلیف اور مشکل میں کمی ہو گئی ۔ مگر تاہم یہ ایک

بھاری ستم اور انتہائی ظلم

تھا ۔ جو ان لوگوں نے روا رکھا ۔ اسی پر بس نہ تھی ۔ ان شرکاء کی دیکھا دیکھی اور شہ پر بعض وہ لوگ جو کمتیں کہلاتے اور رذیل و ارذل ہُوا کرتے ، وہ بھی دلیر ہو رہے تھے اور نوبت یہاں تک پہنچ چکی تھی ۔ کہ اگر کوئی احمدی کسی ایسے افتادہ کھیت میں بھی رفع حاجت کے لئے چلا جاتا ۔ جو ملکیت تو اُن کے آقا کی مگر یہ لوگ بطور مزارعہ کبھی اس میں قلبہ رانی کر چکے تھے ۔ تو یہ بدبخت اس کو اس بات پر بھی مجبور کرتے کہ وہ

غلاظت اُٹھا کر

لے جائے ۔

کہیاں ۔ بھاوڑے اور ٹوکریاں کام کرتے مزدوروں سے چھین کر لے جانا تو ایک معمولی بات ہو گئی تھی ۔ انفرادی طور پر لڑائی جھگڑا ۔ مار پیٹ اور تذلیل و تحقیر

کے سلوک کے علاوہ ایک مرتبہ تو حملہ کر کے غریب احمدیوں کے گھروں تک میں آن گھسے تھے۔ ان مشکلات و مصائب اور بے پناہ مظالم کے مقابلہ میں ہمیں

حکم یہ تھا

کہ:۔ "صبر سے سب کچھ برداشت کرو۔ اور اُف تک نہ کرو۔ جس میں برداشت کی تاب نہیں اور اس کا نفس اس کو انتقام و مقابلہ پر آمادہ کرتا ہے۔ بہتر ہے کہ وہ یہاں سے چلا جائے۔"

"گالیاں سُن کے دعا دو پا کے دُکھ آرام دو
کِبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار"

اپنوں اور رعیت و محکوم لوگوں کا یہ حال تھا۔ تو غیروں کی مخالفت۔ ان کے مظالم اور سلسلہ کو نابود و معدوم کر دینے کی کوششوں اور منصوبوں کا کیا حساب و شمار ہو سکتا ہے؟ یہ داستانِ ظلم و ستم نہایت ہی دردناک۔ کہانی طولانی اور قصّے رقت آمیز ہیں۔ جن کا یہ موقعہ نہیں۔

سیدنا حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خاندانی ترکہ سے جو ورثہ پایا۔ اس کا اندازہ اللہ تعالےٰ کے اس تسلی آمیز اور محبت بھرے کلام سے ہو سکتا ہے۔ جو حضرت کو اپنے والد صاحب بزرگوار کی وفات کے باعث بتقاضائے بشریت بعض وجوہ معاش کے ہو جانے کے خیال سے پیدا ہونے والے فکر پر آپ کو الہام فرمایا:۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

حضرت میاں امام الدین صاحب سیکھوانی کی شہادت

(۲)

میاں امام الدین صاحب ابتدائی ایام سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس آنے والوں میں سے تھے۔ آپ جناب مولانا مولوی جلال الدین صاحب شمس مبلغ انگلستان کے والد بزرگوار تھے۔ وہ اخبار الحکم ۷؍اکتوبر ۳۵ء میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"قادیان میں میرے ننھیال تھے۔ اس لئے میں یہاں لڑکپن سے ہی آتا تھا۔ اس وقت قادیان کی یہ حالت تھی۔ کہ نہایت بے رونق بستی تھی بازار خراب ہوتے تھے۔ اور کثرت سے قمار بازی ہوتی تھی۔ گویا یہ ایک پیشہ سمجھا جاتا تھا۔ ہنسی اور ٹھٹھا سے بات ہوتی تھی۔ میاں جان محمد صاحب مرحوم امام مسجد تھے۔ وہ اکیلے ہی نمازی تھے۔"

حضرت صاحبزادہ پیر سراج الحق صاحب جمالی نعمانی کے مشاہدات

(۳)

پیر صاحب سب سے پہلی مرتبہ ۱۸۸۲ء میں قادیان آئے۔ انہوں نے اس زمانہ میں جو کچھ دیکھا۔ اُسے الحکم میں شائع کیا تھا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

"۱۲۹۸ھ ہجری مطابق ۱۸۸۲ء میں جب خاکسار بمقام قادیان حضرت اقدس

کی خدمت میں حاضر ہوا - تو یہ مقام قادیان ایسا بے رونق تھا - کہ جس کے بازار خالی پڑے تھے - اور بہت کم آدمی چلتے پھرتے نظر آتے تھے - بعض دوکانیں ٹوٹی پھوٹی اور بعض غیر آباد خالی پڑی تھیں - اور دو تین یا کم وبیش دوکانیں نون مرچ کی تھیں - وہ ایسی کہ اگر چار پانچ آنے کا مصالحہ خریدنے کا اتفاق ہو - تو ان دوکانوں سے بجز دو چار پیسے کے نہیں مل سکتا تھا - اور تھوڑی تھوڑی ضرورتوں کے لئے بٹالہ جانا پڑتا تھا - علیٰ ہذ القیاس اور چیزوں کا بھی یہی حال تھا -

د۲و دوکان حلوائیوں کی بھی تھیں - لیکن اُن کی بے رونقی اور کم مائگی کا یہ حال تھا - کہ دو تین پیسہ کی ریوڑیاں گڑ کی جن سے دانتوں کے بھی ٹوٹنے کا احتمال ہو، اگر کوئی خریدے تو خریدے - ورنہ اور مٹھائی کیلئے مصالحہ کی طرح بٹالہ ہی یاد آئے - مجھے اب تک وہ دوکان یاد ہے جس میں کسی قدر نون مرچ اور کچھ تیل کے علاوہ دو چار تھان کپڑے کے بھی رکھے ہوئے ہوتے تھے - ایک تھان گاڑھے اور رادھونز کا جسکو پنجاب میں کھدر کہتے ہیں - اور ایک دو تھان گھٹیل قند سرخ کے جس کو الوان بھی کہتے ہیں - اور شاید ایک دو تھان نکمّی سی سوسی اور بھدّی سے چھینٹ کے رکھے ہوتے تھے - جن کو جٹیوں کے سوا اور کوئی خریدنے کا نام تک نہ لے -

اناج کی منڈی - سبزی کی منڈی اور اس قسم کے فواکہ اور میوے کا تو ذکر کیا، گھی - چاول - دُودھ کمیاب اور دیگر اشیاء ضروری مفقود - قصائی کی ایک دوکان ایسی تھی کہ اگر قصاب اپنی شامت سے ایک بکرا کر لیتا - تو وہ بکرا اس کی جان کا وبال ہو جاتا تھا - اگر گرمیوں کا موسم ہے

توگل سڑ کر خراب ہوگیا۔ اور جو سر دیاں ہوئیں تو چار پانچ روز تک رکھ کر کچھ یہاں کچھ دیہات میں اناج کے بدلے بمشکل تمام بیچ کھوچ کر پورا کیا۔ جس میں نفع نقصان برابر برابر۔ کچھ مکان یہاں پختہ بھی تھے مگر بے رونق۔ جب چھوٹی چھوٹی ضرورت کے لئے سات کوس بٹالہ جانا پڑتا تھا تو اس پر انسان خود قیاس کر سکتا ہے کہ قادیان میں کیسی رونق ہوگی۔"

پنڈت موہن لال صاحب بھنوت قادیان کی شہادت

(۲۸)

پنڈت جی اس وقت تقریباً اسی سال کی عمر کے بزرگ ہیں۔ پنڈت جی کے بزرگ قادیان میں بھٹنڈہ کے علاقہ سے آئے تھے۔ ان کے خاندان کی یہ مشہور روایت ہے۔ کہ بڑا اس خاندان کے بزرگ جب قادیان میں آتے۔ تو اپنے ساتھ ہی ہمارے بزرگوں کو لے کر آئے۔ اور اپنے مکانوں کے ساتھ مکان اور زمینوں کے ساتھ زمین دی اور ہمیشہ عزت و احترام کا برتاؤ کیا۔ انہوں نے مجھے اپنی یہ شہادت لکھوائی۔ کہ

"قادیان کی حضرت میرزا صاحب کے اقبال اور ترقی سے قبل یہ حالت ہم نے دیکھی ہے۔ کہ حلوائی تھوڑا سا دودھ لیتے تھے تو وہ سارے دن میں بھی فروخت نہ ہوتا تھا۔ تو رات کو اس کا دہی لگایا جاتا۔ دوسرے دن دہی فروخت کیا جاتا۔ جب اس میں سے بھی بچ جاتا تو پکوڑیاں ڈال کر فروخت کیا کرتے تھے۔ لوگوں میں بیکاری عام۔ تعلیم کا نام و نشان نہ تھا۔ مگر حضرت میرزا صاحب کے وجود سے قادیان کہیں سے کہیں پہنچ گئی۔ دنیا کی ہر چیز یہاں موجود ہو گئی۔ ہر ملک کا آدمی یہاں دیکھنے میں آگیا۔ اور ہم لوگوں کی عزت غیر احمدی اور احمدی ہر دو کی نگاہ میں ہوگئی۔ غیر احمدی اس خیال سے عزت کرنے لگے۔ کہ

شاید ہم سے اپنے خیال کی کوئی بات سُن سکیں۔ اور احمدی اس خیال سے کہ حضرت میرزا صاحب کی ابتدائی زندگی کی بات ہمارے مُنہ سے سُن سکیں؟"

خاکسار مصنّفِ کتاب کی شہادت

(۵)

میں نے اوپر کی تین شہادتیں پُرانے اور سلسلہ کے قدیم بزرگوں کی درج کی ہیں اور چوتھی شہادت قادیان کے قدیم اور معزز باشندے کی پیش کی ہے۔ پانچویں شہادت میں اپنی پیش کرتا ہوں۔ میری شہادت کی غرض یہ ہے کہ میں اپنا چشمدید مشاہدہ پیش کر سکوں۔

میری پیدائش ۲۸ اکتوبر ۱۸۹۶ء کی ہے۔ اس لحاظ سے اسی کتاب کی تحریر کے وقت میری عمر تقریباً ۵۴ سال کی ہے۔ اگرچہ میری پیدائش تو امرتسر میں ہوئی۔ مگر جلدی حضرت والد صاحب قبلہ قادیان تشریف لے آئے۔ اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ جب میری آنکھیں کُھلیں تو میں قادیان میں تھا۔ میری آنکھوں کے سامنے سب ادوارِ ترقی گذرے میں نے بچپن میں دیکھا تھا۔

کہ قادیان کی اکثر گلیوں میں بڑے بڑے وزنی کھنگر لگے ہوئے تھے (کھنگر اس جلی ہوئی مٹی کو کہتے ہیں جو اینٹوں کی شکل میں کسی بھٹے میں داخل کی گئی ہو اور وہاں آگ کی شدّت کی وجہ سے جل کر پتھر کی صورت اختیار کر گئی ہو) ان کھنگروں کی وجہ سے کسی کمزور بینائی رکھنے والے شخص کا وہاں سے گذرنا محال تھا۔ چونکہ نالیاں وغیرہ تو تھیں نہیں۔ اسلئے گلیوں میں غلیظ اور بدبودار متعفّن پانی جمع ہو کر سڑتا رہتا تھا۔ مکانات کچے تھے۔ اور ان کی شکل سے بے حیثیتی ٹپکتی تھی۔ بازار جو دو تھے ان میں سے ایک بڑا بازار کہلاتا اور دوسرا چھوٹا۔ چھوٹا بازار تو بالکل منہدم سی حالت

میں تھا۔ وہاں دوکاندار اوّل تو تھے ہی نہیں۔ اگر تھے تو بظاہر ان کا کوئی کاروبار نہ تھا۔ فصیل جو قادیان کے اردگرد تھی۔ کئی جگہ مٹی کے تودوں کی شکل میں کھڑی تھی۔ اور ساری فصیل پر کوئی مکان نہ تھا۔ جہاں اب عمدہ عمارتیں کھڑی ہیں۔

ڈھاب کا پھیلاؤ اس قدر تھا کہ موسم برسات میں دریا کی سی شان ہو جاتی تھی۔ اردگرد کے سارے علاقے کا پانی قادیان کی طرف آتا تھا۔ اور پانی بڑھتے بڑھتے گلیوں کوچوں تک بھی داخل ہو جاتا تھا۔

اب جہاں ڈاکٹر احسان علی صاحب کی دوکان ہے اور چوک ہے یہ سب پانی سے بھر جاتا تھا۔ ادھر الحکم سٹریٹ میں پانی آ کھڑا ہوتا۔ اور ادھر حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کے مکان کے قریب تک۔

جس جگہ اب مدرسہ تعلیم الاسلام ہے۔ اس جگہ لوگ دوپہر کے وقت اور رات کو جانے سے ڈرتے تھے۔ اور ایسا اظہار میرے کانوں نے سُنا تھا کہ وہاں ارواح خبیثہ کا مسکن ہے۔

قادیان کے اردگرد ڈھاک کا جنگل تھا۔ جو اس قدر خوفناک خیال کیا جاتا تھا کہ لوگ اس میں سے گذرنے سے گریز کرتے تھے۔ کہ مبادا کوئی خوفناک بھیڑیا نکل کر حملہ آور نہ ہو جائے۔

تجارت کی یہ حالت تھی کہ سُکھرام مل بزازی کے ساتھ گڑ۔ شکر۔ تیل وغیرہ بے جوڑ چیزیں بھی فروخت کیا کرتے تھے۔

کُتے بکثرت تھے اور کئی گلیاں کوچے ایسے تھے کہ ہم بچپن میں وہاں سے گذرا نہ کرتے تھے۔ کہ فلاں گلی میں کُتیا نے بچے دے رکھے ہیں۔ اور وہ حملہ آور ہوتی ہے۔

پنڈت موہن لال صاحب سے میں نے کئی دفعہ سُنا کہ ایک زمانہ میں قادیان

میں دو کتے ایسے دلیر پیدا ہو گئے تھے۔ کہ عورتیں اُن کے ڈر سے آٹا گوندھنے کے وقت دروازے بند کر لیتی تھیں کہ وہ کتے نہ آجائیں۔ مگر وہ کوٹھے کی چھت پر سے چھلانگ لگا کر آدھمکتے اور آٹا گوندھتی عورت سے آٹا چھین کر لے جاتے۔ اور اسی طرح روٹی کھاتے ہوئے مرد کے ہاتھ سے روٹی چھین کر لے جاتے۔ لوگوں نے اِن کتوں کو **نلک دھاری** اور **لے بھج** نام دے رکھے تھے۔ یعنی ایک چیز لے کر کھسک جاتا۔ اور دوسرا آہستہ سے لے اُڑتا۔

لوگ میلے کچیلے رہتے تھے۔ تکیے بکثرت تھے۔ جن میں بھنگ گھٹا کرتی تھی۔ میلے لگا کرتے تھے۔ **قدموں** کا میلہ تو اچھا خاصہ عرب کا سُوقِ **عکاظ** تھا۔ بڑے بڑے اونچے جھنڈے گاڑے جاتے۔ اور بہت بڑے بڑے ڈھول پیٹے جاتے۔ دوکانیں لگتیں۔ اردگرد کے دیہات کے جاٹ لوگ رات کو ٹولیاں بنا کر آتے۔ انہوں نے مُنہ پر کپڑے باندھے ہوتے تھے۔ جن کو پنجابی میں **ٹھاٹھا** کہتے ہیں وہ نہایت فحش اور گندے گیت جن کو پنجابی میں **بولی** کہتے ہیں گاتے۔ ان میں سے اکثر شراب نوش ہوتے تھے۔ اور دیہات کی عورتیں بھی اس میلے میں شریک ہوتی تھیں۔ اور شراب نوش گنوار ان عورتوں سے گرے ہوئے مذاق بھی کرتے تھے۔ اس قسم کی گری ہوئی حالت اس میلے کی تھی۔ کہ کوئی شریف آدمی انکو دیکھ نہیں سکتا تھا۔

ضروریاتِ زندگی کی اکثر چیزیں میسر نہ آتی تھیں۔ اس حالت میں خدا تعالیٰ نے اس بستی کو اٹھانے کا فیصلہ فرمایا۔ اور ایک

دَورِ جدید کا آغاز فرمایا

یعنی اندھیری رات چلی گئی۔ اور سپیدۂ صبح مشرق کے کونے پر نمودار ہو گیا۔ اور وہ **تاجدارِ روحانیت۔ موعودِ انبیاء۔ وہ شہزادۂ امن** پیدا ہو گیا۔ میری مراد حضرت میرزا غلام احمد مسیح علیہ السلام سے ہے جن کیلئے مقدر تھا۔

کہ وہ قوموں کی رستگاری کا باعث ہوں گے۔ آپ کی پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی۔ حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے کی تحقیقات کے مطابق ۱۳ر فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴ر شوال ۱۲۵۰ھ ہجری بروز جمعہ بوقت نماز فجر آپ کی پیدائش ہوئی۔

آپ کی پیدائش کے ساتھ ہی سب سے پہلے آپ کے والد صاحب کی تنگی کا زمانہ ختم ہوگیا۔ اور اس طرح آپ نے اپنے والد صاحب کے مصائب سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی حصہ نہ پایا۔ اور نہ ہی اپنے بزرگوں کی ریاست اور حکومت سے کچھ حصہ پایا۔ چنانچہ حضور نے اپنی پیدائش کے متعلق حسب ذیل بیان تحریر فرمایا:۔

"میری پیدائش ۱۸۳۹ء یا ۱۸۴۰ء میں سکھوں کے آخری وقت میں ہوئی میری پیدائش سے پہلے والد صاحب نے بڑے بڑے مصائب دیکھے۔ ایک دفعہ ہندوستان کا پاپیادہ سفر بھی کیا۔ لیکن میری پیدائش کے دنوں میں ان کی تنگی کا زمانہ فراخی کی طرف بدل گیا تھا۔ اور یہ خدا تعالےٰ کی رحمت ہے کہ میں نے ان کے مصائب کے زمانے سے کچھ بھی حصہ نہیں لیا۔ اور نہ اپنے دوسرے بزرگوں کی ریاست اور ملک داری سے کچھ حصہ پایا۔ بلکہ حضرت مسیح علیہ السلام کی طرح جن کے ہاتھ میں نام کی شہزادگی بوجہ داؤدؑ کی نسل سے ہونے کے تھی۔ اور ملک داری کے اسباب سب کچھ کھو بیٹھے تھے۔ ایسا ہی میرے لئے بھی بگفتن، یہ بات حاصل ہے۔ کہ ایسے رئیسوں اور ملک داروں کی اولاد میں سے ہوں۔ شاید یہ اس لئے ہوا۔ کہ یہ مشابہت بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پوری ہو۔ اگرچہ میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرح یہ تو نہیں کہہ سکتا۔ کہ میرے لئے سر رکھنے کی جگہ نہیں۔ مگر تاہم میں جانتا ہوں۔ کہ وہ تمام صف ہمارے اجداد کی ریاست اور ملک داری کی لپیٹی گئی۔ اور وہ سلسلہ

ہمارے وقت میں آکر بالکل ختم ہو گیا۔

اور ایسا ہوتا کہ خدا تعالےٰ نیا سلسلہ قائم کرتا۔

جیسا کہ براہین احمدیہ میں اس سبحانہٗ کی طرف سے یہ الہام ہے۔
سُبْحَانَ تَبَارَكَ وَتَعَالَىٰ زَادَ مَجْدُكَ۔ يَنْقَطِعُ آبَاءُكَ۔ وَيُبْدَءُ مِنْكَ۔ یعنی خدا جو بہت برکتوں والا ہے اور بلند اور پاک ہے۔ اس نے تیری بزرگی کو تیرے خاندان کی نسبت زیادہ کیا۔ اب سے تیرے آباء کا ذکر قطع کیا جائے گا اور خدا تجھ سے شروع کرے گا۔" (کتاب البریہ)

یہ جدید قادیان کی پہلی بشارت تھی۔ اس بشارت میں بتایا گیا تھا کہ تیرے وجود سے ایک نئی دنیا کا آغاز ہو گا جو تیرے بزرگوں کی دنیا سے بڑی ہو گی۔ اُن کا ذکر اب ختم کر دیا جائے گا اور تیرا ذکر شروع کیا جائے گا۔

پس قادیان جدید

آج میرے نزدیک کسی بستی کا نام ہی نہیں رہا۔ بلکہ اس مقصد اور اس مغز کا نام ہو گیا۔ جو مقصد اور مغز مسیح موعودؑ کے آنے میں پنہاں تھا۔ جب ہم قادیان کا نام بولیں گے تو اس کے پیچھے ایک شخص پنہاں ہے جو مسیح موعود ہے۔ ایک تعلیم پنہاں ہے جو آپ لائے۔ اس لئے قادیان صرف ایک بستی ہی نہ رہی بلکہ اپنی برکات کی وجہ سے اس زمانے میں دنیا کا ایک مرکز بن گئی۔ وہ ایک مسجد بن گئی جس کی ساری زمین پر الٰہی مستانے اپنی مستک جھکائے جاتے ہیں۔ وہ ایک ایسا مقام ٹھہر گئی جو کعبہ کے بعد لاکھوں انسانوں کے لئے مقدس قرار دی گئی۔
حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود اسکی تقدیس کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ

زمینِ قادیان اب محترم ہے۔ ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے

قادیان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو متعدد بشارتیں دی گئیں۔ جو قادیان کی ترقی کے متعلق تھیں۔ مثلاً تمام ایسی بشارتیں جو رجوع خلائق کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔ وُہ بھی قادیان کی ترقی کا اظہار کر رہی تھیں۔ اور اسی طرح آپ کے خاندان کے بڑھنے، پھلنے پھولنے کے متعلق جس قدر پیشگوئیاں تھیں۔ وُہ سب کی سب قادیان کی ترقی کی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔

ہم یہاں بعض پیشگوئیوں کا تذکرہ کر دینا مناسب خیال کرتے ہیں :۔

(۱)

۱۸۷۶ء حضرت فرماتے ہیں :۔

"مجھے یاد ہے کہ جب میرے والد صاحب غفر اللہ لہٗ جو ایک معزز رئیس اور اپنی نواح میں عزت کے ساتھ مشہور تھے، انتقال کر گئے۔ تو اُن کے فوت ہونے کے بعد دوسرے یا تیسرے روز ایک عورت نہایت خوبصورت خواب میں مَیں نے دیکھی۔ جس کا حلیہ ابھی تک میری آنکھوں کے سامنے ہے اور اس نے بیان کیا کہ میرا نام رانی ہے۔ اور مجھے اشارات سے کہا۔ کہ **میں اس گھر کی عزت اور وجاہت ہوں۔ اور کہا کہ میں چلنے کو تھی مگر تیرے لئے رہ گئی ۔"**

(ازالہ اوہام صفحہ ۲۱۳ - الحکم جلد ۸ نمبر ۲۲ صفحہ ۱۲ ۔ تذکرہ صفحہ ۲۵)

(۲)

"انہیں دنوں میں مَیں نے ایک نہایت خوبصورت مرد دیکھا۔ اور میں نے اُسے کہا کہ تم ایک عجیب خوبصورت ہو۔ تب اس نے اشارے سے میرے پر ظاہر کیا کہ **میں تیرا بخت بیدار ہوں "**

(ازالہ اوہام صفحہ ۲۱۳ ۔ تذکرہ صفحہ ۲۵ و ۲۶)

ان مندرجہ بالا رؤیاء میں آپ کو بتلا دیا گیا تھا۔ کہ اگرچہ آپ کا پرانا خاندان ختم ہو گیا ہے اور ظاہری آنکھوں کو نظر آرہا ہے۔ کہ اب کوئی انسان اس شوکت اور دبدبہ کو قائم رکھنے والا باقی نہیں رہا۔ مگر آسمان پر کچھ اور ہی فیصلے ہیں۔ اور فرشتے جن کے سپرد اس گھر کی عزت و وجاہت کا خاتمہ رکھا تھا ان کو حکم دے دیا گیا کہ وہ اپنی ڈیوٹی بجا لاتے رہیں۔ اور آپکو بتلا دیا گیا۔ کہ آپکا بخت بیدار ہے۔

(۳)

کثرت سے لوگوں کی آمد کے متعلق پیشگوئی

"اللہ تعالٰے نے اپنی وحی میں فرمایا۔ وَاتْلُ مَا اُوْحِيَ اِلَيْكَ۔ مِنْ رَّبِّكَ وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰهِ۔ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ۔ اَصْحَابُ الصُّفَّةِ وَمَا اَدْرَاكَ مَا اَصْحٰبُ الصُّفَّةِ تَرٰى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ۔ يُصَلُّوْنَ عَلَيْكَ۔

ترجمہ:۔ سو ان کو وہ وحی سنادے جو تیرے رب کی طرف سے ہوئی۔ اور یاد رکھ کہ وہ زمانہ آتا ہے کہ **لوگ کثرت سے تیری طرف رجوع کریں گے**۔ سو تیرے پر واجب ہے کہ تو ان سے بدخلقی نہ کرے اور تجھے لازم ہے کہ ان کی کثرت کو دیکھ کر تھک نہ جائے۔

اور ایسے لوگ بھی ہوں گے **جو اپنے وطنوں سے ہجرت کر کے تیرے حجروں میں آکر آباد ہوں گے**۔ وہی ہیں جو خدا کے نزدیک اصحاب الصفہ کہلاتے ہیں۔ اور تو کیا جانتا ہے کہ وہ کس شان اور ایمان کے لوگ ہوں گے۔ جو اصحاب صفہ کے نام سے موسوم ہیں۔ وہ بہت قوی الایمان

ہوں گے۔ تو دیکھے گا کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے۔ وہ تجھ پر دُرود بھیجیں گے۔" (تذکرہ صفحہ ۵۱)

یہ اُس زمانے کی باتیں ہیں۔ جبکہ ابھی آپ تنہائی کی زندگی گزار رہے تھے۔ اس وقت خدا تعالیٰ نے بتلایا کہ تیرے پاس کثرت سے لوگ آئیں گے۔ اس کثرت سے کہ جسے دیکھکر عام انسان تھک جاتا ہے۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جو اپنے گھر بار چھوڑ کر آجائیں گے۔ وہ بڑے قوی الایمان لوگ ہوں گے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہونگے اور اے میرے مسیح موعود تو جو آج تنہا چھوڑا ہُوا نظر آتا ہے۔ وہ لوگ تجھ پر دُرود بھیجا کریں گے۔

یہ اس کس مپرسی انسان کے متعلق پیشگوئی ہے کہ جس کا باپ ہمیشہ اس فکر میں مبتلا رہتا تھا کہ معلوم نہیں میرے اس بیٹے کا کیا حشر ہو گا۔ وہ آپ کو طرح طرح کے دنیاوی کاروبار میں لگانا چاہتے تھے۔ مگر آپ کو ان کاموں سے نفرت تھی۔ چنانچہ ایک سکھ جھنڈا سنگھ نامی ساکن کاہلواں کا بیان ہے کہ

"میں بڑے میرزا صاحب کے پاس بہت آیا جایا کرتا تھا۔ ایک دفعہ مجھے بڑے میرزا صاحب نے کہا۔ جاؤ (حضرت) غلام احمد (علیہ السلام) کو بلا لاؤ۔ ایک انگریز حاکم میرا واقف ضلع میں آیا ہے۔ اس کا منشاء ہو تو کسی اچھے عہدے پر نوکر کرا دوں۔ جھنڈا سنگھ کہتا تھا کہ میں میرزا صاحب کے پاس گیا تو دیکھا **چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا کر اسکے اندر بیٹھے ہوئے کچھ مطالعہ کر رہے تھے۔** میں نے بڑے میرزا صاحب کا پیغام پہنچا دیا۔ میرزا صاحب آئے اور جواب دیا کہ **میں تو نوکر ہو گیا ہوں۔**

بڑے میرزا صاحب کہنے لگے کہ اچھا کیا واقعی نوکر ہو گئے ہو؟ میرزا صاحب نے کہا

ہاں ہو گیا ہوں۔ اس پر بڑے میرزا صاحب نے کہا اچھا نوکر ہو گئے ہو تو خیر ہے۔"
(سیرت المہدی ص۳۶ روایت ۵۱)

"بڑے میرزا صاحب بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ
میں صرف ترحم کے طور پر اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔"
(حیات النبی ص۵۵ کتاب البریہ)

جھنڈا سنگھ کا ایک دوسرا بیان

پیر سراج الحق صاحب جمالی نعمانی نے اپنی کتاب سیرۃ المہدی حصہ دوم میں لکھا ہے کہ

"ایک دفعہ جھنڈا سنگھ حضرت اقدس کو ملنے کے لئے آیا۔ تو اس نے ہم کو کہا کہ میرزا جی کہاں ہیں؟ ہم نے کہا کہ اندر ہیں۔ اور وہ وقت آپکے باہر تشریف لانے کا نہیں تھا۔ اس لئے ہم نے کہا کہ ہم بلا بھی نہیں سکتے۔ تو اس نے بے دھڑک آواز دیدی کہ مرزا جی باہر آؤ!

حضرت اقدس برہنہ سر اس کی آواز سن کر تشریف لے آئے۔ اور اسے دیکھ کر مسکراتے ہوئے فرمایا۔ سردار صاحب اچھے ہو۔ خوش ہو۔ بہت دنوں کے بعد ملے۔ اس نے کہا ہاں میں خوش ہو۔ مگر بڑھاپے نے ستا رکھا ہے۔ چلنا پھرنا بھی دشوار ہو رہا ہے۔ پھر زمینداری کے کام سے فرصت کم ملتی ہے۔ پھر بولا

مرزا جی آپ کو وہ پہلی باتیں بھی یاد ہیں؟ بڑے میرزا صاحب کہا کرتے تھے۔ میرا یہ بیٹا مسیتڑ ہے۔ نہ نوکری کرتا ہے نہ کماتا ہے۔ اور پھر وہ ہنس کر کہتے تھے کہ چلو تمہیں کسی مسجد میں ملا کروا دیتا ہوں۔"

(سیرۃ المہدی مصنفہ پیر سراج الحق صاحب ص۔)

خود حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں ؎

"لفاظات الموائد کان اکلی
وصرت الیوم مطعام الاھالی

ایک دن تھا۔ کہ دسترخوان کے بچے کھچے ٹکڑے میری غذا تھی۔ اور آج میں قوموں کو کھلا رہا ہوں"

پس اس تنگی کے زمانے میں خدا تعالیٰ نے آپ کو فراخی کی بشارتیں دیں۔ اور تبلایا کہ تو ایک دن قوموں کی آماجگاہ بن جائے گا۔ اور دنیا میں تیرے ایسے فدائی پیدا ہوں گے جو چشم رواں کے ساتھ تجھ پر درود بھیجا کریں گے۔

پھر فرمایا

(۴)

"یَأْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ - وَسِّعْ مَکَانَکَ - یَأْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ" (الحکم ۱۰/۶/۱۰ "تذکرہ ص۵۲)

یہ پیشگوئی مکانوں کی وسعت اور آنے والوں کے دور دراز سفروں سے متعلق تھی۔ اور ان تحفے تحائف کے متعلق جو اس بستی میں آپ کے پاس لائے جائیں گے۔

ایک جدید خاندان کی پیشگوئی جو آپ سے چلے گا

(۵)

"سُبْحَانَ اللّٰہِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی - زَادَ مَجْدَکَ یَنْقَطِعُ اٰبَآؤُکَ وَیُبْدَأُ مِنْکَ +

یعنی سب پاکیاں خدا کے لئے ہیں جو نہایت برکت والا اور عالی ذات ہے

اس نے تیرے مجد کو زیادہ کیا - تیرے آباء کا نام اور ذکر منقطع ہو جائیگا - یعنی بطور مستقل اُن کا نام نہیں رہے گا - اور خدا تجھ سے ابتداء شرف اور مجد کا کریگا۔"

(تذکرہ صہ ۶۵)

خدا تعالےٰ نے اور آگے بشارتیں دیں - اور فرمایا

۱۸۸۶ء - تیرا گھر برکت سے بھرے گا اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا - اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائے گا - تیری نسل بہت ہو گی - اور میں تیری ذریت کو بڑھاؤں گا اور برکت دوں گا - اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی - اور ہر ایک شاخ تیرے جدی بھائیوں کی کاٹی جائے گی - اور وہ جلد لاولد رہ کر ختم ہو جائیگی اگر وہ توبہ نہ کریں گے تو خدا اُن پر بلا پر بلا نازل کرے گا - یہاں تک کہ وہ نابود ہو جائیں گے - اُن کے گھر بیواؤں سے بھر جائیں گے اور ان کی دیواروں پر غضب نازل ہو گا - لیکن اگر وہ رجوع کرینگے تو خدا رحم کے ساتھ رجوع کرے گا - خدا تیری برکتیں ارد گرد پھیلائے گا - اور ایک اُجڑا ہوا گھر تجھ سے آباد کرے گا - اور ایک ڈراؤنا گھر برکتوں سے بھر دے گا - تیری ذریت منقطع نہیں ہو گی - اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی - خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا - اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا - میں تجھے اٹھاؤں گا اور اپنی طرف بلاؤں گا - پر تیرا نام صفحۂ زمین سے کبھی نہیں اُٹھے گا - اور ایسا ہو گا کہ سب وہ لوگ جو تیری

ذلت کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اور تیرے ناکام رہنے کے درپے اور تیرے نابود کرنے کے خیال میں ہیں وہ ضرور ناکام رہیں گے۔ اور ناکامی اور نامرادی میں مریں گے۔ لیکن خدا تجھے بکلّی کامیاب کرے گا۔ اور تیری ساری مرادیں تجھے دیگا۔ میں تیرے خالص اور دلی محبتوں کا گروہ بھی بڑھاؤں گا۔ اور اُن کے نفوس واموال میں برکت دُوں گا۔ اور اُن میں کثرت بخشوں گا اور وُہ مسلمانوں کے اس دوسرے گروہ پر تا بروزِ قیامت غالب رہیں گے۔ جو حاسدوں اور معاندوں کا گروہ ہے۔ خدا انہیں نہیں بھولے گا اور فراموش نہیں کرے گا۔ اور وہ علی حسب الاخلاص اپنا اپنا اجر پائیں گے۔ تو مجھ سے ایسا ہے جیسے انبیاء بنی اسرائیل (یعنی ظلّی طور پر اُن سے مشابہت رکھتا ہے) تو مجھ سے ایسا ہے، جیسے میری توحید۔ تو مجھ سے اور میں تجھ سے ہوں۔ اور وہ وقت آتا ہے بلکہ قریب ہے۔ کہ خدا بادشاہوں اور امیروں کے دلوں میں تیری محبت ڈالے گا۔ یہاں تک کہ وہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔

اے منکرو اور حق کے مخالفو! اگر تم میرے بندے کی نسبت شک میں ہو اگر تمہیں اس فضل و احسان سے کچھ انکار ہے جو ہم نے اپنے بندے پر کیا۔ تو اس نشانِ رحمت کی مانند تم بھی اپنی نسبت کوئی سچا نشان پیش کرو۔ اگر تم سچے ہو۔ اور اگر تم پیش نہ کر سکو۔ اور یاد رکھو کہ ہرگز پیش نہ کر سکو گے۔ تو اس آگ سے ڈرو کہ جو نافرمانوں اور جھوٹوں اور حد سے بڑھنے والوں کے لئے تیار ہے۔"

(از اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء۔ تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۵۸-۶۲۔ تذکرہ صفحہ ۱۴۳-۱۴۴)

کیسا شاندار اور کیسا پُر رعب و پُر ہیبت یہ کلام ہے۔ جو خود بول رہا ہے۔ کہ یہ کسی انسان کی طاقت میں نہیں کہ وُہ اس قدر تحدّی کر سکے۔ کہ وُہ خاندان کے ایک حصہ کے لئے کاٹے جانے کا فیصلہ کر دے اور اپنی نسل کے لئے اس قدر تحدّی کہ وُہ بکثرت ہو گی۔ وُہ ملکوں میں پھیل جائے گی۔ وُہ منقطع نہیں ہو گی۔ تو مرجع خلائق ہو جائے گا۔ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈینگے اور تیرے ماننے والے تیرے دشمنوں پر قیامت تک غالب رہیں گے۔

یہ سب پیشگوئیاں اُس قادیان کے خدّ و خال ہم کو بتلا رہی ہیں جس قادیان کا ہم کو تذکرہ کرنا مقصود ہے۔

اسی طرح قادیان کے متعلق یہ پیشگوئی فرمائی کہ اسے طاعون سے بچایا جائیگا بہشتی مقبرہ۔ لنگر خانہ۔ مسجد مبارک۔ بیت الفکر۔ بیت الذکر۔ مسجد اقصیٰ وغیرہ کی برکات کا ذکر پیشگوئیوں میں فرمایا گیا۔ الدّار کی برکات کے متعلق پیشگوئیاں فرمائی گئیں۔ ان سب کا ذکر اپنی جگہ تفصیل سے آسکے گا۔ مگر ایک دو شہادتیں پیش کر کے اس باب کو ختم کروں گا۔

آپؑ فرماتے ہیں:۔

"اور وہ قادر خدا قادیان کو طاعون کی تباہی سے محفوظ رکھیگا تا تم سمجھو کہ قادیان اسی لئے محفوظ رکھی گئی کہ وُہ خدا کا رسول اور فرستادہ قادیان میں تھا۔"

(دافع البلاء ص۵ مطبوعہ اپریل ۱۹۰۲ء۔ تذکرہ ص۳۹۶)

"خدا قادیان میں نازل ہو گا اپنے وعدے کے موافق۔"

(تذکرہ ص۱۳۱)

"رؤیا میں دیکھا کہ میں قادیان کے بازار میں ہوں اور ایک گاڑی پر

سوار ہوں۔ جیسے ریل گاڑی ہوتی ہے۔" (تذکرہ صـ۹۵۴)

قادیان کی آبادی کا بیاس تک بڑھنا

اسی طرح آپ نے ایک رؤیا دیکھا۔ جس میں قادیان کی مرفع الحالی کو اس طرح دیکھا۔ کہ بڑے بڑے بازار ہیں۔ جن میں بڑے بڑے پیٹوں والے سیٹھ بیٹھے ہوئے ہیں اور اس کی آبادی دریائے بیاس تک بڑھتی چلی گئی ہے۔ ایک اور رؤیا میں آپ نے دیکھا کہ ایک سواری جو ریل کی طرح ہے۔ وہ قادیان کے بازاروں میں چل رہی ہے۔"

ان پیشگوئیوں میں ان تمام ترقیوں کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ جو آئندہ قادیان کو حاصل ہونے والی تھیں۔ اور یہ سب ترقیاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود باجود کی وجہ سے ظہور میں آنے والی تھیں۔ اس لئے قبل اس کے کہ ہم ان ترقیات کو ایک ایک کرکے آپ کے سامنے پیش کریں۔ ہم یہ ضروری خیال کرتے ہیں۔ کہ ہم حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے موجودہ خاندان کا کچھ تذکرہ کردیں۔ تاکہ وہ انسان جو قادیان جدید کا بانی ہوا۔ اور جس کی وجہ سے قادیان کے یہ سب تغیرات ہوئے، اس کو ہم جان سکیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہی **اصل قادیان** ہیں۔ اور وہ تعلیم جو آپ نے دنیا کو دی وہ اس قادیان کی برکات ہیں

جس طرح آپ کے مورثانِ اعلیٰ نے ایک اینٹ پتھر کی قادیان تعمیر کی۔ اسی طرح آپ نے ایک سورج کی طرح چمکنے والی۔ ہمالیہ کی چوٹیوں کی طرح اعلیٰ وارفع زمینِ حرم کی طرح مقدس قادیان کی بنیاد رکھی۔ اور خدا تعالےٰ نے اس کی روحانی ترقی کے سوا اس کی مادی ترقی کا بھی وعدہ فرمایا۔ اور ہم نے اپنی آنکھوں سے اس

ترقی کو ظہور پذیر ہوتے دیکھا۔

آپؑ کے بعد اس قادیان کو جو ہماری اصطلاح میں **رُوحانی** قادیان ہے اور لوگوں کی نظر میں ایک شہر، خدا تعالےٰ نے آپ کی

ذُرّیتِ طیّبہ

کے ذریعے اس قدر بڑھایا کہ وہ لوگوں کے لئے ایک حیران کُن مسئلہ بن گیا۔

وہ قادیان جس کی تفصیل اوپر آ چکی ہے کہ وہ ایک کور دیہہ تھا۔ اور اسمیں ضروریات کی کوئی چیز میسر نہ آتی تھی اور جو مختصر سی چار دیواری کے اندر محدود تھی۔

آج

اسکی آبادی اس فصیل کی حدود سے باہر نکلکر بہت دُور دُور تک پھیل گئی ہے۔ بڑی بڑی عمدہ عمارتیں اس جنگل میں بنی کھڑی ہیں۔ جن کے اندر خوبصورت چمن اور گلزار لگے ہوتے ہیں۔ ہر مکان میں وسعت ہے۔ ترتیب و تنسیق ہے۔ کھلی کھلی سڑکیں ہیں۔ آب رسانی کیلئے ہر گھر میں نلکہ یا کوئیں کا انتظام ہے۔ بعض مکانوں میں بجلی کی موٹروں کے ذریعہ سے آٹومیٹک طریق پر پانی آتا ہے اور ہر کمرے میں پہنچ جاتا ہے۔ بجلی لگی ہوئی ہے۔ جس سے اکثر مکان۔ سڑکیں اور عمارتیں بقعۂ نور بن رہی ہیں۔ عمدہ عمدہ باغات اور سیر گاہیں موجود ہیں۔ ہر طرف بازار ہیں۔ کارخانے اور فیکٹریاں ہیں جہاں کاریگر ہر وقت مشغول کار ہیں۔ ڈاک کا مکمل انتظام ہے۔ تار کا محکمہ موجود ہے۔ ٹیلیفون لگا ہوا ہے جس سے دنیا کے ہر گوشے میں گفتگو کیجا سکتی ہے۔ شہر کی صفائی کیلئے ٹاؤن کمیٹی ہے جو جلد میونسپل کمیٹی بننے والی ہے۔ حفظ امن کے لئے پولیس کا محکمہ موجود ہے۔ تعلیم کیلئے مدرسے اور اخبارات ہیں۔ شہر میں متعدد لائبریریاں ہیں۔ عورتوں اور مردوں کا علمی مذاق انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ صحتِ جسمانی کے قیام کیلئے ہسپتال اور بہترین طبیب حتیٰ کہ آنکھوں کے ڈاکٹر۔ دانتوں کے ڈاکٹروں کے علاوہ پیشاب اور خون وغیرہ کے علاج کا ایسا انتظام خدا نے کر دیا ہے جو چالیس پچاس ہزار کی آبادی والے شہروں میں بھی موجود نہیں۔ یہ سب کچھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کی ذریت طیبہ کی برکت سے ہوا اور ہو رہا ہے ؎ الحمد للہ علیٰ ذالک

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیدائش ۱۳ر فروری ۱۸۳۵ء مطابق ۱۴ر شوال ۱۲۵۰ھ ہجری بروز جمعہ بوقت نماز فجر ہوئی۔ آپ کی پیدائش توام طور سے ہوئی۔ آپ کے ساتھ ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ جو جلد ہی فوت ہو گئی۔ اس وقت پنجاب پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کا راج تھا۔ آپ کی پیدائش سے قبل خاندان پر بڑی مصیبت اور تباہی آئی ہوئی تھی جس کی تفصیل پہلے باب میں آچکی ہے۔ مختصراً یہ کہ

میرزا گل محمد صاحب جو قادیان کے علاقہ کے خود مختار حاکم تھے ۱۸۰۰ء میں فوت ہو گئے۔

ان کے بعد میرزا عطا محمد صاحب اُن کے جانشین ہوئے۔ ان کے زمانے میں رام گڑھی اور کنہیا مسل کے سکھوں نے قادیان پر قبضہ کر لیا۔ میرزا عطا محمد صاحب بیگوال علاقہ ریاست کپورتھلہ میں جا کر آباد ہو گئے۔ وہاں بارہ سال کے بعد انکو سکھوں نے زہر دے کر مروا دیا۔ میرزا عطا محمد صاحب کی تاریخ وفات مجھے نہیں مل سکی۔ مگر ایک اندازہ کہ ۱۸۱۴ء کے قریب انکی وفات ہوئی رکیونکہ قادیان سے نکلنے کے بعد وہ بارہ سال تک زندہ رہے۔ ۱۸۰۰ء میں تو میرزا گل محمد صاحب کی وفات ہوئی۔ اور انکی وفات کے ساتھ ہی آپ کے خاندان کو قادیان چھوڑنا نہیں پڑا۔ بلکہ حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کی

تحقیقات اور اندازے کی رُو سے ۱۸۰۲ء کے قریب قریب قادیان قبضہ سے نکلا۔ تو قادیان سے جانے کے بعد بارہ سال وہ زندہ رہے۔ اس طرح ۱۸۱۴ء سال وفات بنتا ہے ۵

دیوان سنگھ نے پندرہ سال تک اپنا قبضہ قادیان پر رکھا۔ اس طرح ۱۸۱۶ء یا ۱۸۱۷ء تک وُہ قابض رہا۔

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مہاراجہ رنجیت سنگھ نے ۱۸۱۶ء میں رام گڑھیوں کو شکست دے کر اپنا قبضہ جمالیا تھا۔

مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر ۱۸۱۹ء میں فتح کیا۔ اسوقت جناب میرزا غلام مرتضٰی صاحب بمع اپنے بھائیوں کے اس کی فوج میں اہم خدمات سرانجام دے رہے تھے۔

۱۸۳۴ء میں مہاراجہ رنجیت سنگھ نے میرزا غلام مرتضٰی صاحب کو قادیان کے اردگرد کے پانچ گاؤں اُن کی جدی جاگیر میں سے واپس کر دئے تھے۔ اس طرح آپؑ کی پیدائش سے تھوڑا عرصہ قبل خاندان کی ان پریشانیوں کا خاتمہ ہو گیا تھا۔

ہجرت ۔ مصائب ۔ مالی تنگی ۔ شدت ان سب امور کا دور ختم ہو گیا تھا۔ اور یہ پہلی برکت آپ کی پیدائش کے ساتھ ہی ظہور میں آئی۔ کہ آپ ابھی شکمِ مادر ہی میں تھے کہ خاندان کی سب مشکلات کا خاتمہ ہو گیا۔ تقریباً بتیس سال کا عرصہ خاندان نے جن مشکلات کی وادیوں میں گذارا تھا۔ اس سے نکل کر وہ پھر حصارِ عافیت میں آگئے۔ جہاں اُن کے بزرگوں کی زندگیوں کا آغاز اور انجام ہوا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود کتاب البریہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"لیکن میری پیدائش کے دنوں میں ان کی تنگی کا زمانہ فراخی کی طرف بدل گیا تھا

(۵ "سلسلہ احمدیہ" مصنفہ حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے صفحہ ۷۔ سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۵۲ روایت ۶۱۳۔ سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۰۹)

اور یہ خدا تعالےٰ کی رحمت ہے۔ کہ میں نے اُن کے مصائب کے زمانہ سے کچھ بھی حصّہ نہیں لیا" (کتاب البریہ۔ حیات النبی ص۴۹)

آپ کی پیدائش ایسے زمانہ میں ہوئی جو بالکل بحرانی زمانہ تھا۔ ایک طرف سکھ حکومت کا زور تھا اور دوسری طرف انگریزی حکومت سیلاب کی طرح بڑھ رہی تھی۔ ملک میں کوئی امن نہ تھا۔ افغانستان میں جنگیں ہو رہی تھیں۔ سندھ میں بغاوت ہوگئی۔ ۱۸۵۷ء تک یہی حالات رہے۔ دِلّی میں غدر ہوا۔ مغل سلطنت کا ہمیشہ کیلئے خاتمہ ہوگیا۔ بادشاہ کے بیٹے قتل کئے گئے۔ بڈھا بادشاہ ملک سے جلاوطن کیا گیا۔ ادھر یہ حالت ۱۸۵۸ء تک رہی۔ جبکہ ہندوستان میں مکمل انگریزی راج قائم ہوگیا اور ملکہ وکٹوریا نے اپنا مشہور اعلان کیا۔ جو آزادیٔ ہند کا پہلا اعلان تھا۔ اس قسم کے پُرفتن زمانہ میں آپ کی پرورش ہوئی۔ اور یہ اس لئے کہ خدا تعالیٰ چاہتا تھا کہ آپ کی تمکین سے قبل یہ متزلزل زمین، ایک سکون کی حالت میں آجائے۔

آپؑ کی تعلیم

اس وقت سکھوں کے عہد حکومت میں تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔ بڑے بڑے لوگ بھی عام طور پر اَن پڑھ اور جاہل ہوتے تھے۔ مگر آپ کا خاندان چونکہ پہلے دن سے ہی علم دوست تھا۔ اور ان کو علمی کتابیں جمع کرنے اور ذاتی لائبریری بنانے کا ایک شوق تھا۔ اور خود میرزا غلام مرتضیٰ صاحب فارسی زبان کے بڑے عالم تھے شاعر تھے طبیب تھے۔ اس لئے یہ کیسے ہوسکتا تھا کہ وہ آپ کی تعلیم کا انتظام نہ کرتے۔ اس لئے باوجود اس کے کہ ملک میں جہالت کا عام دَور دورہ تھا۔ مگر آپ کے گھر میں قدیم خاندانی روایات کے مطابق علم کا چرچا تھا۔ چنانچہ ۶۔۷ سال کی عمر میں آپکی تعلیم کا آغاز ایک اُستاد فضل الٰہی صاحب کے ذریعہ ہُوا۔ جنہوں نے قرآن شریف

اور فارسی کی چند کتابیں پڑھائیں۔ گویا آپ کی تعلیم کا آغاز ۱۸۴۰ء یا ۱۸۴۱ء میں ہوا اور یہ پہلا دور ۱۸۴۳ء پر آکر ختم ہوگیا۔

دوسرا دور عربی تعلیم کے آغاز سے ۱۸۴۴ء میں ہوا۔ یہ عربی دان بزرگ مولوی فضل احمد صاحب نامی تھے۔ انہوں صرف اور نحو کی کچھ کتابیں پڑھائیں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ مسلسل یہ تعلیم جاری رہی یا وقفہ پڑ گیا تھا۔ مگر سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں آپ کی تعلیم کا تیسرا دور شروع ہوا۔ اور اس وقت ایک اُستاد مولوی گل علی شاہ صاحب کو باقاعدہ ملازم رکھ کر قادیان میں تعلیم کے لئے مقرر کیا گیا۔ انہوں نے آپ کو نحو۔ منطق۔ حکمت اور دیگر مروجہ علوم کی کتابیں پڑھائیں۔

ان کے سوا کچھ کتابیں طب کی حضرت میرزا غلام مرتضےٰ صاحب سے پڑھیں یہ دور ۱۸۵۱ء یا ۱۸۵۲ء میں شروع ہوا۔ (حیات النبی حصہ اول صفحہ ۱۵-۲-د- کتاب البریہ)

اس طرح عہدِ بلوغت تک آپ کی سن وار تقسیم عمل یوں ہوئی :-

پیدائش	۱۸۳۵ء
دورِ رضاعت	۱۸۳۶ء
دورِ طفولیت	آخر ۱۸۳۹ء
(تعلیم) دورِ اول	۱۸۴۰ تا ۱۸۴۳ء - جس میں قرآن کریم اور فارسی پڑھائی گئی۔
" دورِ ثانی	۱۸۴۴ء سے جس میں تعلیم عربی اور صرف نحو ہوئی۔
" دورِ ثالث	۱۸۵۱ء سے جسمیں علوم مروجہ فلسفہ۔ منطق۔ طب وغیرہ کی تحصیل فرمائی۔

بچپن کے مشاغل

اس زمانہ میں جن کھیلوں کا عام رواج تھا۔ وہ کُشتی۔ کبڈی۔ مُگدر۔ موگری

کے کھیل تھے۔ اور اس کے ساتھ ساتھ بٹیر بازی اور مُرغ بازی کی بھی کثرت تھی۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ان کھیلوں سے کوئی مناسبت نہ تھی بلکہ تنفر تھا۔ اور اس زمانہ کے کسی شخص نے یہ شہادت نہیں دی۔ کہ کسی نے ان کو ان کھیلوں میں شریک ہوتے دیکھا ہے۔[1]

اس زمانہ میں اگرچہ کوئی چیز مرغوب تھی تو وہ مسجد اور قرآن شریف ہی تھا۔ اور ورزش کے لئے آپ کا یہ طریق تھا کہ آپ مسجد میں ہی ٹہلتے رہتے تھے آپ کو ٹہلنے کا اس قدر شوق تھا۔ اور اس قدر محو ہو کر ٹہلتے تھے کہ جس زمین پر آپ ٹہلتے تھے وہ دب دب کر باقی زمین سے متمیز ہو جاتی تھی۔[2]

پس

بچپن میں آپ کبھی بھی مروجہ کھیل میں شریک نہیں ہوئے۔ اور نہ کسی نے اس عمر میں کسی قسم کی لغو اور فضول وقت ضائع کرنے والی مجلس میں آپ کو شریک دیکھا۔

اگر

ورزش تھی تو صرف ٹہلنے کی۔ یا بعض دوسری تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو سیر کا شوق تھا۔ اور آپ سیر کرتے ہوئے کئی کئی میل نکل جایا کرتے تھے۔

سب سے بڑا شغف

اس عنفوان شباب میں اگر آپ کو کسی چیز کا بڑا شوق تھا، تو وہ مطالعہ کا تھا۔ آپ خود فرماتے ہیں کہ :-

"ان دنوں میں مجھے کتابوں کے دیکھنے کی طرف اس قدر توجہ

---

[1] و [2] و [3] حیات النبی جلد اول ص۵۲

تھی۔ کہ گویا میں اس دنیا میں نہ تھا۔

میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے۔ کہ صحت میں فرق نہ آوے " (کتاب البریہ) حیات النبی حصہ اول ص۵۲)

حضور کے اس بیان سے صاف واضح ہو گیا۔ کہ آپ کی تمام تر توجہ سولہ سترہ سال کی عمر میں کتابوں کے مطالعہ کی طرف لگی ہوئی تھی۔ اور آپ اس قدر مطالعہ کرتے تھے کہ آپ کو دنیا و مافیہا کی کوئی خبر نہ رہتی تھی۔

آپ کی اس تحریر کے بعد کسی مزید شہادت کی اس سلسلہ میں ضرورت نہیں رہتی مگر میں ایک شہادت تائید مزید کے لئے پیش کرتا ہوں۔

یہ شہادت ایک زمیندار جاٹ کی ہے جس کا نام جھنڈا سنگھ تھا۔ قادیان کے قریب موضع کاہلواں کا رہنے والا تھا۔ اس کی یہ روایت سیرۃ المہدی حصہ اول ص۲۶ روایت ۵۱ میں درج ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ میں ایک دفعہ بڑے مرزا صاحب کے کہنے پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس گیا تو دیکھا کہ

"چاروں طرف کتابوں کا ڈھیر لگا کر اس کے اندر بیٹھے ہوئے کچھ مطالعہ کر رہے تھے"

اس شہادت سے کتابوں کی کثرت اور مطالعہ میں آپ کے استغراق کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔

آپ کیا پڑھا کرتے تھے؟

یہ تو کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آپ کے مطالعہ میں کس قسم کی کتابیں تھیں مگر حضور نے ایک دفعہ اپنے اس زمانہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ :-

"میں سولہ سترہ برس کی عمر سے عیسائیوں کی کتابیں پڑھتا رہوں اور ان کے اعتراضوں پر غور کرتا ہوں۔ میں نے اپنی جگہ ان اعتراضوں کو جمع کیا ہے جو عیسائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے ہیں۔ انکی تعداد تین ہزار کے قریب پہنچتی ہے"

(الحکم جلد ۵ نمبر ۱۶)

حضور کے اس ارشاد میں آپ کی زندگی کے متعلق بہت کچھ ارباب بصیرت کے لئے مواد جمع ہے۔ زندگی کے ان ایام میں جو عام طور پر ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں انسان عقل سے بہت کم کام لیتا ہے۔ اور وہ کھیل کود کے ایام ہوتے ہیں آپ ان فطری دلپسندیوں کو چھوڑ کر بالکل ایک جدید میدان میں گامزن ہوتے ہیں۔ اور وہ میدان **مذہب کا میدان** ہے۔ مذہب میں بھی آپ ایک عجیب حصہ لیتے ہیں۔ اور وہ حصہ یہ کہ عیسائیت کی کتب کا مطالعہ کیا جائے۔ تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ عیسائیت کن راستوں سے اسلام پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ انگریزی حکومت نئی نئی اس ملک میں داخل ہوئی تھی۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ۔ لوگوں کے قلب پر عیسائیت کا ایک رُعب تھا۔ عیسائی مناد برملا مسلمانوں کو چیلنج کرتے تھے۔ اور مسلمانوں کو ان کا جواب دینے کی ہمت نہ پڑتی تھی۔ اس وقت ایک کم عمر نوجوان کا یہ عزم صمیم کہ وہ عیسائی مذہب کے تمام لٹریچر کو پڑھ کر ان اعتراضات کو جمع کرے گا جو وہ بانئ اسلام پر کرتے ہیں۔ اور تین ہزار اعتراضوں کے مجموعے کو جمع کر لینا، اس امر کا آئینہ دار ہے کہ آپ کے نوجوان قلب میں اس ابتدائی عمر کے حصے میں کس قدر درد موجزن تھا۔ اور یہ کہ آپ کے قلب میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کیلئے کس قدر عشق تھا۔ سارے ہندوستان سارے عرب ساری اسلامی دنیا میں ڈھونڈ

اس زمانے میں، اس ساری صدی میں کوئی ایک آدمی بھی ایسا نظر نہیں آئے گا۔ جس کے قلب میں رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ عشق و محبت موجزن ہو۔ کہ وہ عیسائی مصنفوں کی کتابوں کو اس طرح جمع کرتا پھرے "تا اُن اعتراضات کو جمع کر سکے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف کئے گئے ہیں۔

میں پورے زور اور پورے وثوق سے کہتا ہوں کہ ساری اسلامی دنیا میں ایک بھی شخص اسلام کے لئے اس قسم کا درد رکھنے والا نہ ملے گا آپ کا یہ فعل آپکی اسلام اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے محبت کی ایک کھلی کھلی دلیل ہے۔ اور آپکی باقی کی زندگی اور آپ کے کام اس امر کا بیّن ثبوت ہیں کہ آپ نے یہ تہیہ کر لیا تھا، کہ وہ اسلام اور آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے پاک منوّر چہرے سے ان بدنما دھبوں کو دُور کر کے ہی رہیں گے۔

چنانچہ

جھنڈا سنگھ کی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ میں جب بڑے میرزا صاحب کے کہنے پر اُن کے پاس گیا۔ کہ تا اُن کی خدمت میں عرض کروں کہ بڑے میرزا صاحب کہتے ہیں کہ ایک انگریز میرا دوست آیا ہے اگر وہ نوکری کرنا چاہتے ہوں تو میں ان کو نوکر کرا دوں۔ تو آپ تشریف لائے اور اپنے والد صاحب سے فرمایا۔ کہ

"میں تو نوکر ہو گیا ہُوں"

اس پر بڑے میرزا صاحب نے کہا کہ اگر نوکر ہو گئے ہو تو خیر ہے۔ وہ نوکری کیا تھی؟ یہی کہ وہ اسلام کی حفاظت کے لئے ایک سینہ سپر محافظ ہوں گے۔ اُنکو معلوم تھا کہ اُن کے والد صاحب اپنی کھوئی ہوئی جائیداد کو حاصل کرنے کی فکر میں دن رات مشغول رہتے ہیں۔ ان کو معلوم تھا کہ ان کے والد صاحب کی سب سے بڑی خواہش تھی کہ وہ اپنے بیٹے کو دنیاوی طور پر کسی بڑے منصب پر فائز دیکھیں۔

مگر

اُن کو ان چیزوں سے کوئی مناسبت اور کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ اس لیئے اُنکی توجہ کبھی ایک لحظہ کے لئے بھی اس طرف نہیں ہوئی۔ ساری دنیا میں صرف اور صرف یہی ایک قلب تھا۔ جو اسلام کی مصیبت دیکھ کر مرغ مذبوح کی طرح سے تڑپتا تھا۔ اور یہی ایک آنکھ تھی جو دینِ اسلام کی بیکسی پر اشکبار تھی چنانچہ آپ نے اسلام کی حالت پر جو نوحے لکھے وہ اس پر شاہد عیاں ہیں مثلاً آپ فرماتے ہیں :۔

بیکسے شد دینِ احمد ہیچ خویش و یار نیست	ہر کسے در کارِ خود با دینِ احمد کار نیست
ہر طرف سیلِ ضلالت صد ہزاراں تن ربود	حیف بر چشمیکہ اکنوں نیز ہم ہشیار نیست
اے خداوندانِ نعمت ایں چنیں غفلت چراست	بیخود از خوابید یا خود بختِ دیں بیدار نیست
اے مسلماناں خدارا یک نظر بر حالِ دیں	آنچہ می بینم بلا ہا حاجتِ اظہار نیست
آتش افتاد است در رختش اے یلاں	دیدنش از دور کارِ مردمِ دیندار نیست
ہر زماں از بہرِ دیں در خونِ دل من می تپد	محرمِ ایں دردِ ما جز عالمِ اسرار نیست
آنچہ بر ما می رود از غم کہ داند جز خدا	زہر می نوشیم لیکن زہرۂ گفتار نیست
ہر کسے غمخواریٔ اہل و اقارب مے کند	اے دریغ ایں بیکسے را ہیچ کس غمخوار نیست

خونِ دیں بینم رواں چوں کُشتگانِ کربلا
اے عجب ایں مردمانِ را بر آں دلدار نیست

اس قسم کی صدہا عبارتیں اور صدہا اشعار آپ کے سینہ و دل سے صفحۂ قرطاس پر آگئے۔ جس سے اسلام کی حالت پر آپ نوحہ زن نظر آتے ہیں۔ یہ حدیث بڑی لذیذ اور لطیف ہے۔ اگر میں اسی میں محو رہا تو اُس مضمون کو جسے اس باب میں پورا کرنا چاہتا ہوں پورا نہ کرسکوں گا۔ اس لئے میں پھر پہلے موضوع کیطرف رجوع کرتا ہوں

آپ کی شادی اور اولاد

آپ کی شادی آپ کے والد صاحب نے آپ کی پندرہ سالہ عمر میں ہی کر دی تھی - گویا ۱۸۴۹ء میں آپ کی پہلی شادی ہو گئی - اور ۱۸۵۰ء میں آپ کو خدا نے پہلا بیٹا دیا - جس کا نام (میرزا) سلطان احمد (صاحب) رکھا گیا - پھر دوسرا بیٹا میرزا فضل احمد نام پیدا ہوا - جن کا ذکر اپنی جگہ آ جائے گا -

دُنیاوی کاروبار

جیسے کہ میں اُوپر بتا چکا ہوں کہ آپ کو دنیاوی کاروبار سے کوئی نسبت نہ تھی - مگر آپ کے والد صاحب کی خواہش تھی کہ وہ اُن کو کسی نہ کسی کام میں لگا دیں - اصل بات یہ ہے - کہ اُن کی آنکھ اس چیز کو نہ دیکھتی تھی - جو خدا کے علم میں پوشیدہ تھی - وہ ایک دنیادار انسان کی طرح صرف یہی چاہتے تھے کہ اُن کا بیٹا کسی کام میں لگا ہوا ہو - اور کسی دوسرے کے ہاتھ کا محتاج نہ ہو - اس لئے وہ مجبور کرتے رہتے تھے - اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام جو قرآن شریف کے ایسے عامل تھے کہ اس کے کسی حکم اور کسی ارشاد کے خلاف نہیں کر سکتے وہ والد صاحب کے احکام کی خلاف ورزی کب کر سکتے تھے - اس لئے قہر درویش بر جانِ درویش اُن کو اُن کے حکم کی اطاعت کرنی پڑی - اور محض اُن کے ارشاد کی تعمیل میں بعض دنیاوی امور میں لگ گئے - اس خدمت کے متعلق حضور کا اپنا بیان حسب ذیل ہے :-

"میرے والد صاحب اپنے آباء و اجداد کے بعض دیہات کو دوبارہ لینے کے لئے انگریزی عدالتوں میں مقدمات کر رہے تھے - انہوں نے انہی مقدمات

میں مجھے لگا دیا۔ اور ایک زمانہ دراز تک میں ان کاموں میں مشغول رہا۔ مجھے افسوس ہے کہ بہت سا وقت عزیز میرا ان بیہودہ جھگڑوں میں ضائع ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ ہی والد صاحب موصوف نے زمینداری امور کی نگرانی میں مجھے لگا دیا۔ میں اس طبیعت اور فطرت کا آدمی نہیں تھا۔ اس لئے اکثر والد صاحب کی ملامت کا نشانہ رہتا تھا۔ اُن کی ہمدردی اور مہربانی میرے پر نہایت درجہ کی تھی۔ مگر وُہ چاہتے تھے کہ دنیا داروں کی طرح مجھے رُو بخلق بنا دیں اور میری طبیعت اس طریق سے سخت بیزار تھی۔ ایک مرتبہ صاحب کمشنر نے قادیان آنا چاہا۔ میرے والد صاحب نے بار بار مجھ کو کہا کہ اُن کی پیشوائی کے لئے دو تین کوس جانا چاہیئے۔ مگر میری طبیعت نے نہایت کراہت کی۔ اور میں بیمار بھی تھا اس لئے جا نہ سکا۔ یہ امر بھی اُن کی ناراضگی کا موجب ہُوا۔ وہ چاہتے تھے کہ میں دنیوی امور میں ہر دم غرق رہوں جو مجھ سے نہیں ہو سکتا تھا۔ مگر تاہم میں خیال کرتا ہوں کہ میں نے نیک نیتی سے نہ دنیا کے لئے بلکہ محض ثواب اطاعت حاصل کرنے کے لئے اپنے والد صاحب کی خدمت میں اپنے تئیں محو کر دیا۔ اور ان کے لئے دعا میں بھی مشغول رہتا تھا اور وُہ مجھے دلی یقین سے برًّا بالوالدین جانتے۔ اور بسا اوقات کہا کرتے تھے کہ

"میں صرف ترحم کے طور پر اپنے اس بیٹے کو دنیا کے امور کی طرف توجہ دلاتا ہوں۔ ورنہ میں جانتا ہوں کہ جس طرف اس کی توجہ ہے یعنی دین کی طرف یہ صحیح اور سچ بات یہی ہے ہم تو اپنی عمر ضائع کر رہے ہیں۔"

(حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۳ و ۵۴۔ کتاب البریہ)

اس بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو دنیا کے کاموں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ اور آپ کی فطرت اور قلب کو کوئی مناسبت نہ تھی۔ مگر محض اطاعتِ والد کے لئے اس ناپسندیدہ اور نامرغوب کام کو جبراً اپنے اوپر فرض کر لیا۔ یہ اطاعت والدین کی ایسی مثال ہے جو اُسوہ حسنہ کے طور پر پیش ہوتی رہے گی۔ اپنی پسند کے کام کو تو ہر شخص کر لیتا ہے۔ مگر ایک ایسا کام جس سے کوئی مناسبت نہ ہو۔ اور قلب کو اس طرف قطعاً کوئی لگاؤ نہ ہو۔ وہ محض اپنے والد کو خوش کرنے کے لئے اس طرح سے کرنا گویا کہ وہ اس میں محو ہو گئے یہ بات آج کل کے زمانہ میں تو نظر نہیں آتی۔ اور پھر یہ کوئی چند دنوں کی بات نہ تھی۔ بلکہ کئی سال تک اس جبری فرض کو ادا فرماتے رہے۔

اس فرض کی ادائیگی کے لئے آپ کو کئی دفعہ ڈلہوزی اور لاہور تک جانا پڑا اور ڈلہوزی تک تو متواتر پیدل جاتے رہے۔ (حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۲) اور یہ خدمت تقریباً آپ کے ذمہ دس سال تک رہی۔

میں نے یہ اندازہ اس طرح قائم کیا ہے کہ مولوی گل علی شاہ صاحب سے تعلیم حاصل کرنے کا زمانہ سترہ اٹھارہ سال کی عمر کا ہے۔ اور یہی وقت ہے جبکہ آپ عیسائی کتابوں کے مطالعہ میں منہمک تھے۔ اور یہ سن پیدائش سے حساب کرنے پر ۱۸۵۱ء اور ۱۸۵۲ء بنتا ہے۔ گذشتہ دو تعلیمی دوروں کے لحاظ سے اگر اس تعلیمی دور کو کم بھی کر دیا جائے تو ۱۸۵۴ء میں اندازاً یہ کام آپ کے سپرد ہوا ہوگا۔ اس کام کے بعد پھر جو اہم کام تاریخ میں ہم کو نظر آتا ہے وہ قیام سیالکوٹ کا ہے۔ جو ۱۸۶۴ء کا زمانہ ہے۔ تو گویا ایک طرف تعلیم کا انتہائی سال اور دوسری طرف ملازمت کا پہلا سال رکھنے سے درمیانی وقفہ دس سال کا نکلتا ہے۔ جو ۱۸۵۴ء سے لے کر ۱۸۶۳ء تک کا زمانہ ہے۔

مگر

اس دس سالہ زمانہ کے متعلق یہ نہیں کہا جاسکتا۔ کہ آپ محض دنیاوی کاروبار میں منہمک تھے۔ بلکہ آپ کا سب سے بڑا اور دل پسند مشغلہ عبادتِ الٰہی تدبّر فی القرآن اور دعا تھا۔

کاروباری زندگی کے سالوں پر مجموعی نظر

آپ کو مقدمات سے سخت نفرت تھی۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک دفعہ آپ، ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے لاہور تشریف لے گئے۔ سید محمد علی شاہ صاحب مرحوم جوان ایام میں محکمہ جنگلات میں ملازم تھے۔ اور لاہور میں لگے ہوئے تھے۔ آپ اُن کے مکان پر فروکش تھے۔ سید صاحب کا ملازم آپ کے لئے کھانا چیف کورٹ میں لے جایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ کھانا لے کر گیا اور واپس آگیا۔ شاہ صاحب نے پوچھا کہ کیا مرزا صاحب نے کھانا نہیں کھایا؟ تو اُس نے کہا کہ انہوں نے فرمایا گھر پر ہی آکر کھاتا ہوں۔ چنانچہ تھوڑی دیر کے بعد آپ خوش اور بشاش تشریف لے آئے۔ شاہ صاحب نے پوچھا اس قدر خوش کیوں ہیں، کیا فیصلہ ہوا؟ تو فرمایا۔ مقدمہ تو خارج ہو گیا ہے۔ مگر خدا تعالےٰ کا شکر ہے کہ آئندہ اس کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ (حیات النبی حصہ اول صہ ۵)

اس ایک واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے قلب کی کیا حالت تھی ایسے موقعوں پر لوگ خودکشیاں کر لیتے ہیں۔ مگر آپ خدا تعالےٰ کا شکر بجا لاتے تھے کہ مقدمہ خارج ہو گیا اور یہ سلسلہ ختم ہو گیا۔

نماز کی شدید پابندی

عدالتوں میں جن لوگوں کو جانے کا اتفاق ہوتا ہے وہ جانتے ہیں کہ فریقین مقدمہ کی

آنکھ اور کان اور ساری توجہ اس آواز کی طرف لگی رہتی ہے جو عدالت کے کمرے سے پڑنے والی ہوتی ہے۔ اور اس خوف سے کہ کہیں آواز نہ پڑ جائے۔ اہلِ مقدمہ بعض اوقات پیشاب پاخانہ وغیرہ حاجتوں کو بھی روک کر بیٹھے رہتے ہیں۔ ایسی صورت میں نماز کی طرف بہت کم توجہ ہو سکتی ہے۔ مگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ معمول تھا۔ کہ جب نماز کا وقت آتا آپ پورے اطمینانِ قلب سے نماز میں مصروف ہو جاتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا:۔

"میں بٹالہ ایک مقدمہ کی پیروی کے لئے گیا۔ نماز کا وقت ہو گیا اور میں نماز پڑھنے لگا۔ چپڑاسی نے آواز دی۔ مگر میں نماز میں تھا۔ فریق ثانی پیش ہو گیا اور اُس نے یکطرفہ کارروائی سے فائدہ اُٹھانا چاہا۔ اور بہت زور اس بات پر دیا۔ مگر عدالت نے پروانہ کی۔ اور مقدمہ اس کے خلاف کر دیا۔ اور مجھے ڈگری دیدی۔ میں جب نماز سے فارغ ہو کر گیا تو مجھے خیال تھا کہ شاید حاکم نے قانونی طور پر میری غیر حاضری کو دیکھا ہو۔ مگر جب میں حاضر ہوا اور میں نے کہا کہ میں نماز پڑھ رہا تھا۔ تو اُس نے کہا کہ میں تو آپ کو ڈگری دے چکا" (حیات النبی جلد اول صفحہ ۵۶)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو جب اللہ تعالیٰ کا فریضہ اپنی طرف بُلاتا تھا۔ تو آپ اُس وقت دنیا کے کسی نقصان کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے۔

پہاڑوں اور سبزہ زاروں کو دیکھ کر

ان مقدمات کے سلسلہ میں آپ جب کبھی ڈلہوزی جاتے۔ تو آپ پہاڑوں کو دیکھ کیا اثر لیتے تھے۔ آپ خود فرماتے ہیں:۔

"جب کبھی ڈلہوزی جانے کا مجھے اتفاق ہوتا۔ تو پہاڑوں کے سبزہ زار

حصّوں اور بہتے ہوئے پانیوں کو دیکھ کر طبیعت میں بے اختیار اللہ تعالیٰ کی حمد کا جوش پیدا ہوتا اور عبادت میں ایک مزا آتا۔ میں دیکھتا تھا۔ کہ تنہائی کے لئے وہاں اچھا موقع ہے۔"

دنیا کے شیدائیو! پہاڑوں پر جانے والے امیرو!! ذرا اپنے سینہ پر ہاتھ رکھ کر دیکھو۔ جوانی کے دن ہوں۔ سبزہ ہو، آبشاریں ہوں، بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیاں ہوں اور کوئی دیکھنے والا نہ ہو۔ تو بتلاؤ کیا ایسے وقت میں تمہارا دل عبادت میں محو ہو جانے کو چاہتا ہے یا قدرت کی خوبصورتیوں کی بہار لُوٹنے کو دل چاہتا ہے۔ پس وہ انسان جس کا میں تذکرہ کر رہا ہوں، اس کوچے کا انسان ہی نہ تھا، اس کی دنیا تو ایک الگ دنیا تھی۔ وُہ خود کہتا ہے ؎

کس قدر ظاہر ہے نور اس مبدء الانوار کا
بن رہا ہے سارا عالم آئینہ ابصار کا

ہے عجب جلوہ تری قدرت کا پیارے ہر طرف
جس طرف دیکھیں وہی راہ ہے ترے دیدار کا

خوبرُویوں میں ملاحت ہے ترے اس حُسن کی
ہر گل و گلشن میں ہے رنگ اس تری گلزار کا

چشمِ مستِ ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

(دُرِّ ثمین)

دنیا کی کوئی خوبصورتی اور کوئی لطافت ان کو اپنی طرف نہیں کھینچ سکتی تھی۔ وُہ ہر چیز کو الٰہی حُسن کا آئینہ خیال کرتے تھے اور جب کسی حسن کو دیکھتے تو وہ اپنے خدا، اپنے محبوب دلربا کی محبت میں مست ہو جاتے تھے۔

دُعا پر ایمان

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ اسلام پر ایک موت وارد تھی، جہالت کا دَور دورہ تھا۔ امراء کے گھروں میں بے دینی تھی۔ خود آپ کے گھر میں والد صاحب کا انہماک

دنیاوی وجاہت کے واپس لانے کے متعلق تھا۔ بڑے بھائی صاحب بھی انگریزی ملازمتوں میں لگے ہوئے تھے۔ چچازاد بھائیوں کی حالتِ بے دینی انتہار کو پہنچی ہوئی تھی۔ شکاری کتوں اور دنیا کی دلچسپیوں کے سوا ان کے ہاں کوئی اور مشغلہ نہ تھا۔ اس تیرہ و تار فضا میں آپ نے پرورش پائی تھی۔ مگر آپ کو کسی بھی دنیاوی جاذبیت نے اپنی طرف نہ کھینچا۔ ایک خدا ہی تھا جو آپ کے دل میں اور آپ کے جسم پر مسلط و حاوی تھا۔ آپ کی یہ پاکیزہ زندگی خود اس بات کی شہادت ہے کہ اس زمانے کی ہدایت کے لئے آپ سے بہتر کوئی انسان نہیں ہو سکتا تھا۔ باوجود اس کے کہ آپ کو اللہ تعالےٰ کی طرف سے ہٹا کر دوسری طرف لگانے کے لئے جتن کئے جاتے تھے۔ مگر جب بھی آپ کوئی دوسرا کام کرتے تو وہ بھی اللہ تعالےٰ کے لئے۔ اس زمانے میں **دعا** تو شاید کوئی ہی کرتا ہو گا۔ مگر آپ کا اس زمانے میں عنفوانِ شباب میں ہی دعا پر کامل یقین تھا۔ چنانچہ آپ لکھتے ہیں۔ کہ میں اپنے والد کے لئے "**دعا میں بھی مشغول رہتا تھا**"۔ پس اس وقت جبکہ کسی انسان کو بھی دعا کی طرف توجہ نہ تھی آپ کا دعاؤں میں مشغول رہنا اس امر کی دلیل ہے کہ آپ نے ایک زندہ خدا کو پا لیا تھا ؛

قرآن کریم سے محبّت

قرآن کریم سے محبت کی آپ کی بہت سے مثالیں موجود ہیں۔ آپ کی بہت سی اردو۔ عربی۔ فارسی نظمیں اس امر کی شاہد ہیں۔ چنانچہ ایک شعر میں فرماتے ہیں :-

"دل میں مرے یہی ہے تیرا صحیفہ چوموں
قرآں کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے"

سبحان اللہ! سبحان اللہ! کیا عشق ہے گویا کہ آپ کا قلب قرآن کریم کو دیکھکر رقصاں ہو جاتا تھا۔ جوش محبت میں فرماتے ہیں۔ کہ دل یہی چاہتا ہے کہ میں قرآن کریم کو ہر آن اور ہر گھڑی چوما کروں۔ اور اس کا طواف کرتا رہوں۔ اس سے بڑھکر کسی نے قرآن کریم کی محبت میں کیا کہنا ہے۔

حضرت میرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کا بیان ہے کہ

"آپ کے پاس ایک قرآن مجید تھا۔ اس کو پڑھتے اور اس پر نشان کرتے رہتے تھے"

وہ کہتے ہیں کہ میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ

"شاید دس ہزار مرتبہ اس کو پڑھا ہو"

(حیات النبی جلد اول ص۱۰۱)

یہ شہادت ابتدائی زندگی کی ہے۔ کیونکہ دعوٰی کے بعد میرزا سلطان احمد صاحب کو حضرت اقدس کے قرب کا موقعہ نہیں ملا۔

آنحضرت صلّے اللہ علیہ وسلّم سے محبت

خان بہادر میرزا سلطان احمد صاحب مرحوم کی ایک روایت سیرۃ المہدی حصہ اول ص۲۰۲ پر درج ہے۔ آپ بیان فرماتے ہیں:۔

"ہاں ایک بات میں نے خاص طور پر دیکھی ہے۔ کہ حضرت صاحب یعنی آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ذرا سی بات بھی آپ برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی شخص آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی شان میں ذرا سی بات بھی کہتا تھا تو والد صاحب کا چہرہ سُرخ ہو جاتا تھا۔ اور

آنکھیں متغیر ہو جاتی تھیں۔ اور فوراً ایسی مجلس سے اٹھکر چلے جاتے تھے۔
اور کہا کہ:۔ حضرت صاحب سے تو بس والد صاحب کو عشق تھا۔
ایسا عشق میں نے کبھی کسی شخص میں نہیں دیکھا"

(سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۲۰۰)

آپ نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت اور شان میں بہت سی نعتیں لکھی ہیں۔ جو آپ کی کتابوں میں موجود ہیں۔ مگر میں ایک شعر یہاں درج کر دیتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں ؎

بعد از خدا بعشقِ محمدؐ مخمرم
گر کفر ایں بود بخدا سخت کافرم

اس سے بڑھ کر کسی نے اور کیا تعریف کرنی ہے۔ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کی بہت سی باتیں اور بھی قابل ذکر ہیں۔ مگر اس چھوٹی سی کتاب میں ان کی گنجائش نہیں۔ اس لئے مجبوراً ان کو چھوڑتا ہوں۔

مطالعہ میں مصروفیت

خان بہادر مرزا سلطان احمد صاحب کی روایت ہے۔ کہ جو خادمہ کھانا لے کر جاتی تھی۔ وہ آکر کہتی تھی۔

"ان کو کیا ہوش ہے یا کتابیں ہیں اور یا یہ ہیں"۔

گویا اس قدر انہماک تھا۔ کہ سُدھ بُدھ کی خبر نہ رہتی تھی۔

(سیرت المہدی حصہ اول صفحہ ۲۱۶)

خود حضرت صاحب تحریر فرماتے ہیں۔ کہ ؎

"میرے والد صاحب مجھے بار بار یہی ہدایت کرتے تھے کہ کتابوں کا مطالعہ کم کرنا چاہیئے۔ کیونکہ وہ نہایت ہمدردی سے ڈرتے تھے کہ صحت میں فرق نہ آئے۔" (حیات النبی جلد اول صہ ۵۲)

حضرت سیدہ بیگم صاحبہ مرحومہ المغفورہ (نانی اماں صاحبہ) کی شہادت

حضرت ام المومنین اطال اللہ بقی عمرہا کی والدہ محترمہ نانی اماں صاحبہ حضرت کے دعوئے سے بہت قبل جبکہ حضرت میر ناصر نواب صاحب مرحوم و مغفور کاہنووان میں بسلسلہ ملازمت مقیم تھے۔ قادیان میں جناب میرزا غلام مرتضی صاحب کے پاس بغرض مشورہ طبی تشریف لائی تھیں۔ ان کی روایت ہے کہ :۔

"جس وقت میں گھر میں آئی تھی۔ میں نے حضرت صاحب کو بیٹھک کی طرف سے دیکھا تھا کہ ایک کمرہ میں الگ بیٹھے ہوئے رحل پر قرآن شریف رکھ پڑھ رہے تھے۔ میں نے گھر والیوں سے پوچھا کہ یہ کون ہے؟ تو انہوں نے کہا کہ میرزا صاحب کا چھوٹا لڑکا ہے۔ اور بالکل ولی آدمی ہے۔ قرآن ہی پڑھتا رہتا ہے۔"

ان سب اور ایسی ہی دیگر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تمام ایام جو دنیاوی کاروبار کے تھے۔ آپ نے نیکی۔ تقوی۔ طہارت۔ عبادت محبت رسول اور محبت قرآن میں صرف کئے تھے۔ یا ان حملوں کو دیکھتے بھلتے تھے جو اسلام پر دشمنوں کے کیمپ سے ہو رہے تھے۔ باوجود اس کے کہ آپ کا اکثر وقت دینی مجاہدات میں ہی گذرتا تھا۔ مگر پھر بھی انکو یہ زندگی بوجھل معلوم ہوتی تھی اس لئے آپ نے اپنے والد صاحب کی خدمت میں ایک عریضہ

لکھا۔ جس کے چند فقرات یوں ہیں :۔

"لہٰذا می خواہم کہ بقیہ عمر در گوشۂ تنہائی نشینم و دامن از صحبت مردم بچینم و بیاد او سبحانہٗ مشغول شوم۔ مگر گزشتہ را عذرے وما فات را تدارکے شود ؎

عمر بگذشت و نماند است جز گامے چند
بہ کہ در یاد کسے صبح کنم شامے چند"

آپ کی ابتدائی عمر کی شاعری

بچپن ہی سے آپ کی طبیعت کا رُخ شاعری کی طرف بھی تھا۔ اس میں سے بھی دو شعر ہم یہاں درج کرتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ؎

عشق کا روگ ہے کیا پوچھتے ہو اس کی دوا
ایسے بیمار کا مرنا ہی دوا ہوتا ہے
کچھ مزا پایا مرے دل! ابھی کچھ پاؤ گے
تم بھی کہتے تھے کہ الفت میں مزا ہوتا ہے

دراصل یہ شعر قرآن کریم کی اس آیت کے مصداق ہیں۔

اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

یہ عشق۔ اللہ تعالیٰ کا عشق تھا۔ جو آپ کی زندگی کے سارے واقعات میں کھلا کھلا نظر آتا ہے چنانچہ آپ دوسری جگہ فرماتے ہیں ؎

ہیں تیری پیاری نگاہیں دلبرا اک تیغ تیز
جس سے کٹ جاتا ہے جھگڑا سب غم اغیار کا
تیرے ملنے کیلئے ہم مل گئے ہیں خاک میں
تا مگر درماں ہو کچھ اس ہجر کے آزار کا
ایک دم بھی کل نہیں پڑتی مجھے تیرے سوا
جاں گھٹی جاتی ہے جیسے دل گھٹے بیمار کا

(درثمین)

پس پہلے ہی دن سے عشقِ الٰہی میں آپ مخمور ہو گئے۔ اور اس حالت میں جتنا زیادہ سے زیادہ لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ ہو سکتے تھے ہوتے چلے گئے۔

قیامِ سیالکوٹ

۱۸۶۴ء میں پھر اپنے والد صاحب کے منشاء کو پورا کرنے کیلئے حضور آپ سیالکوٹ میں جا کر ملازم ہو گئے۔ اور یہ سلسلہ ۱۸۶۷ء تک رہا۔ قیام سیالکوٹ میں بھی آپ کا وہی معمول تھا۔ لوگوں سے بہت کم ملتے تھے۔ اور عبادت اور تلاوت قرآن کریم اور مذہبی مناظروں میں اپنا وقت صرف فرمایا کرتے تھے۔

مولوی سید میر حسن صاحب نے آپ کے زمانہ قیام سیالکوٹ کے متعلق حضرت عرفانی کبیر کو ایک شہادت لکھ کر دی تھی۔ جو حیات النبی میں مفصل درج ہے اس کے چند فقرات یوں ہیں۔

"حضرت میرزا صاحب ۱۸۶۴ء میں بتقریب ملازمت شہر سیالکوٹ میں تشریف لائے اور قیام فرمایا۔ چونکہ آپ عزلت پسند اور پارسا اور فضولی اور لغو سے مجتنب اور محترز تھے۔ اس لئے عام لوگوں کی ملاقات جو اکثر تضیع اوقات کا باعث ہوتی ہے، آپ پسند نہیں فرماتے تھے۔" (حیات النبی صفحہ ۵۹)

مذہبی مناظرے

پھر لکھتے ہیں:۔

"میرزا صاحب کو اس زمانے میں بھی مذہبی مناظروں کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ پادری صاحبوں

سے اکثر مباحثہ رہتا تھا۔ ایک دفعہ پادری الائیشہ صاحب جو دیسی عیسائی پادری تھے اور حاجی پورہ سے جانب جنوب کی کوٹھیوں میں ایک کوٹھی میں رہا کرتے تھے، مباحثہ ہُوا۔

پادری صاحب نے کہا۔ کہ عیسوی مذہب قبول کرنے کے بغیر نجات نہیں ہو سکتی۔

میرزا صاحب نے فرمایا۔ نجات کی تعریف کیا ہے؟ اور نجات سے آپ کیا مراد رکھتے ہیں؟ مفصل بیان کیجئے۔

پادری صاحب نے کچھ مفصل تقریر نہ کی اور مباحثہ ختم کر بیٹھے۔ اور کہا کہ میں اس قسم کی منطق نہیں پڑھا۔"

پادری بٹلر صاحب ایم۔ اے سے مباحثہ

"پادری بٹلر صاحب ایم۔ اے سے جو بڑے فاضل اور محقق تھے۔ میرزا صاحب کا مباحثہ بہت دفعہ ہُوا۔ یہ صاحب موضع گوہد پور کے قریب رہتے تھے۔ ایک دفعہ صاحب فرماتے تھے۔ کہ مسیح کو بے باپ پیدا کرنے میں یہ بھید تھا کہ وہ کنواری مریم کے بطن سے پیدا ہوئے۔ اور آدم کی شرکت سے جو گنہ گار تھا بری رہے۔

میرزا صاحب نے فرمایا۔ کہ مریم بھی تو آدم کی نسل سے ہے۔ پھر آدم کی شرکت سے بریت کیسے؟ اور علاوہ ازیں عورت ہی نے تو آدم کو ترغیب دی جس سے آدم نے درخت ممنوع کا پھل کھایا اور گنہ گار ہُوا۔ پس چاہیئے تھا کہ مسیح عورت کی شرکت سے بھی بری رہتے۔ اس پر پادری صاحب خاموش ہو گئے۔"

پادری بٹلر کے دل میں آپ کی عظمت

"پادری صاحب میرزا صاحب کی بہت عزت کرتے تھے۔ اور بڑے ادب سے اُن سے گفتگو کیا کرتے تھے۔ پادری صاحب کو میرزا صاحب سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ جب پادری صاحب ولایت جانے لگے تو میرزا صاحب کی ملاقات کے لئے کچہری میں تشریف لائے۔ ڈپٹی کمشنر صاحب نے پادری صاحب سے تشریف آوری کا سبب پوچھا۔ تو پادری صاحب نے جواب دیا کہ میں میرزا صاحب سے ملاقات کرنے کو آیا تھا۔ چونکہ میں وطن جانے والا ہوں اس واسطے اُن سے آخری ملاقات کرونگا۔ چنانچہ جہاں میرزا صاحب بیٹھے تھے وہیں چلے گئے اور فرش پر بیٹھے رہے۔ اور ملاقات کر کے چلے گئے۔" (حیات النبی جلد اول ص۶۵)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ آپ قیام سیالکوٹ میں ہی مذہبی کام میں مشغول ہو گئے تھے۔ اس طرح وہ جوش جو خدمتِ اسلام کا آپکے اندر موجزن تھا اس کا آغاز ۱۸۶۴ء سے شروع ہو گیا۔ اور یہ عملی زندگی کا پہلا قدم تھا۔ اس وقت آپ کی عمر ۳۰ سال کی تھی۔ اور مولوی میر حسن صاحب کے اندازے کے مطابق ۲۴-۲۵ سال کی ؛

ترکِ مُلازمت

یہ چار سال کا عرصۂ ملازمت آپ نے نہایت کراہت کے ساتھ گزارا۔ اور بالآخر

حضرت میرزا غلام مرتضیٰ صاحب آپ کے والد نے خود ہی آپ کو ترک ملازمت کے لئے لکھ دیا۔ جس کی بناء پر آپ ملازمت سے فوراً الگ ہو گئے۔ اس طرح ۱۸۶۸ء کا سال آپ کا ترک ملازمت کا تھا۔ اس ملازمت کے متعلق آپ کا اپنا بیان حسب ذیل ہے۔

"ایسا ہی اُن کے (والد صاحب) زیر سایہ ہونے کے ایام میں چند سال تک میری عمر کراہتِ طبع کے ساتھ انگریزی ملازمت میں بسر ہوئی۔ آخر چونکہ میرا جدا رہنا والد صاحب پر بہت گراں تھا اس لئے اُن کے حکم سے جو عین میری منشاء کے موافق تھا مَیں نے استعفاء دے کر اپنے تئیں اس نوکری سے جو میری طبیعت کے مخالف تھی، سبکدوش کر دیا۔"

(کتاب البریہ) حیات النبی جلد اول ص۶۳)

اس سے اس امر کا پتہ چلتا ہے کہ آپ کو ان نوکریوں اور سرکاری عہدوں سے کوئی دُور کا بھی تعلق نہ تھا۔ مگر آپ صرف اطاعتِ والد کے لئے اس کام کو باوجود کراہتِ طبع اور نفرت کے بخوشی کرتے رہے۔

دُشمنوں کا اعتراض

ناترس اور ظالم طبع لوگ جن کے اندر قساوتِ قلبی کُوٹ کُوٹ کر بھری ہوتی ہے۔ وُہ خواہ مخواہ کے اعتراضات تراشتے رہتے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دشمنوں نے بھی اسی راستے پر قدم مارا۔ اور آپ کی زندگی کے اس حصہ کو طرح طرح کے ظالمانہ تصورات سے رنگین کر کے پیش کرنے کی سعی کی ہے۔ اور بعض لوگ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں۔ کہ جو شخص ایک سرکاری دفتر میں معمولی اہلمد ہو، گیا وُہ اس قابل ہو سکتا ہے کہ اُسے خدا تعالےٰ اتنا بڑا کام جو ماموریت اور

رسالت کا ہو سونپ دے۔

مگر

یہ لوگ تو کور باطن اور شپرہ چشم ہیں۔ ان کو حقیقت نظر نہیں آتی۔ کمزور بینائی کا انسان جب ہلال عید یا ہلال رمضان کے متعلق یہ کہتا ہے کہ مجھے تو نظر نہیں آتا۔ تو کیا فی الحقیقت وُہ آسمان سے غائب ہی ہوتا ہے؟ کیا کبھی ایسا سُنکر تندرست اور قوی آنکھوں والے ہلال کے وجود سے انکار کر سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اگر دس ہزار اندھے بھی مل کر کہیں کہ آسمان سُورج سے خالی ہے تو ایک بینا ان دس ہزار اندھوں کی بات کو اُن کے مُنہ پر مارنے کے لئے مجبور ہو گا۔ اور اُن کی کثرت سے مرعوب نہ ہو گا۔

پس

قرآن کریم نے ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا ہے۔ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ؕ ان کی قوتِ بینائی۔ ان کی قوتِ گویائی۔ ان کی قوتِ سماع سب بیکار ہو جاتی ہیں۔ اور ایسے لوگوں کو رجوع الی الحق کا کوئی موقع نہیں ملتا۔ تب ان کے فعل کے مقابلہ میں ایک آسمان سے فعل صادر ہوتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ وَ عَلٰى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ۔ ان کی قوتِ فکریہ، قوتِ سماع ختم ہو جاتی ہے۔ اور ان کی آنکھوں پر ایک جھلی چڑھ جاتی ہے۔ جھلی کا وجود اس امر کی دلیل ہے کہ اس کے نیچے پہلے بینائی موجود تھی۔ مگر یہ جھلی اس بینائی کے اُوپر چڑھ گئی۔ اسی طرح خَتَمَ اللّٰهُ کے لفظ میں یہی مفہوم پوشیدہ ہے۔ جب قلب سے کام نہ لیا اور کانوں سے کام نہ لیا۔ اور اسی طرح آنکھوں سے کام نہ لیا۔ تو یہ سب قوتیں بطور سزا کے بیکار ہو جاتی ہیں۔ اور اُن کو کوئی چیز نظر نہیں آتی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں ؎

آنکھ کے اندھوں کو حائل ہو گئے سو سو حجاب + ورنہ تھا قبلہ ترا رُخ کافر و دیندار کا

سُنّتِ ابرار

نیک اور راستباز لوگوں کی زندگیاں پڑھ کر ہم کو یہی معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ بدظنی کے کوچے سے کوسوں دُور رہتے ہیں۔ اور انکی آنکھ خوبیوں کی ہی طرف اُٹھتی ہے۔ حضرت مسیح عیسیٰ ابن مریمؑ کا مشہور واقعہ ہے۔ کہ ایک کتا جو مرا ہوا تھا۔ اُسے دیکھکر حواریوں نے بہت گھن کا اظہار کیا۔ اور اس کی متعفن لاش کو حقارت سے دیکھا۔ مگر حضرت مسیح علیہ السلام نے اس کے سفید دانتوں کی طرف توجہ دلائی کہ دیکھو کتنے سفید ہیں۔

کتا اپنی ذات میں ایک ناپاک جانور ہے۔ پھر جب وہ مرجائے اور اس کی لاش سڑ جائے تو واقعی وہ بڑا گھناؤنا معلوم ہوتا ہے۔ مگر حضرت مسیحؑ نے اسکی بُرائی اور گھناؤنے حصہ کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھا، اور اسکے سفید دانتوں کا ذکر کر دیا۔

لیکن

یہ لوگ جو اس کوچے سے ناواقف ہوتے ہیں۔ اُن کو سوائے بُرائی کے کوئی چیز نظر ہی نہیں آتی ؎

انبیاءؑ کی ملازمت کوئی عیب نہیں

انبیاءؑ کا ملازمت کرنا کوئی عیب نہیں۔ اگر یہ عیب ہو تو پھر اے ظالم طبع لوگو! تمہارے ظلم سے کوئی بھی بچ نہیں سکتا۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے اس حملے سے بچ جائیں گے۔ جو ایک بڑی لمبی مدت تک بکریاں چراتے رہے؟

اور کیا حضرت عیسیٰ علیہ السلام بچ جائیں گے جو یوسف نجار کے ساتھ بڑھئی کا کام کرتے رہے؟ کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام بچ جائیں گے جو اپنے باپ آذر کی دکان پر بُت بیچنے بیٹھا کرتے تھے؟ کیا حضرت یوسف علیہ السلام بچ جائیں گے جو فرعون کے ملازم تھے؟ اور پھر کیا سارے نبیوں کے سردار آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بچ سکیں گے۔ جو ایک عورت کا مالِ تجارت بیچنے پر مامور تھے؟

اگر

ان سب لوگوں کی زندگی پر ان کاموں کی وجہ سے جن کو تم حقیر خیال کرتے ہو کوئی دھبہ نہیں تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر کیسے دھبہ ہو سکتا ہے؟ جو اپنے باپ کا حکم ماننے پر خدا تعالےٰ کی طرف سے مجبور تھے۔ کیونکہ اسلام کا خدا اُن کو فرما رہا تھا۔

لَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا

تم اُن کے مقابلہ میں اُف بھی نہیں کر سکتے۔ اور اُن کو کسی بات پر جھڑک نہیں سکتے۔ جبکہ اطاعتِ والدین کا سبق اسلام ہی نے بڑی شد و مد سے سکھایا ہے تو پھر تمکو ایسا اعتراض کرتے ہوئے شرم نہیں آتی۔ اور تم نہیں محسوس کرتے کہ تمہارا حملہ تو دراصل اسلام پر ہے نہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر؟

کیا تمکو معلوم نہیں

کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے والدین تو فوت ہو چکے تھے۔ مگر جب آپ کی دائی حلیمہ سعدیہ آتی تھیں تو آپ کھڑے ہو جاتے تھے۔ اور اس کے لئے اپنی چادر اپنے ہاتھ سے بچھا دیا کرتے تھے۔ ذرا غور کرو۔ بادشاہوں کا بادشاہ، نبیوں کا سردار جبکہ ایک دودھ پلانے والی دائی کے لئے اس قدر ادب کرتے تھے تو والدین اگر زندہ ہوتے۔ تو ان کا کس قدر ادب کرتے۔

پس

یہ نوکری اور زمینداری کے کاروبار کا زمانہ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اپنے

والد صاحب کی اطاعت میں انہماک دکھانا آپ کی سیرت طیبہ کا ایک سنہری ورق ہے۔
رام چندر جی کی زندگی کا واقعہ مجھ پر بڑا گہرا اور شدید اثر پیدا کیا کرتا ہے کہ انہوں نے اس وقت جبکہ ان کو راج تلک لگایا جانے والا تھا، اپنے والد صاحب کے ایک وعدہ کو پورا کرنے کے لئے بارہ سال کے لئے بن باس قبول کر لیا۔ میری نگاہ میں اس واقعہ کی بڑی عزت ہے اور میں ہمیشہ ان کے اس فعل پر اپنے قلب میں خراج تحسین پیش کیا کرتا ہوں۔

جہاں

رام چندر جی کا یہ واقعہ بڑا شاندار ہے۔ وہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا یہ واقعہ کہ دس سال پہلے۔ اور چار سال ملازمت کیے اور پھر آٹھ سال جون ۱۸۷۶ء تک جبتک کہ اُن کے والد صاحب فوت نہیں ہو گئے۔ یعنی بائیس ۲۲ سال کا لمبا زمانہ ایسے کاموں میں لگے رہے۔ جن سے ان کو کوئی مناسبت نہ تھی۔ بلکہ نفرت تھی۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ وہ چاہتے تھے کہ وَبَرًّا بِالْوَالِدَیْنِ ہوں۔ اور اُن کے حکم کی اطاعت میں سرِ مُو فرق نہ آئے۔ حضور کا یہ کارنامہ جتنا دشمنوں کو معیوب نظر آتا ہے۔ مجھے تو اُسی قدر سنہرا اور عظیم الشان دکھائی دیتا ہے ؛

مُلازمت ایک ٹریننگ تھی

جہاں اس ملازمت کا ایک یہ پہلو ہے۔ وہاں ایک اور مخفی پہلو بھی ہے۔
اللہ تعالےٰ نے چونکہ آپ کو اصلاحِ خلق کے لئے مامور فرمانا تھا اس لئے ایسے کام پر لگوا دیا کہ جہاں سے آپ دنیا کے لوگوں کے امراض رُوحانی کو دیکھ سکیں۔ اس لئے آپ فرماتے ہیں :-

"چونکہ خداتعالےٰ کی یہ حکمت تھی۔ کہ ہر ایک قسم اور ہر ایک نوع کے انسانوں کا مجھے تجربہ حاصل ہو۔ اس لئے ہر ایک صحبت میں مجھے رہنا پڑا۔ اور بقول صاحب مثنوی رومی وہ تمام ایام سخت کراہت اور درد کے ساتھ میں نے بسر کئے۔" ؎

من بہر جمعیتے نالاں شدم + جفت خوشحالاں و بدحالاں شدم
ہر کسے از ظن خود شد یار من + واز درونِ من نجست اسرار من

سیالکوٹ کے زمانۂ قیام پر ایک نظر

سرسیّد احمد خان کی تفسیر

اس زمانہ میں سرسیّد احمد خان کا ہندوستان میں طوطی بول رہا تھا۔ سر سید احمد خاں صاحب نے منجملہ اور کاموں کے قرآن کریم کی تفسیر بھی لکھنی شروع کی تھی۔ مولانا سید میر حسن صاحب نے حضرت صاحب سے ذکر کیا کہ تین رکوع کی تفسیر میرے پاس آچکی ہے۔ جس میں دعا اور نزولِ وحی پر بحث آگئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔

"کل جب آپ آویں تو تفسیر لیتے آویں"

جب دوسرے دن وہاں گئے۔ تو تفسیر کے دونوں مقام آپ نے سُنے اور سن کر خوش نہ ہوئے اور تفسیر کو پسند نہ کیا۔"

سرسیّد احمد خاں صاحب کی اس وقت بڑی شخصیت تھی۔ اور ایک عام آدمی اتنی بڑی شخصیت سے بلا وجہ بھی مرعوب ہو جاتا ہے۔ مگر حضور کا قلب تو ان تمام انسانوں کی اصلاح کے لئے بنایا گیا تھا جو اس روئے زمین پر موجود تھے یا آئندہ موجود ہونگے

اس لئے آپ پر کسی شخصیت کا کیا اثر ہو سکتا تھا۔ اس لئے سر سید احمد خاں کے خیالات کا آپ پر کوئی اثر نہ ہوا۔

نیز سر سید احمد خاں صاحب یورپ کے فلسفہ سے مرعوب تھے اور یورپین معترضین کے سامنے ڈٹ کر کھڑے ہو جانے کی جگہ معذرت یا اپالوجی کا طریق اختیار کرتے تھے۔ اور وہ خود اس کوچہ سے ناواقف تھے جو صلحاء و اتقیاء کا کوچہ ہوتا ہے۔ اس کے یہ معنے نہیں کہ میں سر سید کی اُن دوسری استعدادوں کا بھی منکر ہوں جو ان میں پائی جاتی تھیں۔ مگر یہ درست ہے کہ اُن کو رُوحانیت کے کوچہ سے ذرہ بھی واقفیت نہ تھی۔ اس لئے ان کی تفسیر بے شک اچھے الفاظ کا مجموعہ ہو سکتی تھی۔ لیکن اسرارِ ربّانی سے خالی۔ چنانچہ وحی والہام اور دُعا وغیرہ امور کے وہ منکر تھے۔ اور حضرت اقدس ان امور کے ذاتی تجربہ کار تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو سر سیّد کی تفسیر پسند نہ ہوئی۔

آپؑ کی ایمانی جرأت

مولوی میر حسن صاحب اپنے زمانے کے بڑے باکمال شخص تھے۔ اور سر سیّد کی تفسیر ساتھ ساتھ جوان کو آرہی تھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سر سیّد کے مداحوں میں سے ضرور تھے۔ لیکن حضرت نے اپنا اظہار خیال کرنے میں مولوی میر حسن صاحب کو خوش کرنے کا خیال نہیں فرمایا اور ایمانی جرأت سے کام لے کر اپنی سچی رائے کا اظہار کر دیا۔ اسی اثر کا نتیجہ تھا کہ بعد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتاب برکات الدعاء عالمِ وجود میں آئی۔

اس سے قبل حضور نے ایک خط بھی سر سید احمد خاں صاحب کو عربی زبان میں لکھا تھا۔

قانونی امتحان کی تیاری

چونکہ آپ ملازمت کو پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے آپ نے زمانہ قیام سیالکوٹ میں قانونی کتب کا مطالعہ بھی شروع کیا تھا۔

مگر

چونکہ اللہ تعالےٰ آپ سے اصلاحِ خلق کا کام لینا چاہتا تھا اس لئے اس امتحان میں آپ کامیاب نہ ہو سکے:

پنجاب یونیورسٹی کی پروفیسری سے انکار

مولوی میر حسن صاحب فرماتے ہیں کہ ان دنوں پنجاب یونیورسٹی نئی نئی قائم ہوئی تھی۔ اس میں عربی اُستاد کی ضرورت تھی۔ جس کی تنخواہ ایک سو روپیہ ماہوار تھی میں نے عرض کی کہ آپ درخواست بھیجدیں۔ چونکہ آپ کی لیاقت عربی زبان دانی کی نہایت کامل ہے آپ ضرور اس عہدہ پر مقرر ہو جائیں گے۔ فرمایا:۔

"میں مدرسی کو پسند نہیں کرتا۔ کیونکہ اکثر لوگ پڑھ کر بعد ازاں بہت شرارت کے کام کرتے ہیں۔ اور علم کو ذریعہ اور آلہ ناجائز کاموں کا بنا لیتے ہیں۔ اس آیت کے وعید سے بہت ڈرتا ہوں۔ احشروا الذین ظلموا وازواجھم۔"

اگر ان کا منشاد نوکری کا ہوتا تو اس نوکری سے بہتر اور کوئی نوکری نہیں ہو سکتی تھی۔ مگر آپ نے انکار کر دیا:

لالہ بھیم سین کی کامیابی کی خبر

لالہ بھیم سین جو بعد میں ایک مشہور وکیل ہوئے۔ اُن کی کامیابی کی خبر اللہ تعالےٰ نے آپ کو قبل از وقت دیدی تھی۔ اور اُسی کے مطابق وہ کامیاب بھی ہو گئے تھے۔

راجہ تیجا سنگھ کی وفات کی خبر

سیالکوٹ کے قیام کے زمانہ میں آپ نے ایک خواب میں راجہ تیجا سنگھ کی وفات کو دیکھا۔ اور لالہ بھیم سین سے اس کا ذکر کیا۔ اُسی دن دو بجے معلوم ہو گیا کہ راجہ تیجا سنگھ بٹالہ میں فوت ہو گئے ہیں۔

(تذکرہ ص۴ ، براہین احمدیہ ص۲۵۶ حیات النبی ص۱۱)

پنڈت سہج رام کی ہلاکت

جن ایام میں حضور سیالکوٹ میں مقیم تھے۔ ان دنوں دفاتر ضلع کا سپرنٹنڈنٹ ایک ہندو پنڈت سہج رام تھا۔ یہ شخص حضرت اقدس سے ہمیشہ مذہبی بحث چھیڑ دیا کرتا تھا۔ اور اسلام سے فطرتاً کینہ رکھا کرتا تھا۔ ایک عرصہ کے بعد جب حضور ملازمت چھوڑ کر قادیان آگئے۔ تو ایک دن حضور اپنے چوبارہ میں عصر کے وقت قرآن شریف پڑھ رہے تھے۔ تو قرآن شریف کا دوسرا صفحہ اُلٹتے ہوئے آپ نے کشفی نظارہ دیکھا کہ "سہج رام سیاہ کپڑے پہنے ہوئے عاجزی کرنے والوں کی طرح دانت نکالے

میرے سامنے آکھڑا ہوا۔ جیسے کوئی کہتا ہے میرے پر رحم کرا دو۔ میں نے اُس کو کہا کہ اب رحم کا وقت نہیں۔ اور ساتھ ہی خدا تعالیٰ نے میرے دل میں ڈالا۔ کہ اِسی وقت یہ شخص فوت ہو گیا ہے۔ اور کچھ خبر نہ تھی یہ

حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ

"اس کے بعد میں نیچے اُترا۔ میرے بھائی صاحب جو تحصیلداری کا امتحان دیکر آئے ہوئے تھے اور امیدوار تھے۔ اُن کے پاس چھ سات آدمی بیٹھے انکی نوکری کے متعلق ہی باتیں کر رہے تھے۔ میں نے کہا

"کہ اگر پنڈت سہج رام فوت ہو جائے تو وہ عمدہ بھی عمدہ ہے۔ ان سب نے میری بات سُنکر قہقہہ مار کر ہنسی کی کہ کیا چنگے بھلے کو مارتے ہو"

"دوسرے یا تیسرے دن خبر آگئی کہ اُسی گھڑی سہج رام ناگہانی موت سے اس دنیا سے گذر گیا تھا" (تذکرہ صٓ۔ حقیقۃ الوحی صٓ ۲۹۶)

پنڈت سہج رام کی وفات سے جو امور واضح ہوتے ہیں اُن کو کمی جگہ کی وجہ سے چھوڑ کر اس قدر کہہ دینا ضروری ہے۔ کہ اس زمانہ میں آپ کو رویائے صادقہ اور کشوف کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

سیالکوٹ میں آپؑ کی الٰہی حفاظت

آپ نے اپنے زمانۂ قیام سیالکوٹ کے بعض واقعات اس قسم کے لکھے ہیں جن سے اس حفاظت الٰہی کا پتہ چلتا ہے جو آپ کے ساتھ شامل تھی۔ انمیں سے صرف دو واقعات کا ذکر ... فرمایا:۔

(۱)

"ایک دفعہ کا ذکر ہے جبکہ میں سیالکوٹ میں تھا۔ ایک ... بارش ہو رہی تھی

جس کمرے کے اندر میں بیٹھا ہُوا تھا۔ اس میں بجلی آئی سارا کمرہ دھوئیں کی طرح ہو گیا۔ اور گندھک کی سی بُو آتی تھی لیکن ہمیں کچھ ضرر نہ پہنچا۔ اُسی وقت وہ بجلی ایک مندر میں گری۔ جو کہ تیجا سنگھ کا مندر تھا۔ اور اس میں ہندوؤں کی رسم کے موافق طواف کے واسطے پیچ در پیچ ارد گرد دیوار بنی ہوئی تھی۔ اور اندر ایک شخص بیٹھا تھا۔ بجلی تمام چکروں میں سے ہو کر اندر جا کر اس پر گری اور وہ جل کر کوئلہ کی طرح سیاہ ہو گیا۔

دیکھو وہی بجلی آگ تھی جس نے اسکو جلا دیا۔ مگر ہم کو کچھ ضرر نہ دے سکی۔ کیونکہ خدا تعالےٰ نے ہماری حفاظت کی ؏

(۲)

" ایسا ہی سیالکوٹ کا ایک اور واقعہ ہے۔ کہ ایک دفعہ رات میں ایک مکان کی دوسری منزل میں سویا ہُوا تھا۔ اور اسی کمرہ میں میرے ساتھ پندرہ یا سولہ آدمی اور بھی تھے۔ رات کے وقت شہتیر میں ٹک ٹک کی آواز آئی۔ میں نے آدمیوں کو جگایا۔ کہ شہتیر خوفناک معلوم ہوتا ہے۔ یہاں سے نکل جانا چاہیئے۔ اُنہوں نے کہا کوئی چوہا ہو گا، خوف کی بات نہیں اور یہ کہہ کر سو گئے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر ویسی آواز آئی۔ تب میں نے اُن کو دوبارہ جگایا۔ مگر پھر بھی انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی۔ پھر تیسری بار شہتیر سے آواز آئی۔ تب میں نے اُن کو سختی سے اُٹھایا اور سب کو مکان سے باہر نکالا۔ اور جب سب نکل گئے تو خود بھی وہاں سے نکلا۔ ابھی دوسرے زینہ پر تھا۔ کہ وہ چھت نیچے گری اور دوسری چھت کو ساتھ لے کر نیچے جا پڑی۔ اور سب بچ گئے۔ یہ خدا تعالےٰ کی معجزہ نما حفاظت ہے۔ جب تک کہ ہم وہاں سے نکل نہ آئے شہتیر گرنے سے محفوظ رہا۔" (حیات النبی نمبر دوم صہ ۱۷۱)

الغرض

سیالکوٹ کی زندگی میں رویائے صادقہ۔ کشوف۔ مذہبی مباحثات اور غیر معمولی خوارق کا ظہور شروع ہو گیا تھا۔ ۱۸۶۸ء میں سیالکوٹ کے قیام کا زمانہ ختم ہو گیا۔ اور پھر آپ والد صاحب کی خدمت میں آکر بدستور زمینداری کاموں میں مصروف ہو گئے۔ چنانچہ فرماتے ہیں :-

"اور جب میں حضرت والد صاحب مرحوم کی خدمت میں پھر حاضر ہُوا تو بدستور اُنہی زمینداری کے کاموں میں مصروف ہو گیا۔ مگر اکثر حصّہ وقت کا قرآن شریف کے تدبّر اور تفسیروں اور حدیثوں کے دیکھنے میں صرف ہوتا تھا۔ اور بسا اوقات حضرت والد صاحب کو وہ کتابیں بھی سُنایا کرتا تھا"

(حیات النبی صـ۶۳۔ کتاب البریہ)

دو جوڑے کھدّر کے کپڑے اور روٹی جیسی ہو

سیالکوٹ سے آچکنے کے بعد ایک دفعہ ریاست کپورتھلہ نے چاہا۔ کہ حضرت اقدس کو اپنے محکمہ تعلیم کا افسر بنا دے۔ مگر آپ نے اپنے والد صاحب قبلہ کی خدمت میں یہ عرض کیا۔

"میں کوئی نوکری کرنی نہیں چاہتا۔ دو جوڑے کھدّر کے کپڑوں کے بنا دیا کرو۔ اور روٹی جیسی چاہو بھیجدیا کرو"

(حیات النبی نمبر دوم صـ۱۸۵)

اب خدا کے لئے آپ کی ملازمت پر اعتراض کرنے والے غور کریں کہ اگر آپ ملازمت دنیاداری کی غرض سے کر رہے تھے تو کیا آپ جیسی مسلّمہ علمی قابلیت کا انسان

الملمد متفرقات بن کر بیٹھا رہتا۔ اور جب اُسے پنجاب یونیورسٹی کی پروفیسری کے لئے کہا جائے تو اس کی طرف رُخ بھی نہ کرے۔ اور اسی طرح جب ایک ریاست کا اُسے افسر تعلیم بنایا جائے تو صاف انکار کر دے۔ اور اپنی ضروریات کو اس قدر محدود کر دے کہ کھدر کے دو جوڑے کپڑے اور روٹی کیسی بھی ہو۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ لباس محض ستر پوشی کے لئے اور غذا محض بقاء حیات کے لئے کھاتے تھے۔ ورنہ ان چیزوں کو کبھی زندگی کی زینت یا ملذات جان کر دیکھا بھی نہ تھا۔

مقدمات کی پیروی میں آپ کا دستور العمل

جب آپ اپنے والد صاحب کے حکم سے مقدمات کی پیروی کے لئے تشریف لے جاتے۔ تو آپ کا معمول تھا کہ جس صبح کو آپ نے جانا ہوتا۔ اس کی رات کو عشاء کی نماز مسجد اقصیٰ میں نمازیوں کو فرماتے۔

"مجھ کو مقدمہ کی تاریخ پر جانا ہے۔ میں والد صاحب کے حکم کی نافرمانی نہیں کر سکتا۔ دعا کرو کہ اس مقدمہ میں حق حق ہو جاوے۔ اور مجھے مخلصی ملے۔ میں نہیں کہتا کہ میرے حق میں ہو۔ اللہ تعالےٰ خوب جانتا ہے کہ حق کیا ہے۔ پس جو اس کے علم میں حق ہے۔ اس کی تائید اور فتح ہو۔"

(حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۰۶)

اس کے بعد حضور اپنے دونوں ہاتھوں کو خوب پھیلاتے اور دیر تک دعا کرتے رہتے۔

ان فقرات سے آپ کی قلبی کیفیات کا خوب اندازہ ہو سکتا ہے اور مقدمات سے جس قدر آپ کو نفرت تھی اس کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ کیا ایک دنیادار انسان کے قلب کی

یہی حالت ہوتی ہے؟ اے دنیا کے تمام وہ لوگو! جن کو انصاف سے ذرہ بھی لگاؤ ہے خدا کے لئے میرے آقا حضرت مسیح موعودؑ سے انصاف کرو!

سیالکوٹ سے واپسی کے بعد آپ کے علمی مشاغل

ہم کو حضور کے مشاغل کا تو ایک حد تک گذشتہ واقعات کی رُو سے پتہ ملتا ہے۔ آپ کے علمی کاموں کا کوئی زیادہ پتہ نہیں چل سکا۔ تاہم کچھ ایسے آثار ملتے ہیں جن سے کچھ ان علمی مشاغل پر روشنی پڑتی ہے۔ اس سلسلہ میں پہلی چیز ہمارے سامنے کتاب

"دُرِّ مکنون"

ہے جو کتاب گھر قادیان نے ۱۹۱۶ء میں شائع کی تھی۔

اس کتاب کے پبلشر نے اس کتاب کی اصل تاریخ کچھ نہیں لکھی۔ اس لئے حقیقت کے اظہار کے لئے میں یہ لکھنا ضروری خیال کرتا ہوں۔ کہ اس کتاب کے اصل مسودے کی کاپی حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی میرے والد بزرگوار کے پاس تھی۔ اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ہاتھ سے لکھے ہوئے بہت سے مسودات کے امین اور محافظ ہیں۔ خلافت ثانیہ کی ابتداء میں ایک دفعہ غالباً ۱۹۱۵ء میں وہ سخت بیمار ہو گئے۔ اور ان کو خیال ہوا کہ شاید میں اس بیماری کی شدت کی وجہ سے جانبر نہ ہو سکونگا۔ انہوں نے حضرت امیرالمومنین خلیفۃ المسیح ثانی سے خواہش ظاہر کی۔ کہ وہ از راہ کرم گستری اُن کو دیکھنے کے لئے آئیں۔ حضرت نے اُن کی درخواست منظور فرمائی۔ والد صاحب قبلہ اپنے دفتر کے ساتھ کی کوٹھڑی میں لیٹے ہوتے تھے۔ حضرت کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ اور ایک بڑا ٹرنک جو اُن کے پاؤں کی طرف ایک الماری میں رکھا ہوا تھا، مجھ سے اٹھوا کر منگوایا اور اُس میں سے یہ مسودہ نکال کر حضور کے پیش کیا اور کہا کہ معلوم نہیں

کہ میں زندہ رہوں یا گیا۔ یہ چیز ایک نایاب تحفہ ہے اس لئے میں چاہتا ہوں کہ میں آپ کے سپرد کر دوں۔ بعد میں حضور نے ازراہ کرم یہ مسودہ مالک کتاب گھر کو مرحمت فرمایا۔ معلوم نہیں کہ اصل مسودہ پھر حضرت کے پاس واپس چلا گیا، یا کیا ہوا۔

"دُرِّ مکنون" ان اشعار فارسی کا مجموعہ ہے جو حضور نے دعویٰ کے زمانہ سے قبل لکھے۔ میرا خیال ہے کہ اشعار کا زمانہ تصنیف ۱۸۶۸ء یعنی سیالکوٹ سے واپس آنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور ۱۸۹۰ء تک کا کلام ہے۔ یہ کوئی قطعی بات نہیں۔ مگر قرائن اس کی تائید کرتے ہیں۔ چار جگہ حضور نے اس کتاب میں تاریخیں دی ہیں۔

(۱) صفحہ ۳۴ پر ۱۷ اکتوبر ۱۸۷۳ء
(۲) " ۱۴۷ " ۲۱ ستمبر ۱۸۷۶ء
(۳) " ۱۳۹ " ۱۶ نومبر ۱۸۸۸ء
(۴) " ۹۰ " ۱۰ شعبان ۱۲۹۳ ہجری جو آج تک ۹۶ سال بنتے ہیں ۱۸۷۶ء ہوا۔ تو گویا ۱۸۷۳ء سے ۱۸۸۸ء تک کا ثبوت ملتا ہے۔ اس لئے قیاس یہ کہتا ہے کہ ایک دو سال ایک طرف سے اور دو چار سال ایک طرف سے اسے وسعت دی جائے تو اسی قدر عرصہ بنتا ہے۔ اس طرح اس مجموعہ میں سیالکوٹ کے بعد کے زمانہ سے لے کر آپ کی ماموریت کے دعویٰ کے بعد تک کا کلام ہے۔ آپ کا ماموریت کا اعلان مارچ ۱۸۸۲ء میں ہوا (سلسلہ احمدیہ ص ۲۹۔ اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء) گویا اس لحاظ سے دعویٰ سے نو ۹ سال بعد تک کا کلام ہے۔ اگر زیادہ نہ ہو تو ۱۸۸۶ء کی ایک نظم تو یقینی ہے۔

اس کتاب میں ۱۷۵ تک تو ایسی نظمیں۔ غزلیں۔ قطعات وغیرہ ہیں جو مختلف عنوانوں کے ماتحت ہیں اور کچھ ایسے ہیں جو بلا عنوان ہیں۔ سارے منظوم کلام کے

متعلق اس چھوٹی سی کتاب میں کچھ لکھنا تو مشکل ہے۔ البتہ اس قدر کہنا ضروری ہے۔ کہ سارے کلام پر نظر ڈالنے سے آپ کی توجہ کا ہم کو ایک علم ہو سکتا ہے۔

اللہ تعالےٰ کی تحمید اور تمجید میں ۳۵ نظمیں ہیں۔ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق ۱۷۔ عشق الٰہی کے متعلق ۹۔ صحابہؓ کے متعلق ۴۔ اس کے علاوہ ہندو مذہب کے ردّ میں ۹۔ عیسائیت کی تردید میں ۳۔ اور اس کے سوا اصلاحِ نفس۔ ذکرِ اولیاء نشانِ اولیاء۔ علاماتِ اولیاء۔ اخراجِ نبوت از یہود۔ آمدِ مجدد ہر صدی ترکِ نفس۔ ترکِ دنیا۔ دُعا۔ ایمان۔ مذمتِ کبر۔ نفسِ امّارہ۔ مرتبہ سلوک۔ مذمتِ شرک۔ مذمتِ گور پرستی وغیرہ بہت سے عنوانوں کے ماتحت کلام فرمایا ہے۔

اس زمانہ میں بڑا جوش حمدِ الٰہی اور نعت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا۔ اور عشق کا بہت جوش تھا۔ گویا کہ یہ زمانہ اللہ تعالےٰ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کا زمانہ تھا چنانچہ آپ عشق کے متعلق فرماتے ہیں ؎

تمہیں یہ بھی سناؤں اس بیاں میں | کہ عاشق کس کو کہتے ہیں جہاں میں
وہ عاشق ہے کہ جس کو حسبِ تقدیر | محبت کے کماں سے آلگا تیر
نہ شہوت ہے نہ ہے کچھ نفس کا جوش | ہُوا اُلفت کے پیمانوں سے مدہوش
لگی سینے میں اُس کے آگ غم کی | نہیں اُس کو خبر کچھ پیچ و خم کی

پھر فرمایا

الجنۃ عشقٌ و سوی العشق سقرٌ | العشق شفاءٌ و سوی العشق ضررٌ
العالم کلّہ اسیر الظلمات | والعاشق فی العالم شمس و قمر

پھر فرمایا

از تو پُر شد مرا ہمہ رگ و پے | پُر ز عشق تو ام چو خُم از مے

عشق را لازم است درد و عذاب | عاشقی و نشاط آتش و آب
در دلِ من محبتِ جاناں | گفت رازے کہ گفتنش نتواں
نے خواہم بجاست نے ہوشم | شورشِ عشق کرد مدہوشم

ایک اور عربی قطعہ میں فرماتے ہیں۔

کفانی خالقی ربی معینی | ایا رب اجعل التوحید دینی
فداوك ایها المحبوب روحی | فأدرکنی و زدنی فی یقینی
علٰی نفسی ظلمت وقلت قولًا | فأدرکنی و زدنی فی یقینی

ان تمام اشعار سے اس عشق کا پتہ چلتا ہے جو آپ میں موجزن تھا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ وہ خدا تعالےٰ سے اس قدر قریب ہوئے کہ اللہ تعالےٰ نے خود فرما دیا۔ اَنْتَ مِنِّیْ وَ اَنَا مِنْكَ۔ اور آپ نے بھی اس راز کو یوں افشا فرما دیا ہے

سر سے میرے پاؤں تک وہ یار ہے مجھ میں نہاں
اے مرے بدخواہ کرنا ہوش کر کے مجھ پہ وار

اس طرح یہ زمانہ گذرتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ جون ۱۸۷۶ء آگئی۔ جبکہ اللہ تعالےٰ کی مشیت کے ماتحت آپ کے والد جناب میرزا غلام مرتضیٰ صاحب کا انتقال ہو گیا وفات سے قبل اللہ تعالےٰ نے آپ کو الہام میں فرمایا۔

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِق

یعنی قسم ہے آسمان کی جو قضاء و قدر کا مبداء ہے اور قسم ہے اس حادثہ کی جو آج آفتاب کے غروب کے بعد نازل ہو گا۔

حضرت اقدس کو اس کی یہ تفہیم ہوئی۔ کہ والد صاحب کا آج آفتاب کے غروب کے بعد انتقال ہو جائے گا۔ اور آپ پر یہ کھولا گیا۔ کہ اللہ تعالےٰ نے بطور عزا پرسی کے یہ الہام نازل فرمایا ہے۔

آپ کی والدہ صاحبہ

میں نے آپ کی والدہ صاحبہ کا ذکر پہلے نہیں کیا۔ اور نہ اس جگہ کوئی تفصیل آسکے گی۔ آپ کی والدہ صاحبہ کا نام حضرت چراغ بی بی صاحبہ تھا۔ آپ کا خاندان موضع ایمہ ضلع ہوشیار پور میں سکونت پذیر تھا۔ آپ کی طبیعت میں جُود و سخا اور مہمان نوازی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مہمانوں کے لئے اندر سے آپ جب کھانا باہر بھیجا کرتیں تو وہ ہمیشہ مہمانوں کی ضرورت سے بڑھ جایا کرتا تھا۔ غرباء کے مُردوں کے لئے وہ ہمیشہ کفن مہیا کیا کرتی تھیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے آپ کی والدہ کو بڑی محبت تھی۔ اور جب گھر کے لوگ آپ کی گوشہ نشینی اور عزلت گزینی کی وجہ سے آپ پر زبانِ تنقید کھولتے تو وہ ہمیشہ حضرت صاحب کے لئے ایک سپر ثابت ہوتی تھیں۔ اور آپ کے آرام اور آسائش کا بہت زیادہ خیال رکھتی تھیں اور بغیر کسی کہنے کے سب ضرورتیں مہیا کر دیا کرتی تھیں۔ آپکی وفات ۱۸۶۸ء میں ہوئی۔ آپ کی وفات کے وقت حضرت اقدس قادیان میں موجود نہ تھے ؂

حضرت مسیح موعودؑ کی ہمشیرہ

آپ کی ایک ہمشیرہ بھی تھیں۔ جن کا "مراد بیگم" صاحبہ تھا۔ وہ عین عنفوان شباب میں بیوہ ہو گئی تھیں اور بڑی ہی عابدہ زاہدہ خاتون تھیں۔

حضرت مسیح موعودؑ کی رہائش

اصل مکان جس میں خاندان رہتا تھا وہ وُہ مکان ہے جو حضرت میرزا سلطان احمد صاحب والا مکان کہلاتا ہے۔ اور جس مکان میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام رہتے تھے اور جسے خدا تعالیٰ نے الدّار کا نام دیا۔ اور اب خاندانِ نبوت رہتا ہے یہ اس وقت مردانہ دیوان خانہ تھا۔ اس دیوان خانہ کی ڈیوڑھی کے ساتھ میرزا سلطان احمد صاحب والے مکان کے متصل ایک بالاخانہ تھا۔ جس میں ان ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سکونت پذیر تھے۔ اس بالاخانہ میں آج کل مائی کاکو صاحبہ جو مولوی جلال الدین صاحب شمس مبلغ انگلستان کی پھوپھی اور حضرت ام المومنین کی خادمہ ہیں سکونت پذیر ہیں۔ باقی دیوان خانہ میں بڑے میرزا صاحب اور میرزا غلام قادر صاحب قیام رکھا کرتے تھے۔

میرزا غلام محی الدین صاحب جو میرزا غلام مرتضیٰ صاحب کے بھائی تھے اُن کا مکان وُہ تھا۔ جو میرزا نظام الدین صاحب والا مکان ہے۔ اور اُن کا دیوان خانہ وہ تھا جہاں اب نظارت بیت المال کا دفتر ہے۔

باہر سے آنے والے لوگوں کو بہت کم معلوم ہے کہ حضرت کس بالاخانے پر رہا کرتے تھے۔ اس بالاخانہ میں رہائش کے ایام میں آپ کے معمولات یہ تھے۔ عبادت الٰہی اور مطالعہ۔

آپکے پاس آنیوالے لوگ

اس وقت آپ کے پاس دو تین لڑکے۔ اور ایک آپ کا عزیز غلام حسین جو

جو کانوں سے بہرہ تھا۔ آپ کے پاس رہتے تھے۔ آپ کا جب کھانا آتا تو آپ اپنے اس کھانے کو ان سب پر تقسیم کر لیتے۔ اور آپ کے حصے میں کھانے کا پانچواں حصہ آتا تھا۔ اور اگر کبھی کوئی اس وقت غیر حاضر ہوتا تو آپ اس کا حصہ رکھ لیا کرتے تھے۔

(حیات النبی جلد اول نمبر دوم صفحہ ۱۸۸)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور کے پاس جو لوگ اس وقت جمع تھے وہ وہ لوگ تھے جو عام مجمع میں بالکل بے کار خیال کئے جا رہے تھے جو بالکل بھوکے اور ننگے اور کس مپرس انسان تھے۔

آپ کی اِس سے غرض کیا تھی؟

کوئی نادان یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہ لوگ میرزا صاحب نے یونہی رونق کیلئے جمع کر رکھے تھے۔ مگر جب اس حقیقت کو جانچا جائے جو روزِ اول سے آپ میں ودیعت کئے ہوئے تھی، تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔ اور وہ چیز اصلاحِ خلق تھی۔ چنانچہ "غفارے کشمیری" کا ایک واقعہ حیات النبی نمبر دوم صفحہ ۱۹۰ میں اُس کی زبانی لکھا گیا ہے جو اس پر پوری روشنی ڈال دیتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے:۔

"میری عمر ۱۳-۱۴ سال کی تھی۔ مَیں بڑی مسجد کے صحن میں لیٹا ہوا دانے چبا رہا تھا۔ اور جس طرح بکری کھاتی ہے اس طرح پر مُنہ سے کھا رہا تھا۔ حضرت اقدس وہاں آئے اور مجھے اس حالت میں دیکھ کر آپ نے میرا پتہ نشان پوچھا۔ اور پھر اپنے ساتھ مکان پر لے گئے۔

اور دو خمیری روٹیاں لا کر مجھے دیں۔ مَیں کھا کر چلا آیا۔ اور اس طرح پر مجھے ہر روز کھانا مل جاتا۔ تو کبھی میں وہاں کھا کر اور کبھی گھر لے کر چلا آتا۔

کوئی کام اور خدمت میرے سپرد نہ تھی۔ پھر رفتہ رفتہ جب میں مانوس ہوگیا تو آپ نے مجھے اور چند اور لڑکوں کو نماز کی ہدایت کی اور آپ ہی کچھ سورتیں یاد کرائیں۔ اور ہم سب پکے نمازی بن گئے "۔

" میاں غفار اجب نمازی ہوگیا تو آپ نے اس کو اور ان بچوں کی پارٹی کو جو آپ کے پاس آتی تھی درود شریف کی طرف توجہ دلائی "۔ (ر صفحہ ۱۹)

اس واقعہ سے سارے معاملہ پر روشنی پڑجاتی ہے کہ آپ کی غرض ان بیکار اور ناکارہ لوگوں کی اصلاح، تربیت اور ان میں دینی محبت پیدا کرنی تھی۔ اور دراصل یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جو نسخہ اللہ تعالےٰ نے احیاء موتی کے لئے بتایا تھا اسی نسخہ پر عمل تھا۔ جو فَصُرْهُنَّ اِلَيْكَ میں بتلایا گیا تھا۔

الغرض

اس طرح آپ اصلاح خلق کے کاموں میں مشغول تھے۔

ایک دوسری قسم کا مجاہدہ

روزہ

قرآن کریم کی تلاوت۔ عبادت الٰہی۔ تبتل الی اللہ۔ اصلاح الناس۔ ایصال خیر۔ خلوت نشینی۔ درود شریف کی کثرت سا امور دنیا سے شدید بیزاری۔ یہ چیزیں تو آپ کی زندگی میں موجود تھیں ہی۔ اب ۱۸۷۵ء میں آپ کو ایک دوسری قسم کے مجاہدے کی طرف توجہ دلائی گئی۔ اور یہ مجاہدہ روزے کا تھا۔ آپ فرماتے ہیں :۔

"حضرت والد صاحب کے زمانہ میں ہی جبکہ اُن کا زمانہ وفات بہت نزدیک تھا۔ ایک مرتبہ ایسا اتفاق ہُوا۔ کہ ایک بزرگ معمر پاک صورت مجھ کو خواب میں دکھائی دیا۔ اور اُس نے یہ ذکر کر کے کہ کسی قدر روزے انوار سماوی کی پیشوائی کے لئے رکھنا سنت خاندانِ نبوت ہے اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ میں سنت اہلبیتِ رسالت کو بجالاؤں۔" (کتاب البریہ۔ حیات النبی جلد اول ص۷۶)

یہ روزہ آپ نے کس طرح رکھا؟

آپ فرماتے ہیں:۔

"سو میں نے کچھ مدت تک التزام صوم کو مناسب سمجھا۔ مگر ساتھ ہی یہ خیال آیا۔ کہ اس امر کو مخفی طور پر بجالانا بہتر ہے۔ پس مینے یہ طریق اختیار کیا کہ گھر سے مردانہ نشست گاہ میں اپنا کھانا منگواتا اور پھر وہ کھانا پوشیدہ طور پر بعض یتیم بچوں کو جن کو میں نے پہلے سے تجویز کر کے وقت پر حاضری کے لئے تاکید کر دی تھی دے دیتا۔ اور اس طرح تمام دن روزہ میں گزارتا۔ اور بجز خدا تعالےٰ کے ان روزوں کی کسی کو خبر نہ تھی۔ پھر دو تین ہفتہ کے بعد مجھے معلوم ہُوا کہ ایسے روزوں سے جو ایک وقت میں پیٹ بھر کر روٹی کھا لیتا ہوں مجھے کچھ بھی تکلیف نہیں ہوتی۔ بہتر ہے کسی قدر کھانے کو کم کر دوں۔ سو میں اس روز سے کھانے کو کم کرتا گیا۔ یہاں تک کہ میں تمام رات دن میں ایک روٹی پر کفایت کرتا اور اس طرح میں کھانے کو کم کرتا گیا۔ یہانتک کہ چند تولہ روٹی میں سے

آٹھ پہر کے بعد میری غذا تھی۔
غالباً آٹھ یا نو ماہ تک
میں نے ایسا ہی کیا۔ اور باوجود اس قدر قلتِ غذا کے کہ دو تین ماہ کا بچہ بھی اس قدر صبر نہیں کر سکتا۔ خدا تعالےٰ نے مجھے ہر ایک بلا و آفت سے محفوظ رکھا۔" (حیات النبی جلد اول ۷۶،۷۷ - کتاب البریہ)

اس روزے کے برکات

اس روزے کے جو برکات ہوئے وہ بھی حضور نے خود ہی بیان فرمائے ہیں۔ فرمایا:۔
" اس قسم کے روزہ کے عجائبات میں سے جو میرے تجربہ میں آئے ہیں وہ لطیف مکاشفات ہیں جو اس زمانے میں میرے پر کھلے چنانچہ بعض گذشتہ نبیوں کی ملاقاتیں ہوئیں۔ اور جو اعلیٰ طبقے کے اولیاء اس امت میں گزر چکے ہیں۔ ان سے ملاقات ہوئی۔ ایک دفعہ عین بیداری کی حالت میں جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو معہ حسنین و علی رضی اللہ عنہم و فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیکھا۔ اور یہ خواب نہ تھی۔ بلکہ ایک بیداری کی قسم تھی۔ غرض اسی طرح پر کئی مقدس لوگوں کی ملاقاتیں ہوئیں۔ جن کا ذکر کرنا موجب تطویل ہے۔

ایک عظیم الشان کشف اور علاوہ اس کے انوار روحانی تمثیلی طور پر برنگ ستون سبز و سرخ ایسے دلکش و دلستان طور پر نظر آتے تھے۔ جن کا بیان کرنا بالکل طاقت تحریر سے باہر ہے۔

وہ نورانی ستون جو سیدھے آسمان کی طرف گئے ہوئے تھے جن میں سے بعض چمکدار سفید اور بعض سبز اور بعض سرخ تھے۔ ان کو دل سے ایسا تعلق تھا کہ ان کو دیکھ کر دل کو نہایت سرور پہنچتا تھا۔ اور دنیا میں کوئی بھی ایسی لذت نہیں ہوگی۔ جیسا کہ ان کو دیکھکر دل اور رُوح کو لذت ہوتی تھی۔

میرے خیال میں ہے کہ وہ ستون خدا اور بندہ کی محبت کی ترکیب سے ایک تمثیلی صورت میں ظاہر کئے گئے تھے۔

یعنی

وہ ایک **نور** تھا جو دل سے نکلا۔ اور دوسرا وہ نور تھا جو اوپر سے نازل ہوا۔ اور دونوں کے ملنے سے ایک ستون کی صورت پیدا ہوگئی۔

یہ روحانی امور ہیں کہ دنیا ان کو نہیں پہچان سکتی۔ کیونکہ وہ دنیا کی آنکھوں سے بہت دور ہیں "‏ (کتاب البریہ - حیات النبی جلد اول ص۳۰)

یہ کشفی نظارہ جو کئی قسم کے عجائبات سے پُر تھا۔ اُس تعلق الٰہی پر کھلی شہادت تھا جو آپ کو ذات باری تعالےٰ سے پیدا ہو چکا تھا۔ گویا اس وقت آپ کی حالت اس آیت کی مصداق بن چکی تھی۔

ثُمَّ دَنٰی فَتَدَلّٰی ۝ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝

الغرض

یہ اُن آسمانی روشنیوں کی آمد کا آغاز تھا۔ اگرچہ خدا کی طرف سے بشارتیں ۱۸۶۴ء سے ہی شروع تھیں۔ بلکہ بعض قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے بہت پہلے یہ سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

(جیسے راجہ تیجا سنگھ کی وفات ۱۸۶۲ء میں ہوئی اور آپ کو اس کی اطلاع مل چکی تھی)

آپ کا ایک کشف

فرمایا :- "اس احقر نے ۱۸۶۴ء یا ۱۸۶۵ء میں یعنی اس زمانہ کے قریب کہ جبکہ یہ ضعیف اپنی عمر کے پہلے حصے میں ہنوز تحصیل علم میں مشغول تھا۔ جناب خاتم الانبیاء صلے اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا۔ اور اس وقت اس عاجز کے ہاتھ میں ایک دینی کتاب تھی کہ جو خود اس عاجز کی تصنیف معلوم ہوتی تھی۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو دیکھکر عربی زبان میں پوچھا کہ تو نے اس کتاب کا کیا نام رکھا؟

خاکسار نے عرض کیا کہ اس کتاب کا نام قطبی رکھا ہے۔ جس نام کی تعبیر اب اس اشتہاری کتاب کے تالیف ہونے پر یہ کھلی۔ کہ وہ ایسی کتاب ہے کہ جو قطب ستارہ کی طرح غیر متزلزل اور مستحکم ہے۔ جس کے کامل استحکام کو پیش کر کے دس ہزار روپیہ کا اشتہار دیا گیا ہے۔

غرض آنحضرتؐ نے وہ کتاب مجھ سے لے لی۔ اور جب وہ کتاب حضرت مقدس نبوی کے ہاتھ میں آئی۔ تو آنجناب کا ہاتھ لگتے ہی ایک نہایت خوشرنگ اور خوبصورت میوہ بن گئی۔ کہ جو امرود سے مشابہ تھا۔ مگر بقدر تربوز تھا۔ آنحضرتؐ نے جب اس میوہ کو تقسیم کرنے کے لئے قاش قاش کرنا چاہا تو اس قدر اس میں سے شہد نکلا۔ کہ آنجناب کا ہاتھ مرفق مبارک تک شہد سے بھر گیا۔ تب ایک مُردہ کہ جو دروازہ سے باہر پڑا تھا آنحضرتؐ کے معجزہ سے زندہ ہو کر اس عاجز کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ اور یہ عاجز آنحضرتؐ کے سامنے کھڑا تھا جیسے ایک مستغیث حاکم کے سامنے

کھڑا ہوتا ہے۔ اور آنحضرتؐ بڑے جاہ و جلال اور حاکمانہ شان سے ایک زبردست پہلوان کی طرح کرسی پر جلوس فرما رہے تھے۔

پھر خلاصہ کلام یہ کہ ایک قاش آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس غرض سے دی کہ تا میں اس شخص کو دوں کہ جو نئے سرے سے زندہ ہؤا۔ اور باقی تمام قاشیں میرے دامن میں ڈال دیں۔ اور وہ ایک قاش میں نے نئے زندہ کو دے دی۔ اور اُس نے وہیں کھالی۔ اور پھر جب وہ نیا زندہ اپنی قاش کھا چکا۔ تو میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ کی کرسی مبارک اپنے پہلے مکان سے بہت ہی اونچی ہو گئی۔ اور جیسے آفتاب کی کرنیں چھوٹتی ہیں ایسا ہی آنحضرتؐ کی پیشانی مبارک متواتر چمکنے لگی۔ کہ جو دین اسلام کی تازگی اور ترقی کی طرف اشارت تھی۔ تب اُسی نور کے مشاہدہ کرتے کرتے میری آنکھ کھل گئی۔"

(تذکرہ صـ۳۰۲-۴ - براہین احمدیہ حصہ سوم صفحہ ۲۴۸ و ۲۴۹ حاشیہ در حاشیہ)

اپنے آنے کی بشارت

آپ آئینہ کمالاتِ اسلام صفحہ ۵۴۸ پر عربی زبان میں تحریر فرماتے ہیں جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"میں نے ایک دفعہ اوائل ایام جوانی میں دیکھا کہ میں ایک مکان کے اندر داخل ہؤا ہوں۔ جس میں میرے خادم اور نوکر چاکر موجود ہیں۔ میں نے انہیں کہا کہ میرے فرش مکان کو درست اور پاک صاف کرو کیونکہ میرے آنے کا وقت اب آگیا ہے۔"

اس کے بعد میری آنکھ کھل گئی۔ اس وقت مجھ پر میری جان کے متعلق خطرہ و اندیشہ

کی حالت طاری تھی - اور میں سمجھتا تھا - کہ اب میں بچ نہیں سکتا۔"

(تذکرہ صکا حاشیہ)

یہ بیماری ایام جوانی کی آپ نے بیان فرمائی ہے میرا خیال ہے کہ یہ وہی بیماری ہے جس کے متعلق حضرت ام المومنین کی حسب ذیل روایت ہے :-

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم - بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے - کہ ایک دفعہ تمہارے دادا کی زندگی میں حضرت صاحب کو سل ہو گئی - اور چھ ماہ تک بیمار رہے - اور بڑی نازک حالت ہو گئی زندگی سے ناامیدی ہو گئی - چنانچہ ایک دفعہ حضرت صاحب کے چچا آپ کے پاس آکر بیٹھے اور کہنے لگے - دنیا میں یہی حال ہے سبھی نے مرنا ہے کوئی آگے گزر جاتا ہے اور کوئی پیچھے جاتا ہے - اس لئے اس پر ہراساں نہیں ہونا چاہیئے۔"

(سیرۃ المہدی جلد اول ص۴۲ روایت ۶۴)

الغرض

اس زمانے میں جبکہ آپ لوگوں کی نگاہ میں اور اپنی نگاہ میں بھی مُردوں کی صف میں داخل ہو رہے تھے خدا تعالے نے آپ کو بشارتوں پر بشارتیں دیں - اور اس وقت تسلی دی کہ آپ مر نہیں سکتے - بلکہ

آپ کے آنے کا وقت یعنی ظہور کا وقت آ رہا ہے

اس زمانہ میں آپ کو عمر کے متعلق بھی تسلی دی - اور فرمایا :-

ثَمَانِيْنَ حَوْلًا اَوْ قَرِيْبًا مِّنْ ذَالِكَ اَوْ تَزِيْدُ عَلَيْهِ سِنِيْنًا وَتَرٰى نَسْلًا بَعِيْدًا - (تذکرہ ص۵)

گویا لمبی اور بڑی نسل کے وعدے دیئے گئے - پھر ایسے الہام بھی ہوئے کہ تیرا خدا تیرے اس فعل سے راضی ہوا اور وہ تجھے بہت برکت دیگا - یہاں تک کہ

بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ (تذکرہ صفحہ ۹)

خدا کے لئے غور کرو۔ کیا یہ انسانی کاروبار ہے۔ ایک گوشہ نشین دنیا کی ساری بڑائیوں سے خالی۔ خدا اُسے ایسے وعدے دیتا ہے اور وُہ پھر اپنے وقت پر پورے ہوکر رہتے ہیں ؎

تعمیر مسجد اقصیٰ

قادیان میں اللہ تعالےٰ نے آپ کے کام کے لئے پہلے سے میدان بنانا شروع کر دیا تھا۔ سب سے بڑی چیز جس کی ضرورت تھی وہ مسجد تھی۔ اور شہر میں اس وقت کوئی قابلِ ذکر مسجد موجود نہ تھی۔ اس لئے اللہ تعالےٰ نے ۱۸۷۵ء میں مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر کا کام شروع کروا دیا۔ جس کی تعمیر جون ۱۸۷۶ء میں ختم ہوئی۔ اگرچہ یہ مسجد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اپنی پہلی تعمیر نہ تھی۔ مگر خدا تعالےٰ نے یہ آپ ہی کے لئے بنوائی تھی۔ اور آپ ہی اس کے سب سے پہلے **نمازی** تھے۔ میاں جان محمد صاحب مرحوم اس کے خادم اور پہلے امام تھے۔ حضور ساری نمازیں اسی مسجد میں جاکر ادا کیا کرتے تھے۔ اور عصر کی نماز کے بعد وہاں ٹہلتے رہتے تھے۔ لالہ ملاوامل صاحب کا بیان ہے۔ کہ میں اپنی دوکان پر سے دیکھتا رہتا تھا۔ جب وہ نماز کے بعد ٹہلنے لگتے تھے۔ میں سمجھ لیتا کہ وہ نماز سے فارغ ہو گئے ہیں۔

اس مسجد کے متعلق پھر میں آگے چل کر الگ ذکر کروں گا۔ یہاں صرف اسقدر عرض کرتا ہوں۔ کہ سلسلہ کے اغراض ومقاصد کے لئے اللہ تعالےٰ نے یہ پہلی مسجد آپ کے لئے بنوادی ؎

صحبتِ درویشاں

کچھ عرصہ آپ کو باخدا لوگوں کے پاس تشریف لے جانے کا بھی خیال پیدا ہوا۔

اس سلسلہ میں مولوی عبداللہ صاحب غزنوی اور میاں شرف الدین صاحب سُم شریف والے بزرگوں کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

آپ کی دُعا کی برکت

میرزا غلام قادر صاحب کی عمر میں آپکی دُعا سے اضافہ ہوگیا

اس زمانہ میں یعنی اپنی ماموریت سے قبل کے زمانہ میں ایک دفعہ میرزا غلام قادر صاحب سخت بیمار ہو گئے۔ اُن کے بچنے کی کوئی امید نہ رہی۔ وُہ بالکل ہڈیوں کا ڈھانچ رہ گئے۔ پاخانہ پیشاب بھی چارپائی پر نکل جاتا تھا۔ اس وقت حضرت اقدس کو بتلایا گیا۔ کہ اُن کی زندگی کے صرف پندرہ دن رہ گئے ہیں۔ خود میرزا غلام مرتضیٰ صاحب نے بھی کہہ دیا تھا۔ کہ صرف چند روز کی بات ہے۔ اس حالت میں حضرت اقدس نے اُن کے لئے دُعا کرنی شروع کی۔ اور اس دعا کے تین باعث تھے۔

آپ خود تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک یہ کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا میں حضرتِ عزت میں اس لائق ہوں کہ میری دعا قبول ہو جائے۔

دوسری یہ کہ کیا خواب اور الہام جو وعید کے رنگ میں آتے ہیں اُن کی بھی تاخیر ہو سکتی ہے یا نہیں؟

تیسری یہ کہ کیا اس درجہ کا بیمار جس کے صرف استخوان باقی ہیں دعا کے ذریعے اچھا ہو سکتا ہے یا نہیں؟

فرمایا

غرض میں نے اس بناء پر دعا کرنی شروع کی۔ پس قسم ہے مجھے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ دُعا کے ساتھ ہی تغیر شروع ہو گیا اور اس اثناء میں ایک دوسرے خواب میں مَیں نے دیکھا کہ وہ گویا اپنے دالان میں اپنے قدموں سے چل رہے ہیں۔ اور حالات یہ تھے کہ دوسرا شخص کروٹ بدلتا تھا۔ جب دعا کرتے کرتے پندرہ دن گذرے۔ تو اُن میں صحت کے ظاہری آثار پیدا ہو گئے۔ اور انہوں نے خواہش ظاہر کی۔ کہ میرا دل چاہتا ہے کہ چند قدم چلوں۔ چنانچہ وہ کسی کے سہارے سے اُٹھے اور سوٹے کے سہارے سے چلنا شروع کیا۔ اور پھر سوٹا بھی چھوڑ دیا۔ چند روز تک پورے تندرست ہو گئے۔ اور بعد اس کے پندرہ برس تک زندہ رہے۔ اور پھر فوت ہو گئے جس سے معلوم ہوا کہ خدا نے ان کی زندگی کے پندرہ دن پندرہ سال سے بدل دئے۔ یہ ہے ہمارا خدا جو اپنی پیشگوئیوں کے بدلانے پر قادر ہے۔ مگر ہمارے مخالف کہتے ہیں کہ قادر نہیں۔" (حیات النبی جلد دوم نمبر دوم صٓ۶)

یہ آپ کی دعا کا اثر تھا ؂

میرزا غلام قادر صاحب کی وفات

۱۸۸۳ء میں میرزا غلام قادر صاحب کی اچانک وفات ہو گئی۔ اس امر کا بھی آپ کو پہلے سے الہاماً علم دیا گیا تھا۔ اور پھر جس دن وہ فوت ہونے والے تھے اس دن صبح کو الہام ہُوا۔

جنازہ

اسی روز شام کو وہ فوت ہو گئے۔ (حیات النبی جلد دوم نمبر دوم صٓ۶۱)

میرزا غلام قادر صاحب کی وفات کے بعد آپ اس دیوان خانے کے بڑے کمروں میں اُٹھ کر آ گئے ؂

اخبارات میں سلسلہ مضامین

اخبار منشور محمدی بنگلور میں آپ نے اسلام کی تائید میں ایک سلسلہ مضامین شروع کر رکھا تھا۔ اس وقت تک جو مضمون یا نظم اخباری اشاعت کے لحاظ سے میری نظر سے گذری ہے وہ ۱۸۷۵ء کی ہے۔ گویا اپنے والد صاحب کی زندگی سے ہی آپ پبلک میں آ گئے تھے۔ یہ نہیں کہا جا سکتا۔ کہ اخباری دنیا کے ذریعے پبلک لائف کا آغاز کب سے ہوا۔ ویسے پبلک مناظروں کا آغاز تو زمانہ قیام سیالکوٹ سے ہی ہو گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ اخباری دنیا کے ذریعے آپ کے خیالات کی اشاعت ۱۸۷۲ء سے شروع ہوئی ہوگی۔

منشور محمدی کے سوا آپ نے سفیر ہند۔ ہندو باندھو (برادر ہند) و دیا پرکاشک۔ آفتاب پنجاب۔ وکیل وغیرہ اخبارات میں آپ کے مضامین اسلام کی تائید میں اور غیر مذاہب کے ردّ میں نکل رہے تھے۔ جنھوں نے مذہبی دنیا میں ایک ہیجان پیدا کر دیا۔

آپ کے خلاف سب سے پہلا مقدمہ

چونکہ آپ کے مضامین عیسائیت اور آریہ سماج کے خلاف نکل رہے تھے۔ اور اس سے ہندوستان کی مذہبی دنیا میں ایک حرکت پیدا ہو گئی تھی۔ اس لئے آریہ سماجی اور عیسائی مخالفین آپ کو جواب دینے کی تو جرأت نہ رکھتے تھے۔ اس لئے وہ کسی اوچھے ہتھیار سے آپ پر حملہ کرنا چاہتے تھے۔

چنانچہ ۱۸۷۷ء میں آپ نے ایک مضمون رلیارام وکیل کو اس کے اخبار میں چھپنے کے لئے بھیجا۔ یہ مضمون اسلام کی تائید میں تھا۔ اور دوسرے مذاہب کا بطلان تھا۔ مضمون بصورت پیکٹ تھا۔ اور اس کے ساتھ ایک خط تھا۔ اس خط میں بھی اسلام کی تائید اور دوسرے مذاہب کا بطلان تھا۔ اور مضمون کے چھاپنے کی بھی تاکید تھی۔ چونکہ ڈاک خانہ کا ایک قانون ایسا تھا جس کی رُو سے خط کو اس پیکٹ میں نہیں رکھنا چاہیئے تھا۔ اس لئے رلیارام کو یہ موقع انتقام کے لئے اچھا نظر آیا۔ اُس نے یہ خط افسرانِ ڈاک کو بھیجکر حضرت اقدس پر ایک مقدمہ بنا دیا۔

ابھی حضرت اقدس کو اس مقدمہ کی اطلاع نہیں ملی تھی۔ کہ اللہ تعالےٰ نے رویائے صادقہ کے ذریعے آپ پر ظاہر فرمایا۔ کہ

"رلیارام وکیل نے ایک سانپ میرے کاٹنے کے لئے مجھ کو بھیجا ہے اور میں نے اُسے مچھلی کی طرح تل کر واپس کر دیا ہے۔ (تذکرہ ص۲۷)

تھوڑے دنوں بعد حضرت کو اس مقدمہ سے آگاہی ہو گئی۔ آپ گورداسپور طلب کئے گئے۔ وکلاء سے جب مشورہ طلب کیا گیا۔ تو انہوں نے یہ مشورہ دیا کہ:۔

"بجز دروغ گوئی کے اور کوئی راہ نہیں۔ اور یہ صلاح دی کہ اس طرح اظہار دے دو۔ کہ ہم نے پیکٹ میں خط نہیں ڈالا رلیارام نے خود ڈال دیا ہو گا۔ اور نیز بطور تسلّی دہی کے کہا کہ ایسا بیان کرنے سے شہادت پر فیصلہ ہو جائیگا اور دو چار جھوٹے گواہ دے کر بریت ہو جائیگی ورنہ صورت مقدمہ سخت مشکل ہے۔ اور کوئی طریق رہائی نہیں۔" (تذکرہ ص۲۸)

یہ ایک کڑی آزمائش تھی۔ سچ بولنے پر سزا کا ہونا یقینی تھا۔ مگر آپ نے کسی صورت میں سچ کو چھوڑنا پسند نہ فرمایا۔ اور ان وکلاء کو جو مندرجہ بالا مشورہ دیتے تھے چھوڑ دیا۔ اور آپ نے فرمایا۔ "جو ہو گا سو ہو گا"

چنانچہ آپ ایک انگریز حاکم کی عدالت میں پیش ہوئے۔ آپ نے سچ سچ اظہار دے دیا۔ کہ

"یہ میرا ہی خط ہے اور میرا ہی پیکٹ ہے۔ اور میں نے اس خط کو پیکٹ کے اندر رکھ کر روانہ کیا تھا۔ مگر میں نے گورنمنٹ کی نقصان رسانی محصول کے لئے بدنیتی سے یہ کام نہیں کیا۔ بلکہ میں نے اس خط کو اس مضمون سے علیحدہ نہیں سمجھا"

ڈاک خانہ کی طرف سے بھی ایک انگریز افسر اس مقدمہ کی پیروی کر رہا تھا مگر باوجود اس کے کہ اُس نے بڑی بڑی لمبی تقریریں کیں۔ حاکم نے مختصر سا فیصلہ لکھکے آپ کی بریت کر دی۔

یہ آپ پر پہلا مقدمہ کیا گیا تھا۔ اس مقدمہ میں آپ کے کیریکٹر کی یہ خوبی نہایت آب و تاب سے ظاہر ہوئی۔ کہ آپ نے سچائی کو ہاتھ سے نہ چھوڑا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جو انسان اس قدر راستباز ہو کہ جیل خانہ کا دروازہ سامنے نظر آنے کے باوجود سچ کو نہیں چھوڑتا۔ اور ہر نقصان کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے ایسا راستباز خدا تعالےٰ پر کب افتراء کر سکتا ہے۔

دوسرے یہ کہ یہ مقدمہ ان مضامین کی وجہ سے تھا جو عیسائیت کے خلاف اور اسلام کی تائید میں لکھے جاتے تھے۔ اس لئے دراصل اس مقدمہ میں اسلام کی تائید کرنے والے انسان کو سزا دلا کر اس راستہ کو بند کرنا مقصود تھا۔ مگر خدا تعالیٰ نے اس مقدمہ میں آپ کو بری کرا کے اسلام کی سچائی پر ایک روشن مہر لگا دی ÷

لوگوں کی آمد

اب اس زمانہ کا آغاز ہو گیا تھا کہ جس میں لوگ حضور کے پاس آنے جانے لگے تھے

ویسے میرزا اسمٰعیل بیگ مرحوم - میاں جان محمد صاحب مرحوم - مرزا دین محمد صاحب مرحوم لنگروال - اور میرزا غلام اللہ صاحب مرحوم حضور کی خدمت میں عام طور پر آنے جانے والے تھے - ان کے علاوہ لالہ شرمپت رائے آنجہانی اور لالہ ملاوا مل صاحب - بھائی کشن سنگھ صاحب آنجہانی آپ کے پاس بکثرت آیا جایا کرتے تھے - حافظ حامد علی صاحب جو آپ کے ایک خاص وفادار خادم تھے وہ ۱۸۸۰ء میں آپ کے پاس آگئے تھے - پیر سراج الحق صاحب جمالی نعمانی ۱۸۸۱ء میں تشریف لائے - سیکھوانی اخوان میاں جمال الدین صاحب مرحوم - میاں امام الدین صاحب مرحوم میاں خیر الدین صاحب اور حافظ نور محمد صاحب ساکن فیض اللہ چک - حافظ منشی نبی بخش صاحب پٹواری مرحوم منشی عبد العزیز صاحب پٹواری - حافظ رحیم بخش صاحب ساکن تلونڈی جھنگلاں وغیرہم آپ کے پاس آیا جایا کرتے تھے -

آریہ سماج کی ابتداء اور آپ میدانِ جہاد میں

یہ وہ زمانہ تھا جبکہ آریہ سماج ہندوستان میں قائم ہو چکا تھا - اور سوامی دیانند بانی آریہ سماج خود زندہ تھے - اس لئے جگہ جگہ آریہ سماجیں قائم ہو چکی تھیں - اور ان میں اسلام کے خلاف ایک زبردست جذبہ تھا - قادیان میں بھی آریہ سماج بن چکی تھی اور لالہ شرمپت رائے آنجہانی اس کے سکرٹری تھے - حضرت اقدس کی ان کے ساتھ اکثر آریہ سماج کے عقائد پر گفتگو ہوتی رہتی تھی -

۷ دسمبر ۱۸۷۷ء کو اخبار وکیل ہندوستان وغیرہ میں ایک عقیدہ کا اعلان حسب ذیل الفاظ میں کیا گیا -

" ارواح بے انت ہیں اور اس کثرت سے ہیں کہ پرمیشور کو بھی

ان کی تعداد معلوم نہیں۔ اس واسطے ہمیشہ مکتی پاتے رہیں گے مگر کبھی ختم نہیں ہوں گے۔" (حیات النبی جلد اول نمبر دوم ص)

چونکہ اس عقیدہ سے باری تعالیٰ عزّاسمہٗ کی سراسر ہتک تھی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام اسے برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ اس لئے آپ نے ۹ر فروری ۱۸۷۸ء سے لے کر ۹ر مارچ ۱۸۷۸ء تک اخبار سفیر ہند امرتسر میں ایک زبردست سلسلہ مضامین لکھ کر شائع فرمایا۔ آپ کو اس عقیدے کے باطل ہونے اور اپنے دلائل کے قطعی ہونے پر اس قدر وثوق تھا۔ کہ آپ نے سفیر ہند میں لکھا۔ کہ

"جو صاحب منجملہ توابع سوامی دیانند سرسوتی صاحب سوال ہذا کا جواب دے کر ثابت کرے کہ ارواح بے انت ہیں اور پرمیشور کو ان کی تعداد معلوم نہیں۔ تو میں اس کو مبلغ پانچسو روپیہ انعام دوں گا۔"

یہ مذہبی دنیا میں سب سے پہلا انعام تھا جو آریہ سماج کے سامنے رکھا گیا اور کسی آریہ سماجی لیڈر کو آج تک اسے حاصل کرنے کی جرأت نہیں ہو سکی۔ بلکہ اس کا آخری نتیجہ یہ ہوا کہ لالہ جیون داس سکرٹری آریہ سماج نے سفیر ہند کے ذریعہ ایک اعلان شائع کیا اور جس میں اس امر کا صاف لفظوں میں انکار کیا۔ کہ یہ مسئلہ آریہ سماج کے اصولوں میں داخل نہیں۔ (حیاۃ النبی جلد اول نمبر دوم ص۱۱۳)

پنڈت شونرائن اگنی ہوتری

اس سلسلہ میں ہم کو برہمو سماج کے لیڈر پنڈت شونرائن اگنی ہوتری صاحب کا بھی ذکر کرنا ضروری ہے۔ پنڈت جی کا ایک رسالہ برادر ہند تھا۔ جس میں

حضرت اقدس آریہ سماج کے متعلق مضامین لکھا کرتے تھے۔ پنڈت جی نے جب ارواح کے بے گنتی ہونے پر حضرت کے دلائل کی قوت کو مشاہدہ کیا اور آریہ سماج کی اس کھلی کھلی شکست کو دیکھا تو انہوں نے اپنے رسالہ میں ایک محاکمہ لکھا کہ:۔

"آخر کار جب میرزا صاحب نے مسئلہ مذکور کو اپنی بحث میں باطل ثابت کر دیا۔ تو لاچار سوامی جی نے میرزا صاحب کو یہ پیغام بھیجا۔ کہ حقیقت میں ارواح بے انت نہیں ہیں"

(برادر ہند جولائی ۱۸۷۸ء)

غرض اس طرح اسلام کو آریہ سماج پر یہ سب سے پہلی فتح ہوئی:

سوامی دیانند نے خود چیلنج دیا

سوامی جی نے ایک خط کے ذریعے بحث کرنے کا خیال ظاہر کیا۔ جسے حضرت اقدس نے ۱۰ ارجون ۱۸۷۸ء کو بذریعہ ایک اعلان کے منظور فرمالیا مگر اس کے بعد پنڈت جی کو کبھی بھی مباحثہ کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

باوانرائن سنگھ پلیڈر امرتسر

باوانرائن سنگھ امرتسر سماج کے سکرٹری تھے۔ انہوں نے اس سلسلہ میں ایک سلسلہ مضامین لاہور کے اخبار آفتاب پنجاب میں شروع کیا۔ اور انہوں نے انعامی رقم حاصل کرنے کی خواہش کی۔ اور چاہا کہ لفظ انعام کاٹ کر جرمانہ لکھا جائے اور رقم کے متعلق تسلی کی جائے۔ اس پر حضور نے ایک اشتہار کے ذریعہ باوا صاحب کی

شرائط کو مان لیا۔ اور طرفہ یہ کہ ثالثان کے تقرر میں حضور نے اپنی طرف سے سوامی پنڈت دیانند سرسوتی کو بھی ثالث تسلیم فرمایا۔ اس اعلان کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ باوا نرائن سنگھ پلیڈر سکرٹری آریہ سماج امرتسر ہمیشہ کیلئے خاموش ہو گئے۔ بلکہ آگے چل کر وہ آریہ سماج سے بھی جدا ہو گئے۔ یہ ایک تیسری شاندار کامیابی تھی جو حضرت اقدس کے ذریعہ اسلام کو آریہ سماج پر حاصل ہوئی۔ اس سلسلہ میں اور بھی بعض لوگ آگے بڑھنے کے خواہشمند ہوئے۔ مگر سب لاجواب ہو کر خاموش ہو گئے ؛

لالہ ملاوا مل صاحب کی ملاقات

لالہ ملاوامل صاحب جن کو ہمارے سلسلہ میں اکثر لوگ جانتے ہیں۔ وہ حضرت اقدس کی خدمت میں بکثرت آنے والے لوگوں میں سے تھے۔ ان کی ملاقات حضرت اقدس سے پہلی دفعہ مسجد اقصیٰ میں ہوئی تھی۔ جہاں وہ اپنے ایک استاد مولوی بسیر محمد صاحب کے ساتھ عشاء کی نماز کے وقت چلے گئے تھے۔ آپ نے مولوی بسیر محمد صاحب سے دریافت کیا۔ کہ یہ کون لڑکا ہے ؟ انہوں نے بتلایا۔ کہ لالہ سوہن لال صاحب کا لڑکا ہے۔ آپ نے اسی وقت نماز سے قبل لالہ ملاوامل صاحب کو اسلام کے متعلق تبلیغ فرمائی۔ اور مکمل تبلیغ کرنے کے بعد آپ نماز میں مصروف ہو گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی طبیعت میں اسلام کے لئے ایک جوش تھا۔ جو ہر وقت موجزن رہتا تھا۔ اور وہ اس تلاش میں رہتے تھے کہ کوئی سامنے آئے اور آپ اُسے اسلام کا روئے منور دکھا سکیں۔ لالہ جی بیان کرتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ ایک کتب فروش قادیان آیا۔ میں اس کی تلاش میں حضرت اقدس کے چوبارے

کی طرف چلا گیا۔ آپ وہاں ٹہل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر بلا لیا اور فرمایا کبھی کبھی آجایا کرو اس طرح واقفیت ہو گئی اور آہستہ آہستہ ایسا تعلق بڑھا کہ پھر روزانہ ہی جانے لگے۔ لالہ ملاوامل جی نے ابتداء میں جو عطاری کی دوکان کی تھی۔ وہ بھی حضرت صاحب ہی کے فرمانے پر کی تھی ؛

ماموریت کی پہلی بشارت

ایک دن مسجد اقصیٰ میں فجر کی نماز کے بعد یکایک آپ پر عجیب حالت طاری ہوئی۔ پاس والوں کو یہ خیال گزرا کہ شاید کسی بیماری نے حملہ کر دیا ہے۔ یکایک آپ پر ربودگی اور غنودگی طاری ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ حالت جاتی رہی۔ تو آپ الحمدللہ کہہ کر ہوش میں آئے۔ اور کہا مجھ پر یہ ظاہر ہوا ہے۔ کہ

"ایک باغ لگایا جا رہا ہے اور میں اس کا مالی مقرر کیا گیا ہوں" (حیات النبی جلد صـ۹۲)

اس وقت جو لوگ موجود تھے۔ انہوں نے حقیقت کو نہ جانتے ہوئے یہ سنکر ہنس دیا۔

مگر

ان کو معلوم نہ تھا کہ آپ کو تو اسلام کے باغ کا مالی بنایا جا رہا ہے۔

سردار سنت سنگھ کا قبول اسلام

قادیان کے قریب موضع بوٹر میں ایک سکھ سردار سنت سنگھ رہا کرتے تھے وہ حضرت اقدس کی خدمت میں آیا جایا کرتے تھے اور آپ اُن کو تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے

چنانچہ وہ آپ کی تبلیغ سے مسلمان ہو گئے تھے۔ اگرچہ وہ سید ظہور الحسن شاہ صاحب سجادہ نشین بٹالہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے۔ مگر انہوں نے جو تحریر لکھی اس میں لکھا:۔

"امابعد بر کافہ اہل اسلام ہویدا باد کہ اندریں اوان سعید و زمان حمید سردار سنت سنگھ بہ معیت اہلیہ خویش ببرکت صحبت جناب میرزا غلام احمد صاحب سلمہ اللہ الصمد کہ شخصے وحید عصر است نور ایمان در قلب فیض طلب وا تافت یھدی اللہ لنورہ من یشاء"

(حیات احمد جلد اول نمبر ۳ ص۱۸)

ان کا نام عبدالرحمن رکھا گیا تھا۔ ان کی اولاد اب بھی اپنے گاؤں میں مسلمان ہے۔

پنڈت کھڑک سنگھ کا قادیان آنا

قادیان کے ہندو ایک شخص پنڈت کھڑک سنگھ کو مباحثہ کے لئے لائے اس کے ساتھ مباحثہ تکیہ بڈھن شاہ میں ہوا تھا۔ کھڑک سنگھ بحث سے عاجز آکر آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خلاف بدگوئی پر اتر آیا۔ جس پر حضرت اقدس کو نرمی کا طریق چھوڑنا پڑا اس لئے یہ بحث بند کرانی پڑی۔ مگر بالآخر نتیجہ یہ ہوا کہ کھڑک سنگھ آریہ سماج کو چھوڑ کر عیسائی ہو گیا۔ اور آریہ سماج کے خلاف لیکچر دینے لگا۔ چنانچہ حضور نے اس مباحثہ کا ذکر خود شحنۂ حق میں فرمایا ہے۔

لالہ شرمپت رائے میدان میں

اس سلسلہ میں لالہ شرمپت رائے کو بھی جوش آیا اور انہوں نے "برادر ہند"

میں ایک مضمون لکھا۔ پنڈت شونرائن صاحب نے لالہ شرمپت رائے کا مضمون تو شائع کر دیا۔ مگر اس کی ایسی حقیقت آشکار کی کہ اس کے بعد پھر لالہ شرمپت رائے کو کچھ لکھنے کا حوصلہ نہ پڑا۔

ایک طرف آریہ سماج سے یہ جنگ ہو رہی تھی دوسری طرف منشو رمحمدی کے ذریعے عیسائیوں سے دلائل کی جنگ ہو رہی تھی۔ اب ایک تیسرا میدان قائم ہو گیا۔ اور وُہ

برہمو سماج کا میدان تھا

برہمو سماج کے لیڈر الہام کے قائل نہ تھے۔ اس موضوع پر حضرت نے اُن سے بذریعہ خط و کتابت بحث کی۔ پنڈت شونرائن نے اس خط و کتابت کو شائع کر دیا تھا۔ حضرت اقدس نے پنڈت شونرائن سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ اس غرض کے لئے ایک برہمو اور ایک انگریز کو منصف مقرر کریں۔ اور آپ نے کیشپ چندر سین کا نام تجویز کیا تھا۔ مگر پنڈت شونرائن نے کسی کو منصف نہ بنایا۔

اس واقعہ کے بعد پنڈت شونرائن نے برہمو سماج سے علیحدگی اختیار کی اور ایک نیا مذہب دیو سماج قائم کیا۔ اور اس میں یہ دعویٰ کیا کہ خدا تعالیٰ اُن سے ہمکلام ہوتا ہے۔

کیا یہ حیرت کا مقام نہیں کہ جو شخص منکر الہام ہو کر بحث کرتا تھا بعد میں وُہ خود الہام کا مدعی ہو گیا۔ یہ برہمو سماج پر حضرت اقدس کی ایک فتح عظیم تھی *

براہین احمدیہ کی تصنیف

آریہ سماجی صاحبان کے ساتھ مباحثات کی وجہ سے آپ نے محسوس کیا کہ اسلام کی تائید کے لئے ایک فیصلہ کن جنگ کی ضرورت ہے اس لئے آپنے ایک زبردست کتاب

اسلام کی حقانیت کو روزِ روشن کی طرح ثابت کرنے کے لئے لکھنے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ چنانچہ آپ نے ۱۶؍ مئی ۱۸۷۹ء کو منشور محمدی بنگلور میں ایک مضمون شائع کرایا۔ جس کا عنوان تھا۔ **ہمارے معزز دوست باوا نرائن سنگھ کے لئے خوشخبری:**

اس میں آپ نے تحریر فرمایا:۔

"لہٰذا ہم نے حسب درخواست باوا صاحب ایک کتاب مسمّٰی بہ براہین احمدیہ علٰی حقانیت کتاب اللّٰہ القرآن والنبوۃ المحمدیہ ادلّہ کاملہ قطعیہ سے مرتب کر کے تیار کی ہے۔"

پھر اسی اخبار کے صفحہ ۵ پر لکھا:۔

"اس کتاب کے تصنیف ہونے کا اصل باعث پنڈت دیانند صاحب اور ان کے توابع ہیں۔ جو اپنی اُمت کو آریہ سماج کے نام سے مشہور کر رہے ہیں۔ اور بجز اپنے وید کے حضرت موسیٰ۔ حضرت مسیح اور حضرت محمد مصطفےٰ علیہم السلام کی تکذیب کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک صاحب نے ان میں سے سفیر ہند میں بہ طلب ثبوت حقانیت فرقان مجید کئی مرتبہ ہمارے نام اشتہار بھی دیا ہے۔ غرض اب ہم نے اُن کا اور اُن کے اشتہار کا کام تباہ کر دیا۔"

ان دونوں عبارتوں سے واضح ہو گیا۔ کہ آپ نے براہین احمدیہ کی تصنیف محض آریہ سماج کے حملوں کا قطعی فیصلہ کرنے کے لئے فرمائی۔

اس کتاب کے ساتھ دس ہزار روپیہ کا انعام

اس کتاب کی عظمت اور اس کے دلائل کی قوت و شوکت کا اس سے پتہ چل سکتا ہے کہ آپ نے اس کے ساتھ دس ہزار روپیہ کے انعام کا اعلان فرمایا۔

جسے آج تک کسی کو بھی حاصل کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

براہین احمدیہ کی پہلی جلد اور دوسری جلد ۱۸۸۰ء میں مطبع سفیر ہند امرتسر سے چھپکر نکلی۔ اور تیسری جلد ۱۸۸۲ء میں اور چوتھی جلد ۱۸۸۴ء میں مطبع ریاض ہند امرتسر سے چھپ کر شائع ہوئی۔ یہ کتاب اتنی شاندار تھی اور ہے کہ مولوی محمد حسین بٹالوی نے اس پر ریویو لکھتے ہوئے لکھا۔

"ہماری رائے میں یہ کتاب اس زمانہ میں موجودہ حالت کی نظر سے ایسی کتاب ہے جس کی نظیر آج تک اسلام میں تالیف نہیں ہوئی۔ اور آئندہ کی خبر نہیں لعل اللہ یحدث بعد ذالک امراً۔ اس کا مؤلف بھی اسلام کی مالی۔ جانی وقلمی ولسانی وحالی وقالی نصرت میں ایسا ثابت قدم نکلا ہے جس کی نظیر پہلے مسلمانوں میں بہت ہی کم پائی گئی ہے۔ ہمارے ان الفاظ کو کوئی ایشیائی مبالغہ سمجھے۔ تو ہم کو کم سے کم ایک ایسی کتاب بتادے جس میں جملہ فرقہ ہائے مخالفین اسلام خصوصاً آریہ سماج و برہم سماج سے اس زور شور سے مقابلہ پایا جاتا ہو۔

اور دو چار ایسے اشخاص انصار اسلام کی نشان دہی کرے، جنہوں نے اسلام کی نصرت مالی وجانی وقلمی ولسانی کے علاوہ نصرت حالی کا بیڑا اٹھالیا ہو۔ اور مخالفین اسلام اور منکرین الہام کے مقابلہ میں مردانہ تحدی کے ساتھ یہ دعویٰ کیا ہو کہ جس کو وجود الہام کا شک ہو وہ ہمارے پاس آکر اس کا تجربہ ومشاہدہ کرلے۔ اور اس تجربہ ومشاہدہ کا اقوام غیر کو مزا بھی چکھادیا ہو۔"

(اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۶ ص ۱۶۹)

پرہیزگاری وصداقت شعاری

پھر مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی نے لکھا کہ :-

"مؤلف براہین احمدیہ مخالف وموافق کے تجربے اور مشاہدے کی رو سے (واللہ حسیبہ) شریعت محمدیہ پر قائم وپرہیزگار اور صداقت شعار ہیں۔ اور الہامات مؤلف براہین سے (انگریزی میں ہوں خواہ ہندی وعربی وغیرہ) آجتک ایک بھی جھوٹا نہیں نکلا ...... الخ (رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۹ صفحہ ۲۸۴)

اِسلام کی بحالی عزّت

"مؤلف براہین احمدیہ نے مسلمانوں کی عزت رکھ دکھائی ہے اور مخالفینِ اسلام سے شرطیں لگا لگا کر تحدی کی ہے۔ اور یہ منادی اکثر روئے زمین پر کر دی ہے کہ جس شخص کو اسلام کی حقانیت میں شک ہو وہ ہمارے پاس آئے اور اس کی صداقت دلائل عقلیہ قرآنیہ ومعجزات نبویہ محمدیہ (جس کو وہ اپنے الہامات و خوارق مراد رکھتے ہیں) سے بچشم خود ملاحظہ کرلے ...... اب ہم اس ریویو کو اس دعا پر ختم کرتے ہیں اے خدا اپنے طالبوں کے راہنماؤں پر ان کی ذات سے ان کے ماں باپ سے تمام جہان کے مشفقوں سے زیادہ رحم فرما۔ تو اس کتاب کی محبت لوگوں کے دلوں میں ڈال دے۔ اور اس کے برکات سے ان کو مالامال کر دے۔ اور کسی اپنے صالح بندہ کے طفیل اس خاکسار شرمسار۔ گنہ گار کو بھی اپنے فیوض وانعامات اور اس کتاب کی اخص برکات سے فیضیاب کر۔ آمین۔

وللارض من کاس الکرام نصیب۔" (رسالہ اشاعۃ السنہ جلد ۷ نمبر ۱ صفحہ ۳۴۸)

مندرجہ بالا حوالوں سے اس کتاب کی عظمت اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی **پرہیزگاری، تقویٰ، صداقت، خدمتِ اسلام** اور **خوارق عادت** قوتوں کا بخوبی اور بآسانی پتہ مل سکتا ہے ؎

والفضل ما شھدت بہ الاعداء

براہین احمدیہ پر منشور محمدی کی تقریظ

اخبار منشور محمدی نے بھی ایک مفصل تقریظ لکھی۔ جو ساری تو اس جگہ درج نہیں کی جاسکتی۔ مگر اس میں سے چند سطریں یہاں درج کر دیتا ہوں۔

"کتاب براہین احمدیہ ثبوت قرآن و نبوت میں ایک ایسی بے نظیر کتاب ہے کہ جس کا ثانی نہیں۔ مصنف نے اسلام کو ایسی کوششوں اور دلیلوں سے ثابت کیا ہے کہ ہر منصف مزاج یہی سمجھیگا۔ کہ قرآن کتاب اللہ اور نبوت پیغمبر آخر زمان حق ہے۔ دین اسلام منجانب اللہ اور اس کا پیرو حق آگاہ ہے۔ عقلی دلیلوں کا انبار ہے۔ خصم کو نہ جائے گریز اور نہ طاقت انکار ہے۔ جو دلیل ہے بیّن ہے۔ جو برہان ہے روشن ہے۔ آئینۂ ایمان ہے۔ لُبِ لباب قرآن ہے۔"

(رسالہ ریویو اُردو ماہ فروری ۱۹۴۲ء)

براہین احمدیہ کی شان

براہین احمدیہ کی یہ شان ہے کہ ۱۸۶۴ء میں جبکہ آپ ابھی تحصیل علم میں مشغول تھے۔ اس زمانے میں آپ نے ایک رؤیا دیکھا تھا۔ جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ سے دریافت فرماتے ہیں کہ تم نے اس کتاب کا کیا نام رکھا تو آپ نے اس کا نام قطبی بتلایا۔

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کتاب کو اپنے دستِ مبارک میں لے لیا اور وہ حضور کا ہاتھ لگنے سے ایک میوہ بن گئی۔ جس کی حضور نے خود قاشیں فرمائیں۔ اور

اس میں سے اس قدر شہد نکلا کہ حضور کا دستِ مبارک مرفق تک بھر گیا۔ اس میں سے آنحضرتؐ نے ایک قاش ایک مُردہ کو دی جو دروازے سے باہر پڑا تھا۔ اور آنحضرتؐ کے معجزہ سے زندہ ہو گیا تھا۔ (تذکرہ ص۲۱) یہ براہین احمدیہ کی شان کی طرف اشارہ تھا۔ اور اس کی قبولیت کا ثبوت تھا۔ اور ساتھ اس امر کا اظہار تھا کہ آپ کے وجود سے اسلام کو جو لوگوں کی نگاہ میں مُردہ ہو رہا تھا ایک نئی زندگی ملیگی۔ اور اسی طرف رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث میں اشارہ تھا۔

لَوْكَانَ الْاِيْمَانُ مُعَلَّقًا بِالثُّرَيَّا لَنَالَهُ رَجُلٌ مِنْ اَبْنَاءِ الْفَارِس

تعمیر مسجد مبارک

۱۸۸۳ء میں ایک عظیم الشان واقعہ ظہور پذیر ہُوا۔ یہ تعمیر مسجد مبارک کا واقعہ ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ابتدائی حالت اور مالی مشکلات کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں۔ ان کا قدم ہر آن آگے کی طرف بڑھ رہا تھا۔ وہ اب خلوت سے جلوت میں آ گئے۔ گھر کی چار دیواری سے اُن کا کام نکل کر دنیا کے سامنے آ گیا تھا۔ لوگوں کا رجوع ہو رہا تھا۔ تصنیفات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔ اس لئے اب اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے ایک مسجد کی بنیاد رکھوانے کا انتظام فرمایا۔

آپ کو الہام ہُوا:۔

اَلَمْ نَجْعَلْ لَّكَ سُهُوْلَةً فِيْ كُلِّ اَمْرٍ بَيْتُ الْفِكْرِ وَبَيْتُ الذِّكْرِ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (براہین احمدیہ ص۵۵۹،۵۵۸)

یعنی کیا ہم نے تیرے لئے ہر بات میں آسانی نہیں کی۔ تجھ کو بیت الفکر اور بیت الذکر عطا کیا۔ اور جو شخص بیت الذکر میں باخلاص و مقصد بقید و صحت نیت و حسن ایمان

داخل ہوگا۔ وہ سُوءِ خاتمہ سے امن میں آجائیگا۔

بیتُ الفِکر

بیت الفکر اس چوبارے کو خدا تعالیٰ کی طرف سے نام دیا گیا۔ جہاں حضور براہین احمدیہ کی تصنیف میں مشغول رہا کرتے تھے۔ اور بیت الذکر اس مسجد مبارک کو خطاب دیا گیا۔

مسجد مبارک کی عظمت

اس سے معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَمَن دَخَلَہٗ کَانَ اٰمِنًا

اسی طرح اس مسجد کے متعلق یہ الہام ہوا۔

مُبَارِکٌ وَّمُبَارَکٌ وَّکُلُّ اَمۡرٍ مُّبَارَکٍ یُّجۡعَلُ فِیۡہِ

یعنی یہ مسجد برکت دہندہ اور برکت یافتہ ہے اور ہر ایک امر مبارک اسی میں کیا جائیگا۔

ان الہامات سے اس مبارک مسجد کی عظمت وشان معلوم ہوتی ہے اور پھر اس کے علاوہ حضور نے اس مسجد کے بن جانے کے بعد ساری عمر اسی میں نماز ادا کی۔

الغرض

آپ کے زمانہ کی سب سے پہلی تعمیر یہ خدا کا گھر تھا۔

بیتُ الذکر کیلئے جگہ

بیت الفکر کے قرب کی وجہ سے آپ چاہتے تھے کہ بیت الذکر بھی ساتھ ہی ہو مگر

کوئی جگہ نہ تھی۔ اس لئے آپ نے دفتر محاسب کے پاس سے جانے والے رستہ کو مسقف کر کے مسجد بنالی۔ چھت کا ایک حصہ میرزا غلام محی الدین صاحب آپ کے چچا کے خراس کی دیوار پر رکھا گیا۔ چھت کے لئے جس قدر لکڑی کی ضرورت تھی وہ اپنے باغ سے کاٹ لی گئی۔ اینٹوں وغیرہ کی دقت پرانی بنیادوں کو کھود کر پوری کی گئی۔ پیراں دتا ایک معمار تھا جسے اس مسجد مبارک کے بنانے کا شرف حاصل ہوا۔

مسجد کی صورت

اس وقت مسجد کی صورت یہ تھی۔ کہ آخری مغربی سرے پر امام کیلئے محراب کا حجرہ تھا۔ اس میں ایک کھڑکی مغرب کی طرف ایک شمال کی جانب اور ایک مشرق کی طرف دروازہ تھا۔ جس میں تختے لگے ہوئے تھے۔ اور ضرورت کے وقت بند ہو کر حجرہ بن جاتا تھا۔ اس حجرہ میں دو آدمیوں کی گنجائش تھی۔ پہلے صرف امام کھڑا ہوتا تھا بعد میں جب لوگوں کی کثرت ہوئی تو حضرت بھی امام کے ساتھ کھڑے ہو جاتے تھے۔ اس کے بعد دوسرا کمرہ آتا تھا جس میں تین صفیں ہوتی تھیں۔ اس حجرہ کا بھی ایک دروازہ تھا۔ اس میں ایک کھڑکی تھی جو بیت الفکر میں کھلتی تھی۔ اور ایک کھڑکی جو خراس کی طرف کھلتی تھی۔

تیسرا حصہ

اس میں ایک دروازہ سیڑھیوں کی طرف سے آتا تھا ایک سیڑھیوں کے پاس سے گھر کو جاتا تھا۔ اور تیسرا اس کوٹھڑی میں کھلتا تھا جو سُرخ چھینٹوں والے نشان کے لئے مشہور ہے۔ یہ پہلے دو فٹ نشیب میں تھا۔ اور یہاں وضو کے لئے سامان رہا کرتا تھا۔ اس میں ایک لکڑی کا زینہ ہوتا تھا جس کے ذریعے اوپر چھت پر

موسم گرما میں نماز پڑھنے کے لئے جایا کرتے تھے۔ مسجد کے دونوں دروازوں پر الہامات و درود شریف اور آیت اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام لکھا ہوا تھا۔ اس مسجد کے متعلق آپکو ایک اور الہام ہوا۔

فِیْہِ بَرَکَاتٌ لِلنَّاسِ

مسجد کے متعلق ایک اور رؤیاء

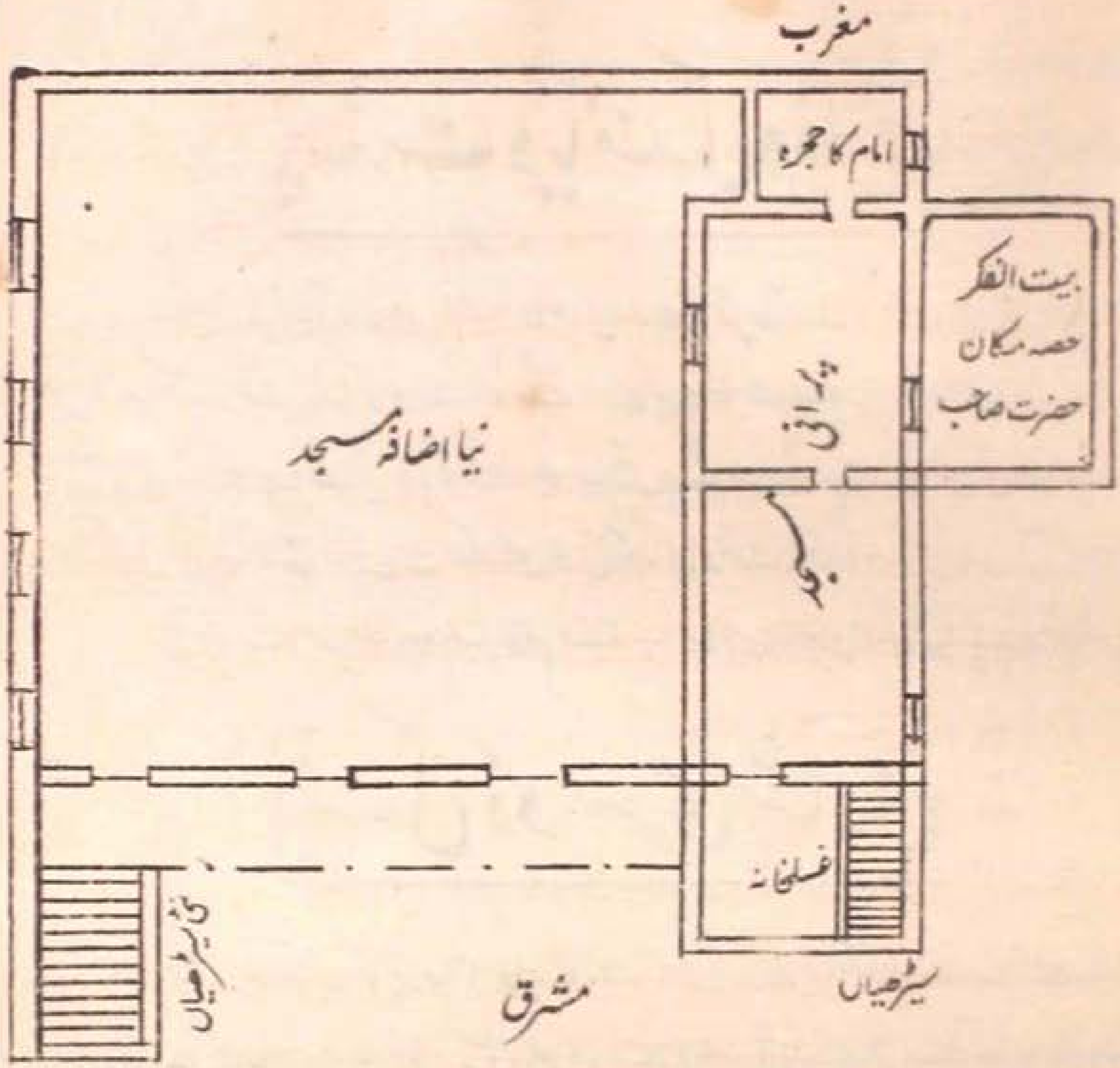
۸ و ۹ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو حضور نے ایک رؤیا دیکھا کہ

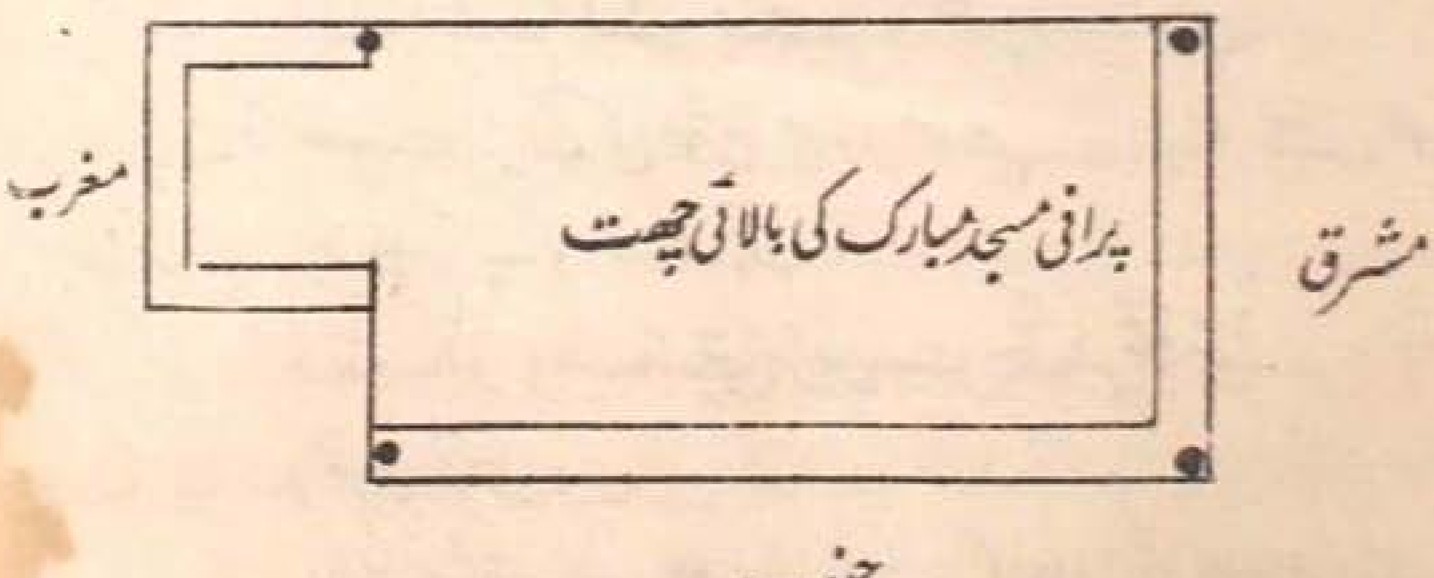
"بعض اشخاص ہیں جن کو اس عاجز نے شناخت نہیں کیا وہ سبز رنگ کی سیاہی سے مسجد کے دروازے کی پیشانی پر کچھ آیات لکھتے ہیں۔ ایسا سمجھا گیا کہ فرشتے ہیں۔ اور سبز رنگ اُن کے پاس ہے جس سے بعض آیات تحریر کرتے ہیں۔ اور خط ریحان میں جو پیچان اور مسلسل ہوتا ہے لکھتے جاتے ہیں تب اس عاجز نے ان آیات کو پڑھنا شروع کیا۔ جن میں سے ایک آیت یاد رہی۔ لَا رَآدَّ لِفَضْلِہٖ" (حیات احمد جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۲۴ تا ۲۶)

مسجد مبارک پر محمود کا نام

اس مسجد مبارک کی دیوار پر حضرت اقدس نے ایک کشف میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا نام محمود لکھا ہوا دیکھا۔

مسجد مبارک کا نقشہ اگلے صفحہ پر دیا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو صفحہ ۱۴۹ :-


مغرب
امام کا حجرہ
بیت الفکر
حصہ مکان
حضرت صاحب
نیا اضافہ مسجد
غسلخانہ
نئی سیڑھیاں
سیڑھیاں
مشرق


مغرب
پرانی مسجد مبارک کی بالائی چھت
مشرق
جنوب

پنڈت دیانند کی وفات

اسی سال کا ایک اور اہم معاملہ یہ ہے۔ کہ پنڈت دیانند جو بانی آریہ سماج ہیں۔ ۳۰ اکتوبر ۱۸۸۲ء کو فوت ہو گئے۔ ان کی وفات سے تین ماہ قبل اللہ تعالیٰ نے آپ کو علم دے دیا تھا کہ وُہ فوت ہو جائیں گے۔ اور آپ نے اُن کی وفات کی پیشگوئی آریہ سماج قادیان کے ممبروں کو اُسی وقت بتلا دی تھی۔

(حیات احمد جلد دوم نمبر دوم صفحہ ۳۲۔ براہین احمدیہ صفحہ ۵۳۵/۵۳۶ پر حاشیہ نمبر ۱)

آپ کی دُوسری شادی

چونکہ اللہ آپ کو بڑھانا چاہتا تھا۔ اس لئے خدا تعالےٰ نے ایسے سامان پیدا کرنے کا ارادہ فرما لیا۔ پہلی بیوی سے عرصہ بیس سال سے کوئی اولاد ہی نہیں ہوئی تھی کہ ۱۸۸۰ء میں آپ کو الہام ہوا۔

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ حَسِيْنٍ

یعنی ہم ایک خوبصورت لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ یہ الہام سننے والوں کو ایک اچنبھا سا ہوا۔ مگر پھر آپ کو الہام ہوا

اُشْكُرْ نِعْمَتِيْ رَئَيْتَ خَدِيْجَتِيْ

اس پر آپ نے تحریر فرمایا:۔

"یہ ایک بشارت کئی سال پہلے اس رشتہ کی طرف تھی جو سادات کے گھر میں دہلی میں ہوا۔ اور خدیجہ اسلئے میری بیوی کا نام رکھا گیا کہ

وہ ایک مبارک نسل کی ماں ہے۔ جیساکہ اس جگہ بھی مبارک نسل کا وعدہ تھا۔
اور نیز یہ اس طرف اشارہ تھا کہ وہ بیوی سادات کی قوم سے ہوگی ۔"

(نزول المسیح صفحہ ۱۴۶، ۱۴۷)

پھر اس سلسلہ میں الہام ہُوا۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الصِّھْرَ وَالنَّسَبَ

ایک دفعہ مسجد میں بوقتِ عصر یہ الہام ہُوا:۔

"میں نے ارادہ کیا ہے کہ تمہاری ایک اور شادی کروں۔ یہ سب سامان میں خود ہی کروں گا۔ اور تمہیں کسی بات کی تکلیف نہ ہوگی ۔"

ایک فارسی شعر میں یوں الہام ہُوا ؎

ہر چہ باید نو عروسے را ہماں ساماں کُنم
وآنچہ مطلوبِ شما باشد عطائے آں کُنم

پھر تریاق القلوب صفحہ ۶۴ و ۶۵ میں تحریر فرمایا:۔

"بغیر سابقہ تعلقات قرابت اور رشتہ کے دہلی میں ایک شریف اور مشہور خاندان سیادت میں میری شادی ہوگئی۔ سو چونکہ خدا تعالےٰ کا وعدہ تھا کہ میری نسل میں سے ایک بڑی بنیاد حمایتِ اسلام کی ڈالے گا اور اس میں سے وہ شخص پیدا کرے گا جو آسمانی رُوح اپنے اندر رکھتا ہوگا۔ اس لئے اُس نے پسند کیا کہ اس خاندان کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے۔ جو اُن نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخم ریزی ہوئی، دنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلاوے ۔"

ان تمام پیشگوئیوں کے ماتحت حضرت اقدس کی دوسری شادی حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی سے ۱۸۸۴ء میں ہوگئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس شادی کو بہت بابرکت فرمایا۔ اور اس شادی کی وجہ سے سلسلہ احمدیہ کو بہت بڑی تقویت ملی ۔

پنڈت لیکھرام کی قادیان میں آمد

۱۸۸۵ء میں پنڈت لیکھرام قادیان میں آیا۔ حضرت اقدس نے ان ایام میں تمام مذاہب کے لیڈروں اور راہنماؤں کو آسمانی نشان کی یک سالہ دعوت دی تھی۔ اس اشتہار کے مقابلہ پر کوئی بھی آگے نہ آیا۔ صرف اندر من مراد آبادی نے مستعدی ظاہر کی۔ مگر جب حضرت نے دو سو روپیہ ماہوار کے حساب سے چوبیس سو روپیہ اس کے لئے جمع کرا دیا۔ تو وہ بھاگ گیا۔ اس اعلان کی بناء پر پنڈت لیکھرام نے خط و کتابت کی اور دو سو روپیہ ماہوار کا مطالبہ کیا۔ پنڈت لیکھرام اپنے خطوط میں استہزاء سے بہت کام لیتا تھا۔ حضرت اقدس نے اس کو لکھا کہ آپ آریہ سماج قادیان۔ امرتسر۔ لاہور۔ لودھیانہ پشاور سے حلفی تصدیق کرائیں کہ وہ آپکو اپنا مقتدا تسلیم کرتے ہیں۔ مگر وہ ایسا نہ کرا سکا۔ مگر حضرت اقدس نے اس کے باوجود صرف پنڈت لیکھرام کے کہنے پر ہی یہ تسلیم کر لیا۔ کہ وہ واقعی ایسا معزز ہوگا۔ اور چوبیس سو روپیہ جمع کرانے کو تیار ہو گئے۔ مگر یہ شرط زائد کی۔ کہ اگر تم نشان دیکھکر مسلمان نہ ہوئے تو تم کو بطور تاوان چوبیس سو روپیہ ادا کرنا ہوگا۔ اس غرض کے لئے آپ نے بیس یوم کی مدت مقرر فرمائی۔ مگر پنڈت لیکھرام نے کوئی جواب نہ دیا۔ اور تاوان والی شرط کو قبول نہ کیا۔ لیکن ۱۹ ر نومبر ۱۸۸۵ء کو خود بخود قادیان آگیا قادیان میں اس کے لانے کے جو لوگ محرک تھے۔ ان میں میرزا امام الدین صاحب نمبر اول پر تھے۔ وہ خود گئے اور جا کر اس کو لے آئے۔ ان ایام میں جو قادیان میں آریہ سماج بنی۔ اس کے ارکین میں میرزا امام الدین۔ منشی مراد علی۔ ملا حسینا بھی شامل ہوئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قادیان کے مسلمانوں کی مذہبی ذہنیت کس قدر

پست تھی ۔ اور اُن کو خدا کے اس برگزیدہ انسان کی مخالفت کی وجہ سے آریہ سماج کے ممبر بننے میں بھی شرم نہیں آتی تھی۔

پنڈت لیکھرام کے خطوط حضرت کے پاس بھائی کشن سنگھ صاحب لایا کرتے تھے ۔ اور اسی طرح پنڈت موہن لال صاحب بھنوت بھی بعض خط اور رقعے لے کر جایا کرتے تھے۔ اس ساری خط و کتابت کا نتیجہ یہ ہوا کہ پنڈت لیکھرام نے ایک نشان طلب کیا۔ سو اُن کو ان کی موت کا نشان ۲۰ فروری ۱۸۹۳ء کو دیا گیا۔ اس پیشگوئی کے مطابق پنڈت لیکھرام ۶ مارچ ۱۸۹۷ء کو بمقام لاہور قتل ہوگیا ۔ اور اس طرح اسلام کی سچائی پر اپنی موت سے آخری مہر ثبت کر گیا۔

ستاروں کے ٹوٹنے کا نشان

حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے اپنی دوبارہ آمد کے متعلق ایک پیشگوئی فرمائی تھی۔ جس میں لکھا تھا کہ :۔

"سورج تاریک ہو جائے گا ۔ اور چاند روشنی نہ دے گا اور آسمان سے ستارے گریں گے ۔ اور جو قوتیں آسمان میں ہیں وُہ ہلائی جائیں گی ۔ اور اس وقت لوگ ابن آدم کو بڑی قوت اور جلال کے ساتھ بادلوں میں سے آتا دیکھیں گے" (مرقس باب ۱۳ ۔ آیت ۲۴، ۲۵)

سورج اور چاند کی تاریکی سے مراد ان کو گرہن لگنا تھا ۔ جیسا کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا۔

ان دونوں پیشگوئیوں کے مطابق ۱۸۹۴ء میں چاند اور سورج کو گرہن ہوا اور ۲۸ نومبر ۱۸۸۵ء کو ستاروں کے ٹوٹنے کا نشان پورا ہوا ۔ حضرت اقدس

آئینہ کمالات اسلام میں تحریر فرماتے ہیں :-

"۲۸ر نومبر ۱۸۸۵ء کی رات کو یعنی اس رات کو جو ۲۸ر نومبر سے پہلے آئی اس قدر شہب کا تماشا آسمان پر تھا۔ جو میں نے اپنی عمر میں اس کی نظیر کبھی نہیں دیکھی۔ اور آسمان کی فضاء میں اس قدر ہزار ہا شعلے ہر طرف چل رہے تھے۔ جو اس رنگ کا دنیا میں کوئی بھی نمونہ نہیں تا میں اس کو بیان کر سکوں.....

..... یہ شہب ثاقبہ کا تماشا ایسا وسیع طور پر ہوا۔ جو یورپ اور امریکہ اور ایشیا کی عام اخباروں میں بڑی حیرت کے ساتھ چھپ گیا۔

وہ سلسلہ رمی شہب کا شام سے ہی شروع ہو گیا تھا۔ جس کو میں صرف الہامی بشارتوں کی وجہ سے بڑے سرور کے ساتھ دیکھتا رہا۔ کیونکہ میرے دل میں الہاماً ڈالا گیا تھا کہ یہ تیرے لئے نشان ظاہر ہو رہا ہے"

اگر کوئی شخص ذرا بھی انصاف رکھتا ہو تو وہ جان لے گا۔ کہ آسمان کی قوتوں کو ہلا دینا کسی انسان کا کام نہیں۔ اور جس انسان کے لئے خدا ایسے تصرفات کرے کہ صدہا سال پہلے کے نوشتے اس کی سچائی کی خاطر پورے ہو جائیں۔ اور آسمان و زمین کی طاقتوں کو اس کی خاطر ہلا دیا جائے، اس کی سچائی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

ہوشیار پور میں چالیس دن کی خلوت نشینی

شروع ۱۸۸۶ء میں آپ ہوشیار پور میں خلوت گزینی کیلئے تشریف لے گئے۔ شیخ مہر علی صاحب کی حویلی میں جو طویلہ کے نام سے مشہور تھی قیام فرمایا۔ آپ کے ساتھ اس سفر میں میاں عبد اللہ صاحب رضؓ سنوری اور شیخ حامد علی صاحب رضؓ اور ایک اور صاحب فتح خاں نامی ساکن رسول پور متصل ٹانڈہ تھے حضرت اقدس

خود اس طویلہ کے بالاخانہ پر قیام فرما تھے۔ تینوں ساتھیوں کیلئے الگ الگ کام مقرر فرما دیئے۔ منشی عبداللہ صاحب سنوری کھانا پکاتے۔ فتح خاں بازار سے سودا سلف لاتا۔ شیخ حامد علی صاحب گھر کا باقی کام اور مہمان نوازی کرتے۔

حضور نے ایک اشتہار کے ذریعے لوگوں کو منع کر دیا تھا کہ وہ چالیس دن تک آپ کو ملنے نہ آئیں۔ چالیس دن کے بعد آپ بیس دن اور قیام کریں گے۔ ان بیس دنوں میں ملنے والے مل لیں۔ اور دعوت کرنے والے دعوت کر لیں۔ اور سوال و جواب کرنے والے سوال و جواب کر لیں۔ ہر سہ خدام کو حکم تھا کہ ڈیوڑھی کی زنجیر ہر وقت بند رہے۔ اور گھر کے اشخاص بھی آپ کو نہ بلائیں۔ فرمایا اگر میں کسی کو بلاؤں تو اتنی بات کا جواب دے، جتنی میں پوچھوں۔ نماز آپ اوپر پڑھتے تھے اور خدام نیچے۔ کھانے کے لئے حکم تھا کہ اوپر بھیج دیا کرو۔ اور اس بات کی انتظار نہ کی جائے کہ میں کھالوں۔ برتن دوسرے وقت اٹھا لئے جایا کریں۔ جمعہ کی نماز شہر کی ایک ویران مسجد میں پڑھا کرتے تھے۔

حضرت میاں عبداللہ صاحب سنوری نے ایک روایت میں بیان فرمایا۔ کہ میں کھانا اوپر لے کر جایا کرتا تھا۔ تو ایک دن حضرت نے فرمایا:۔

"میاں عبداللہ ان دنوں میں مجھ پر بڑے بڑے خدا تعالٰے کے فضل کے دروازے کھلے ہیں۔ اور بعض اوقات دیر دیر تک خدا تعالیٰ مجھ سے باتیں کرتا رہتا ہے۔" (سیرۃ المہدی حصہ اول صفحہ ۵۵ تا ۵۷)

چنانچہ اسی چلّہ میں حضور کو پسر موعود کی بشارت دی گئی۔ چنانچہ اس الہام کے الفاظ یوں شروع ہوتے ہیں:۔

"وہ صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکتوں سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کریگا وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت و غیوری نے اُسے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔

وہ سخت ذہین اور فہیم ہوگا۔ اور دل کا حلیم اور علوم ظاہری و باطنی سے پُر کیا جائیگا .... فرزند دلبند گرامی ارجمند مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعُلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ" (تذکرہ ص۱۳۱)

پسر موعود کی بشارت ایک عظیم الشان بشارت تھی۔ جس پر سلسلہ کی ترقی کا بہت بڑا انحصار رکھا گیا تھا۔

ماسٹر مُرلی دھر سے مباحثہ

خلوت کے بعد حسب اعلان بیس یوم آپ نے اور قیام فرمایا۔ ان دنوں میں آپ نے ہوشیار پور کے ایک جوشیلے آریہ سماجی ماسٹر مُرلی دھر سے مباحثہ فرمایا جس میں آپ کو فتح عظیم حاصل ہوئی۔ اور پھر آپ نے جلد کتاب سرمہ چشم آریہ تصنیف فرمائی۔ یہ ۱۸۸۶ء کے آخر میں تصنیف ہوئی تھی۔ جس میں معجزہ شق القمر پر ایک زبردست اور سیر کن بحث فرمائی ہے۔

ولادت بشیر اوّل

۱۸۸۷ء میں آپ کے گھر میں پہلا لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام آپ نے بشیر احمد رکھا۔ لوگوں نے آپ سے دریافت کیا کہ کیا یہی وہ لڑکا پسر موعود ہے؟ آپ نے فرمایا کہ

"مجھے اس معاملہ میں خدا کی طرف سے کوئی خبر نہیں دی گئی"

باوجود اس وضاحت کے جب وہ لڑکا قضاءِ الٰہی سے ۱۸۸۸ء میں فوت ہو گیا تو لوگوں نے مخالفت کا ایک شور بے تمیزی مچایا۔ کہ یہ پیشگوئی غلط نکلی۔ اس پر آپ نے

پھر ایک اشتہار دیا کہ میں نے کبھی نہیں کہا کہ یہی وہ لڑکا ہے۔ ہاں پسر موعود اپنے وقت پر ضرور پیدا ہوگا۔

جماعت احمدیہ کی تاسیس

اگرچہ آپ کو بشارتیں تو طالب علمی کے زمانہ سے مل رہی تھیں اور ماموریت کا الہام ۱۸۸۲ء کو ہو چکا تھا۔ جو حسب ذیل ہے:-

"یَا اَحْمَدُ بَارَكَ اللّٰهُ فِيْكَ - مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى۔ اَلرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ - لِتُنْذِرَ قَوْمًا مَّا اُنْذِرَ اٰبَاۤؤُهُمْ - وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ - قُلْ اِنِّيْ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ"۔

(براہین احمدیہ حصہ سوم صـ۲۳۸ حاشیہ در حاشیہ نمبر۱ - تذکرہ صـ۴۲)

یہ آپ کے دعویٰ کا آغاز تھا۔ آپ نے اپنے دعویٰ کو جو مجددیت کا آغاز تھا۔ ایک اشتہار کے ذریعے ہندوستان کے تمام حصوں میں شائع کر دیا تھا۔ اس اشتہار کا انگریزی ترجمہ بھی شائع کیا گیا تھا۔

یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں آپ نے ایک اشتہار کے ذریعہ بیعت کا اعلان فرمایا۔ اور پہلی بیعت آپ نے لدھیانہ کے مقام پر ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء میں لی۔ جس میں پہلے دن چالیس آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر توبہ اور اخلاص اور اطاعت کا اقرار کیا۔ انہی میں حضرت خلیفۃ المسیح اول جناب مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی تھے۔ جو نہ صرف یہ کہ ایک بہت بلند پایہ عالم تھے بلکہ مہاراجہ جموں و کشمیر کے شاہی طبیب بھی تھے۔ اس طرح خدا تعالےٰ کی مشیت نے اس انسان کو جو بالکل تنہائی

میں پڑا ہوا تھا، جو لوگوں کی نظروں سے اوجھل تھا۔ اس زمانے کی ہدایت کیلئے منتخب فرمایا۔ اور اس کے وجود سے قادیان کو مکہ معظمہ کے بعد دوسرا ام القرٰی بنا دیا۔

زمینِ قادیان اب محترم ہے
ہجومِ خلق سے ارضِ حرم ہے (مسیح موعود)

اور اس طرح جماعت احمدیہ کی تاسیس ہوئی ؀

حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی ولادت

حضرت امیر المومنین میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح ثانی کی پیدائش ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو ہفتہ کے دن بوقت شب قادیان میں الدار میں ہوئی۔ آپ پیدائش پر اسی تاریخ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار بعنوان تکمیل تبلیغ شائع فرمایا۔ جس میں سابقہ پیشگوئیوں کو دُہرایا۔ اس اشتہار میں بیعت کا اعلان بھی فرمایا۔ اور دس شرائط بیعت بھی تحریر فرمائے۔ مارچ ۱۸۸۹ء میں آپ نے پہلی بیعت لی۔ اس طرح گویا احمدیت اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی توام پیدا ہوئے۔ یہ اس لئے کہ احمدیت کی تقویت اور ترقی کے لئے اللہ تعالٰے کی مشیتِ خاص نے آپکو اس عالم وجود میں لانا ضروری جانا۔ جیسے اس کا ذکر پھر کسی دوسری جگہ انشاءاللہ آجائیگا۔

دعوئ مسیحیت

۱۸۹۰ء کے آخر میں اللہ تعالٰے نے آپ پر اس امر کو کھول دیا کہ مسیح علیہ السلام فوت ہو چکے ہیں اور وہ اب دوبارہ نہیں آئیں گے۔ اس لئے آپ ہی کو اللہ تعالےٰ نے

اس مقام پر فائز کر کے "مسیح" بنا دیا ہے۔ اس لئے قوموں کی رستگاری آپ ہی کے وجود سے ہوگی۔ اور آپ ہی اُن کے نجات دہندہ ٹھہرائے گئے ہیں۔

پس

موتِ مسیح کے انکشاف نے اور دعویٰ مسیحیت نے ہندوستان کے طول و عرض میں ایک طوفان بے تمیزی برپا کر دیا۔ اور اس قدر مخالفت ہوئی۔ کہ اس کی تفصیل اس جگہ درج کرنا ناممکن ہے ؎

فتوائے کفر

اس پر علماء نے آپ پر اور آپ کے متبعین پر کفر کا فتویٰ لگایا اور لکھا۔

"میرزا قادیانی ان تیس ۳۰ دجالوں میں سے ایک ہے جن کی خبر حدیث میں وارد ہے۔ اور اس کے پیرو ذریت دجال ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ایسے دجال کذاب سے احتراز اختیار کریں۔ . . . .

نہ اس کی صحبت اختیار کریں اور نہ اس کی دعوت قبول کریں۔ نہ اس کے پیچھے اقتداء کریں اور نہ اس کی نماز جنازہ پڑھیں۔ وہ قطعاً کافر و مرتد ہے . . . . . . وہ بڑا بھاری دجال ہے۔ وہ دائرہ اسلام سے خارج اور ملحد اور زندیق ہے۔ وغیرہ وغیرہ" (فتویٰ علماء ہند و عرب)

اس طرح

یک بیک یہ حالت ہوگئی کہ وہ لوگ جو کل تک آپ سے اخلاص رکھتے تھے۔ وہ آپ کی جان کے دشمن ہو گئے۔ طرح طرح کی تکالیف دینا اُن کے لئے باعثِ ثواب سمجھا جانے لگا۔ گالیوں کے بھرے ہوئے خط، قتل کر دینے کے منصوبے، سفروں میں پتھر مارنا،

راکھ مٹی۔ اور ہر قسم کی گندی چیزیں پھینکنا ان کا وطیرہ بن گیا تھا۔ آپ کو کل جو کہتے تھے کہ یہ اسلام کا سب سے بڑا خادم ہے۔ آج دشمنِ اسلام، دشمنِ رسول اور دشمنِ خدا کہنے لگے۔ مگر ان میں سے کسی بات نے بھی آپ کے حوصلے کو پست نہیں کیا۔ کیونکہ آپ کو پسِ پردہ ایک طاقتور زندہ خدا نظر آتا تھا۔ جو ہر گھڑی کہتا تھا۔ کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اِنِّیْ مَعَكَ۔ اِنِّیْ مَعَكَ۔ اِنِّیْ مَعَكَ ٭

آپ کے بعض سفر

ان مخالفتوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے آپ نے اپنے دعویٰ کی اشاعت کے لئے متعدد سفر فرمائے۔ جن کا مختصر ذکر بیان کر دینا مناسب ہوگا۔

۲۶ر مارچ ۱۸۹۱ء کو جب آپ نے دعویٰ مسیحیت کا اعلان کیا۔ تو آپ اُس وقت لودھیانہ میں مقیم تھے۔ اور کئی ماہ وہاں رہے۔ اس جگہ ۲۰ر جولائی سے لے کر ۲۹ر جولائی ۱۸۹۱ء تک آپ کا مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی سے مباحثہ ہوا۔

شروع اگست ۱۸۹۱ء میں چند دن کے لئے آپ امرتسر تشریف لائے اور پھر لدھیانہ تشریف لے گئے۔ مولوی محمد حسین صاحب نے لدھیانہ کے لوگوں کو آپکی مخالفت پر خوب بھڑکایا۔ اور سخت اشتعال پیدا کر دیا۔ اسی لئے ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے مولوی محمد حسین کو لدھیانہ چھوڑ دینے کا حکم دیا۔ اس حکم کی اطلاع ملنے پر بعض دوستوں نے عرض کیا کہ ممکن ہے حضور کو بھی کوئی حکم آ جائے۔ اس لئے احتیاطاً کچھ عرصہ کے لئے لدھیانہ چھوڑ دینا چاہیئے۔ اس لئے حضور اس احتیاط کے پیشِ نظر امرتسر آ گئے۔ اور یہاں آکر ڈپٹی کمشنر لدھیانہ سے استصواب کیا۔ تو ڈپٹی کمشنر نے لکھا کہ آپ کے متعلق ایسا کوئی حکم نہیں۔ اس لئے آپ پھر لدھیانہ تشریف لے گئے۔

اور کچھ عرصہ رہ کر پھر قادیان تشریف لے آئے۔

اس کے بعد پھر آپ لدھیانہ تشریف لے گئے۔ اور وہاں سے دہلی تشریف لے گئے۔

سفر دھلی

دہلی میں آپ نے ۲؍اکتوبر ۱۸۹۱ء کو اشتہار کے ذریعہ سیّد نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اور مولوی ابو محمد عبد الحق صاحب کو دعوت مباحثہ دی۔ مولوی ابو محمد عبد الحق صاحب نے تو مباحثہ سے انکار کیا۔ اس لئے آپ نے اُن کو چھوڑ کر پھر ایک دوسرے اشتہار کے ذریعے جو ۶؍اکتوبر کو دیا گیا۔ مولوی سیّد نذیر حسین صاحب دہلوی اور مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو چیلنج دیا۔ اس پر ان دونوں مولویوں نے بغیر اس کے کہ شرائط طے کرتے، جگہ طے کرتے، حفظِ امن کا انتظام کرتے۔ مباحثہ کا اعلان کر دیا۔ اور حضرت کو عین وقت پر اطلاع دے دی۔ کہ آجائیے حضرت اقدس نے اس طریق کو دیانتداری کے خلاف قرار دیا۔ اور فرمایا کہ میں اس صورت میں بھی مباحثہ کے لئے چلا آتا۔ مگر آپ کے شہر میں مخالفت کا یہ حال ہے کہ :-

"سینکڑوں آوارہ گرد بدمعاش میرے مکان کے ارد گرد شرارت کی نیت سے جمع رہتے ہیں۔ اور ذمہ وار لوگ انہیں روکتے نہیں بلکہ اشتعال انگیز الفاظ کہہ کر اُلٹا جوش دلاتے ہیں۔ پس جب تک میں اپنے پیچھے اپنے مکان اور اہل و عیال کی حفاظت کا انتظام نہ کر لوں میں نہیں جا سکتا۔ اور علاوہ ازیں ابھی تک جائے مباحثہ اور راستے میں بھی حفظِ امن کا کوئی انتظام نہیں ہے۔"

اس پر دہلی والوں نے مشہور کر دیا کہ میرزا مباحثہ سے بھاگ گیا۔ جدھر

جادُو ہی ایک چرچا تھا۔ حالت یہ تھی کہ ہزار ہا مفسد مکان پر ہجوم کر کر آتے تھے۔ شور و پکار، طرح طرح کی بدزبانی، گالی گلوچ اور طعن و تشنیع اور تمسخر و استہزاء سے کام لیتے تھے۔ اور بعض شریر حملہ کر کے مکان کے اندر بھی گھس آتے تھے۔ ان حالات میں کوئی مفتری علی اللہ ٹھہر نہیں رہ سکتا۔ وہ یقیناً ان آفات سے بچنے کے لئے اپنے تمام دعاوی سے دستبردار ہو جائے گا۔ پس یہ ایک سنتِ انبیاء ہے کہ اُن کے ساتھ ایسا سلوک ہوتا چلا آیا ہے۔

یٰحَسْرَةً عَلَى الْعِبَادِ مَا يَأْتِيهِمْ مِنْ رَسُولٍ إِلَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ ۝

الغرض

۱۷ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو آپ نے ایک اشتہار شائع فرما کر اس میں سب سرگزشت شائع فرمائی اور لکھا کہ :۔

"اب میں نے حفظِ امن کا انتظام کر لیا ہے۔ اس لئے جس تاریخ کو مولوی سید نذیر حسین صاحب مباحثہ کے لئے پسند کریں حاضر ہو جاؤں گا۔ اور جو فریق اس مباحثہ سے تخلف کرے اس پر خدا کی لعنت ہو"

چنانچہ یہ فیصلہ ہوا کہ ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۱ء کو جامع مسجد کے مقام پر مسئلہ حیات و وفات مسیح پر سید نذیر حسین صاحب بحث کریں۔ یا حضرت کے دلائل سُن کر قسم کھا کر کہہ دیں کہ یہ دلائل غلط ہیں اور قرآن شریف اور حدیث مرفوع متصل سے ثابت ہے کہ مسیح بجسد عنصری آسمان پر موجود ہیں اور اسی جسم کے ساتھ اتریں گے۔ پھر اگر ایک سال کے اندر مولوی سید نذیر حسین صاحب پر کھلا کھلا عذاب الٰہی نازل نہ ہو تو حضرت اقدس اپنے دعوے میں جھوٹے ثابت ہوں گے۔

۲۰ اکتوبر تک لوگوں میں ایسا اشتعال پیدا کر دیا گیا تھا کہ لوگ چاہتے تھے کہ آپ کو ہلاک کر دیا جائے۔ اس اشتعال طبع کا حضور کے خدام کو بھی علم ہوتا

تھا - اور وہ اپنے خطرات کا اظہار حضور کے سامنے کرتے تھے۔

مگر

حضرت نے فرمایا کہ

"اب تو ہم کسی صورت میں بھی رُک نہیں سکتے۔ کیونکہ ہم نے خود دعوت دی ہے - اور پیچھے رہنے والے پر لعنت بھیجی ہے - پس خواہ کیسی بھی خطرناک حالت ہے ہم خدا کے فضل پر اور اس کی حفاظت پر بھروسہ کر کے ضرور جائیں گے۔"

چنانچہ کچھ آدمیوں کو مکان پر مقرر فرمایا - اور بارہ آدمیوں کو اپنے ہمراہ لیکر جامع مسجد کو روانہ ہو گئے - اس وقت جامع مسجد لوگوں سے بھری ہوئی تھی - آپ اپنے بارہ خدام سمیت اس مجمع میں سے گذرتے ہوئے محراب میں جا بیٹھے - لوگوں کی یہ حالت تھی - کہ اُن کی آنکھوں سے خون ٹپک رہا تھا - پولیس کا زبردست انتظام تھا جو ایک انگریز افسر کے ماتحت کام کر رہی تھی۔

مولوی سید نذیر حسین صاحب اور مولوی محمد حسین صاحب بھی آ گئے - اور ایک دالان میں بٹھائے گئے - اس وقت عصر کی نماز کا وقت تھا اس لئے پہلے نماز ہوئی - مگر حضور اور آپ کے ساتھی گھر سے نماز پڑھ کر گئے تھے وہاں نماز ادا نہیں کی۔ نماز کے بعد شرائط پر لوگوں نے گفتگو شروع کی اور اس بات پر زور دیا - کہ بحث وفات مسیح پر نہ ہو بلکہ آپ کے دعویٰ مسیحیت پر ہو - آپ اس بات پر زور دیتے تھے - کہ اگر پہلا مسیح فوت نہیں ہوا - تو دوسرا کوئی آ ہی نہیں سکتا - اس لئے اسی پر بحث ہونی چاہیئے - مگر مولوی لوگ نہ مانے اور نہ قسم ہی کے مطالبہ کو تسلیم کیا - ہر طرف سے شور و غل اُٹھ رہا تھا اور کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی تھی - شور اس قدر بڑھا کہ مجمع قابو سے نکلتا نظر آیا - اس پر افسر مجاز نے اس مجمع کو منتشر کرنے کا حکم دیدیا۔

لوگ اس وقت بلوے پر آمادہ تھے۔ مولوی صاحبان تو پہلے ہی باہر نکل گئے تھے۔ اور جب بہت سے لوگ نکل گئے۔ تو حضرت صاحب بھی باہر تشریف لائے۔ پولیس آپ کے ساتھ حفاظت کے لئے تھی۔ باہر آکر دیکھا کہ آپ کی گاڑیاں ان لوگوں کی شرارت سے وہاں سے جا چکی تھیں۔ حضور کو پولیس افسر نے اپنی گاڑی میں بٹھالیا۔ اور جناب مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم بھی ساتھ تھے۔ باقی کے لوگ پیدل چل کر آگئے۔

اس کے بعد ایک مباحثہ مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی سے تحریری طور پر ہوا۔ اور وہ الحق دہلی کے نام سے چھپا ہوا موجود ہے۔ اس کے بعد دہلی سے پٹیالہ تشریف لے گئے۔ یہاں سے آپ نے ایک اشتہار ۳۱ر اکتوبر ۱۸۹۱ء کو شائع فرمایا۔ اور اس میں مولوی محمد اسحٰق صاحب کو دعوت دی مگر کوئی مباحثہ نہ ہوا۔ اور یہاں سے آپ قادیان تشریف لے آئے۔

۱۸۹۲ء کے شروع میں آپ پھر لاہور تشریف لے گئے۔ ۳۱ر جنوری ۱۸۹۲ء کو آپ نے لاہور میں پبلک تقریر فرمائی۔ اور مولوی عبدالحکیم صاحب کلانوری کے ساتھ ایک مباحثہ بھی ہوا جو ۳ر فروری ۱۸۹۲ء کو ختم ہو گیا۔

لاہور سے آپ سیالکوٹ اور سیالکوٹ سے جالندھر اور جالندھر سے لدھیانہ اور لدھیانہ سے قادیان تشریف لے آئے۔

الغرض

اس طرح آپ نے متعدد سفروں کے ذریعے سے تبلیغ دعویٰ کر کے لوگوں پر اتمام حجت کر دیا۔ (مفصل سیرت المہدی حصہ دوم صفحہ ۸۵ تا ۹۳)

جماعت احمدیہ کا پہلا اجتماع

جس جماعت کی یہ کیفیت تھی۔ وہ تیغ دشمنان کی نوکوں کے باوجود بڑھ رہی تھی۔

اور یہی بات حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کا ایک بین ثبوت تھی۔ دسمبر ۱۸۹۱ء میں آپ نے اپنی جماعت کے لئے ایک سالانہ جلسہ تجویز فرمایا۔ اور پہلی مرتبہ یہ جلسہ جو چند گنتی کے افراد پر مشتمل تھا قادیان میں ہُوا۔ اور یہ گنتی کے کمزور اور غریب آدمی خدا کی بادشاہت قائم کرنے کے عزم سے جمع ہوئے تھے۔ جمع ہونے والوں کی تعداد صرف ۷۵ آدمیوں پر مشتمل تھی۔ اور دوسرے جلسے میں ۳۲۷ — اور اب خدا کے فضل سے پچیس تیس ہزار مرد اور عورتیں دور دراز مقامات سے شمولیت کے لئے حاضر ہوتے ہیں۔

الدّار میں کنُواں

حضرت اقدس کے مکان میں کوئی کنُواں نہ تھا۔ قریب کے مکانوں میں میرزا سلطان احمد صاحب کے مکان میں کنُواں تھا۔ اور یا پھر میرزا نظام الدین صاحب کے مکان میں کنُواں تھا۔ میرزا سلطان احمد صاحب تو یہاں رہتے نہیں تھے۔ تائی صاحبہ اس وقت شدید مخالف تھیں۔ اس لئے ایک دفعہ دونوں کنووں پر سے آپ کے سقّے کو گالیاں دی گئیں۔ اس طرح پانی کی بڑی دِقّت ہوگئی۔ تب آپ نے بعض دوستوں کو تحریک کی کہ ہمارا اپنا کنُواں ہونا چاہیئے۔ اور اس تحریک پر روپیہ آگیا۔ اور ۱۸۹۵ء میں سلسلہ احمدیہ کی ضرورتوں کے لئے پہلا کنُواں الدّار میں کھودا گیا۔

دُوسرا کنُواں:۔ مدرسہ احمدیہ کے قریب جو احمدیہ چوک میں کنُواں ہے۔ وُہ کھودا گیا (سیرت المہدی حصہ سوم ص۲۲۶)

اور آج قادیان میں جماعت احمدیہ کے قبضہ میں صدہا کنوئیں اور نل ہیں۔ تقریباً ہر گھر میں پانی کا مستقل انتظام ہے۔ بلکہ بعض گھروں میں تو موٹریں لگی ہوئی ہیں

اور آٹومیٹک طریق پر پانی آکر تمام گھر کی ٹونٹیوں میں بھرا جاتا ہے۔ یہ اس بیج کی ترقی کا ایک نظارہ ہے۔ جو ایک راستباز انسان کو اس کے گھر میں سے پینے کے لئے پانی سے جواب دے دیا گیا تھا۔ آج اس کی قوم صدہا کنوؤں کی مالک ہے۔ اور ان کے گھروں میں پانی نکالنے کی مشینیں لگی ہوئی ہیں۔

تعمیر گول کمرہ

۱۸۹۳ء میں مسجد مبارک کے بعد غالباً دوسری تعمیر گول کمرہ کی تعمیر تھی۔ یہ دفتر محاسب کے سامنے واقع ہے۔ اور مسجد مبارک کی پرانی سیڑھیوں میں اسکا دروازہ کھلتا ہے۔ پہلے یہ کمرہ بطور مہمان خانہ کے استعمال ہوتا تھا۔ اور اسی جگہ مہمانوں کو کھانا کھلایا جاتا تھا۔ اور کاتب اسی جگہ مسودات کی کاپیاں لکھا کرتا تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام احباب سے اسی جگہ ملاقات فرمایا کرتے تھے۔ ۱۸۹۵ء میں جب حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ پنشن لے کر آگئے۔ تو اس وقت انہوں نے گول کمرہ کے آگے دیوار بنوا کر پردہ کر لیا۔ اور اس میں اپنی رہائش رکھ لی۔

(سیرۃ المہدی حصہ سوم صفحہ ۱۲۶)

سلسلہ کی ضرورتوں کے لئے مکانوں میں اضافہ

۱۸۹۵ء میں فصیل کی زمین پر دو بڑے کمرے اور دو کوٹھڑیاں بنوائی گئیں۔ ایک بڑے کمرہ میں ضیاء الاسلام پریس قائم کیا گیا۔ اب اس جگہ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کا موٹر خانہ ہے۔ اور دوسرے بڑے کمرے میں حضرت خلیفۃ المسیح اول کا مطب تھا۔

اس کے ساتھ دو کوٹھڑیاں تھیں۔ جن میں سے ایک بطور مہمان خانہ استعمال ہوتی تھی اور دوسری میں حضرت کا کتب خانہ تھا۔ یہ سب کمرے خام اینٹوں سے بنائے گئے تھے۔ گویا اب کام اس قدر ترقی کر گیا تھا۔ کہ ایک پریس اور ایک مہمانخانہ اور ایک کتب خانہ کی بنیاد رکھی گئی۔ اور قدرت نے ایسے سامان پیدا کر دیے کہ ہندوستان کا سب سے بڑا عالم اور سب سے بڑا حاذق طبیب بھی قادیان میں آگیا یہ سب قادیان جدید میں نئے اداروں کے آغاز تھے۔ (سیرۃ المہدی حصہ سوم ص۱۲۷)

لنگر خانہ کی ابتداء

چونکہ حضرت ام المومنین حضور کے نکاح میں ۱۸۸۴ء میں آگئی تھیں۔ اور آپ کی تربیت ایک نہایت ہی معزز خاندان میں ہوئی تھی۔ اور دہلی چونکہ صدیوں سے حکومت کا پایۂ تخت تھا۔ اس لئے وہاں کے لوگوں میں نفاست اور امور خانہ داری میں جو دسترس ہونی چاہیئے تھی وہ سب حضرت ام المومنین میں موجود تھی۔ اور یہ اس لئے بھی ہوا کہ حضرت اقدس کو ایک ایسی رفیقہ حیات کی ضرورت تھی۔ جو ان تمام ذمہ داریوں میں آپ کا ساتھ دے سکے۔ اور جو بہت بڑے حوصلہ اور اعلیٰ اخلاق کی مالکہ ہو۔ اور یہ سب صفات آپ میں موجود تھیں

چنانچہ

آپ کے پاس دعوٰی ماموریت کے بعد کثرت سے لوگ آنے لگے تھے۔ اس لئے آپکو ان کے کھانے پینے اور مہمان نوازی کا فکر تھا جو حضرت ام المومنین کی وجہ سے جاتا رہا۔ ان آنے والے مہمانوں کے لئے سب سے پہلا لنگر خانہ حضور نے اپنے گھر میں ہی جاری فرمایا۔ جس کی منتظم حضرت ام المومنین ہی تھیں۔ حضور کا طریق یہ تھا کہ جو مہمان

جس قسم کے کھانے کا عادی ہو اُس کے لئے ویسا ہی کھانا پکواتے۔ اس سے بخوبی سمجھا جا سکتا ہے کہ حضرت ام المومنین کو مختلف مذاق اور مختلف درجات کے لئے الگ الگ کھانے پکوانے میں کس قدر وقت اور محنت کرنی پڑتی ہوگی۔

(سیرت المهدی حصہ اول صـ ۳۹)

گویا لنگر خانہ کی ابتداء گھر کے باورچی خانہ سے اور مہمانخانہ کی ابتداء گول کمرے سے شروع ہوئی۔ جو آج زبردست ادارے بنے ہوئے ہیں۔ جن کی تفصیل آگے چلکر دوسری جگہ آجائے گی ۞

حضرت بابا نانک صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق عظیم الشان تحقیق

۱۸۹۵ء میں آپنے ایک ایسی تحقیقات کا انکشاف فرمایا جس نے مذہبی دنیا میں ایک عظیم الشان حیرانی پیدا کر دی۔ اور وہ حضرت بابا نانک رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تھا۔ کہ آپ نے ایک لمبی تحقیقات کے بعد ہندو مذہب سے علیحدگی اختیار کر لی تھی۔ اور اسلام قبول کر لیا تھا۔ یہ مسئلہ بڑا معرکۃ الآرا تھا۔ اس پر آج تک سکھ کمیونٹی کی طرف سے صدائے احتجاج بلند ہوتی رہتی ہے۔ مگر بالآخر بعیت سے سکھوں نے اسلام قبول کر کے اس دعویٰ کی سچائی کو ثابت کر دیا۔ اور آج ہماری جماعت کا یہ ایک ایسا مسئلہ بن گیا ہے۔ جس کی اشاعت کے لئے متعدد مشنری کام کر رہے ہیں۔ اس غرض کی تحقیقات کے لئے آپنے ڈیرہ بابا نانک کا سفر اختیار کیا۔ اور وہاں جاکر چولہ صاحب دیکھا اور اس کی تصویر لی۔ اور کتاب ست بچن اس موضوع پر لکھی۔ جو

دنیا میں بابا صاحب کے اسلام کے متعلق پہلی کتاب ہے۔

عبداللہ آتھم سے مناظرہ

۱۸۹۳ء میں آپ نے عبداللہ آتھم سے بمقام امرتسر مباحثہ فرمایا۔ اس کی غرض یہ تھی کہ دنیا پر یہ واضح کیا جائے کہ دنیا میں زندہ اور آسمانی روشنی رکھنے والا مذہب صرف اسلام ہے۔ اور اس طرح عیسائی مذہب پر خصوصاً اور دیگر مذاہب پر عموماً ایک حجت قائم کی جائے۔ اس لئے آپ نے ۸ مئی ۹۳ء کو ایک رسالہ حجۃ الاسلام شائع فرمایا۔

اُدھر

ڈاکٹر مارٹن کلارک بذریعہ خطوط یہ خواہش ظاہر کر رہے تھے۔ کہ وہ علمائے اسلام سے ایک فیصلہ کن مقدس جنگ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اور یہ بھی دھمکی دی۔ کہ اگر علمائے اسلام نے مُنہ پھیر لیا تو پھر ان کو یہ حق نہیں رہے گا۔ کہ وہ مسیحی علماء کے مقابلہ میں کھڑے ہو سکیں۔ اس لئے حضرت کی غیرت نے ہرگز پسند نہ کیا۔ کہ مسیحی پادری اس میدان میں للکارتے رہیں۔ آپ نے فوراً اس چیلنج کو قبول فرما لیا۔ اور لکھا کہ :-

"ہماری عین مراد ہے کہ جنگ وقوع میں آ کر حق و باطل میں کھلا کھلا فرق ظاہر ہو جائے"

بلکہ ایک وفد بھی اُن کے پاس بھیجا تاکہ یہ جنگ مقدس ہو کر فیصلہ ہو جائے۔ اس سے صاف معلوم ہو سکتا ہے کہ آپ کو اسلام کی سچائی پر کس قدر یقین تھا۔ اور یہ کہ اس وقت ہندوستان میں اسلام کی حفاظت اور دفاع کا واحد سپہ سالار

آپ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ اس مباحثہ کے ساتھ آپکی طرف سے عیسائیوں کو

دعوتِ مباہلہ

بھی دی گئی۔ اور فرمایا کہ ہر چھ دن کے بعد فریقین میں مباہلہ ہو۔ اور اس قدر کافی ہوگا کہ ہر فریق اپنے اپنے مذہب کی سچائی کے لئے اپنے اپنے رب سے کوئی نشان طلب کرے۔ جس کی مدت ایک سال کی ہو۔ پھر جس فریق کی تائید میں ایسا نشان ظاہر ہو جو انسانی طاقت سے بالا ہو۔ اور جس کا مقابلہ فریق مخالف نہ کر سکے۔ تو اس صورت میں لازم ہوگا کہ مغلوب فریق غالب فریق کا مذہب اختیار کرلے۔ اور اگر مذہب قبول نہ کرے تو اپنی نصف جائداد سچے مذہب کی امداد کے لئے غالب فریق کے حوالے کر دے۔ یہ مباحثہ جنگِ مقدس کے نام سے چھپا ہوا موجود ہے۔ جو ۲۲ر مئی ۱۸۹۳ء سے لیکر ۵ر جون ۱۸۹۳ء تک بمقام امرتسر ہوا۔

ڈپٹی عبداللہ آتھم کے متعلق پیشگوئی

آپ نے آخری دن عبداللہ آتھم کے متعلق پیشگوئی فرمائی جو مختصراً یہ ہے کہ "وہ (عبداللہ آتھم) انہی دنوں مباحثہ کے لحاظ سے فی دن ایک مہینہ یعنی ۱۵ ماہ تک ہاویہ میں گرایا جاوے گا۔ اور اس کو سخت ذلت پہنچے گی۔ بشرطیکہ وہ حق کی طرف رجوع نہ کرے۔"

اس پیشگوئی کا اصل باعث یہ تھا کہ اُس نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو نعوذ باللہ دجال کہا تھا۔

اس مباحثہ کا نتیجہ

عیسائیوں پر یہ بات ظاہر ہوگئی۔ کہ خدا تعالےٰ نے اسلام کی خدمت کیلئے

ایک جری پیدا کر دیا ہے۔ چنانچہ اس مباحثہ کے بعد ایک خفیہ سرکلر شائع کیا گیا۔ کہ کوئی پادری کسی احمدی سے مباحثہ نہ کرے اور عملاً اس پر عمل ہوتا رہا۔

آتھم کا رجوع

اس پیشگوئی کے بعد آتھم بہت ڈرا، اور اُس نے آنحضرت صلعم کی توہین کرنے سے رجوع کر لیا۔ اور کانوں کو ہاتھ لگا کر اقرار کیا کہ میں نے آنحضرت صلعم کو دجال نہیں کہا۔ اس لئے وہ حسب شرط حق کی طرف رجوع کرنے کی وجہ سے موت سے بچ گیا۔ اور اس طرح یہ پیشگوئی پہلی دفعہ رجوع کی شان کے ساتھ پوری ہوئی۔

مگر

عیسائیوں اور دیگر مخالفین نے بڑا شور مچایا اور یہ کہا کہ پیشگوئی غلط ثابت ہوئی۔ ظاہر پرست لوگوں کو رجوع کی شرط کی طرف توجہ ہی نہ ہوتی تھی۔ تب آپ نے ایک رسالہ تصنیف فرمایا۔ جسکا نام

انوار الاسلام

رکھا۔ اس میں آپ نے اس پیشگوئی کے درخشاں چہرے سے نقاب کشائی فرمائی۔ اور عیسائیوں کی پردہ دری کے لئے ایک اور مباہلہ کا چیلنج دیا۔ جسمیں آپ نے لکھا کہ:۔

"مباہلہ اس طور پر ہو گا کہ ایک تاریخ مقرر ہو کر ہم فریقین ایک میدان میں حاضر ہوں۔ اور مسٹر عبد اللہ آتھم صاحب کھڑے ہو کر تین مرتبہ ان الفاظ کا اقرار کریں۔ کہ اس پیشگوئی کے عرصہ میں اسلامی رُعب ایک طرفۃ العین کے لئے بھی میرے دل پر نہیں آیا۔ اور میں اسلام اور نبی اسلام (صلے اللہ علیہ وسلم)

کو ناحق پر سمجھتا رہا اور سمجھتا ہوں اور صداقت کا خیال تک نہیں آیا۔ اور حضرت عیسیٰ کی ابنیت اور الوہیت پر ایمان رکھتا رہا اور رکھتا ہوں۔ اور ایسا ہی یقین جو فرقہ پروٹسٹنٹ کے عیسائی رکھتے ہیں۔ اور اگر میں نے خلاف واقعہ کہا ہے اور حقیقت کو چھپایا ہے۔ تو اے خدائے قادر مجھ پر ایک برس میں عذاب موت نازل کر۔ اور اس دعا پر ہم آمین کہیں گے"

حضرت نے لکھا اگر ایک سال میں اس پر عذاب نازل نہ ہوا۔ تو ہم ایکہزار روپیہ بطور تاوان آتھم صاحب کو دیں گے۔

اس اعلان کے جواب کیلئے آپ نے ایک ہفتہ کی مہلت رکھی مگر عیسائیوں کی طرف سے کوئی جواب شائع نہ ہوا۔

دو ہزار روپیہ تاوان

ایک ہفتہ کی انتظار کے بعد آپ نے ایک اشتہار شائع کیا جس میں لکھا کہ پادری عبداللہ آتھم صرف قسم کھا کر انکار کر دیں۔ کہ میں نے اندرونی طور پر رجوع الی الحق نہیں کیا۔ اور پھر اگر اُن پر عذاب الٰہی نازل نہ ہو تو ان کو بجائے ہزار روپیہ کے دو ہزار روپیہ تاوان دیا جائے گا۔ اس پر عبداللہ آتھم نے اخبار نور افشاں میں اقرار کیا:۔

"میں عام عیسائیوں کے ساتھ عقیدہ ابنیت والوہیت کے ساتھ متفق نہیں۔ اور ان عیسائیوں سے متفق نہیں

ہوں جنہوں نے آپ کے ساتھ کچھ بے ہودگی کی۔"

(نور افشاں ۱۳ ستمبر ۱۸۹۴ء)

تین ہزار روپیہ تاوان

عیسائیوں نے آتھم کے اس قدر بیان پر بڑا شور مچایا۔ مگر جادو وہ جو سر پر چڑھ کر بولے۔ جب پندرہ دن وہ مباحثہ کرتا رہا۔ تو آج اس کا یہ کہنا کہ میں ابنیت اور الوہیت کے مسئلہ میں عام عیسائیوں سے متفق نہیں۔ یہ رجوع نہیں تو اور کیا تھا

مگر

حضرت اقدس نے عیسائیوں پر فرار کی سب راہیں بند کر دیں۔ اور ایک اور اشتہار قسم کے مطالبے کا دیا۔ اور اب کے رقم تاوان تین ہزار روپیہ کر دی۔

اس کا جواب ڈاکٹر کلارک نے گندہ دہنی سے دیا اور لکھا کہ

"ہمارے مذہب میں قسم جائز نہیں۔"

ایک اور اشتہار

اس پر آپ نے ۲۷ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو ایک اور اشتہار نکالا۔ جس میں انجیل اور بائیبل سے قسم کا جواز ثابت کیا۔ اور بتلایا کہ پولوس رسول نے خود قسم کھائی ہے۔ اور پطرس نے قسم کھائی ہے۔ اور زبور میں لکھا ہے۔

"جو جھوٹا ہے وہی قسم نہیں کھاتا" (زبور ۶۳/۱۱)

تم عدالتوں میں قسمیں کھاتے ہو۔ بادشاہ انگلستان تاجپوشی کے وقت

قسم کھاتا ہی اور لاٹ پادری قسم دیتا ہے۔

یہ ایک ایسا وزنی پتھر تھا جس کے بعد عیسائی نمائندگان نے ہمیشہ کی خاموشی اختیار کرلی۔ اور یہ خاموشی اسلام کی فتح عظیم تھی۔ کیونکہ زبور کے فتوے کے مطابق وہی جھوٹے تھے۔

آتھم کی موت کا حتمی اعلان

اور

چار ہزار روپیہ تاوان

اس سلسلہ میں حضور نے آخری اشتہار ۲۷ اکتوبر ۱۸۹۴ء کو شائع فرمایا۔ جس میں تاوان کی رقم چار ہزار روپیہ کردی اور آتھم کی موت کا حتمی اعلان فرمادیا۔ آپ نے لکھا۔

"اب اگر آتھم صاحب قسم کھالیویں تو وعدہ ایک سال قطعی اور یقینی ہے۔ جس کے ساتھ کوئی بھی شرط نہیں اور تقدیر مبرم ہے۔ اور اگر قسم نہ کھاویں۔ تو پھر بھی خدا تعالیٰ ایسے مجرم کو بے سزا نہیں چھوڑے گا۔ جس نے حق کا اخفاء کرکے دنیا کو دھوکا دینا چاہا۔ اور وہ دن نزدیک ہیں دُور نہیں یعنی اس کی موت کے دن۔"

۳۰ دسمبر ۱۸۹۵ء کو آپ نے ایک اور اعلان شائع فرمایا۔ جس میں لکھا:۔

"آتھم صاحب اگر قسم نہیں کھائیں گے تو اس انکار سے جو ان کا اصلی مدعا ہے یعنی باقیماندہ عمر سے ایک کافی حصہ پانا۔

ان کو ہرگز حاصل نہیں ہوگا۔ بلکہ انکار کے بعد جوان کی بیباکی کی علامت ہے۔ جلد ہی اس جہان سے اٹھائے جائیں گے۔"

اس اعلان کے بعد پادری عبداللہ آتھم ۲۷ر جولائی ۱۸۹۶ء کو پیشگوئی کے مطابق موت کے ذریعے ہاویہ میں گرائے گئے۔

سبحان اللہ ۔ اللہ اعلیٰ ۔ ظہر الحق۔
قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ؕ

یہ واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی شان، قوت قدسی اور اسلام کی سچائی پر قیامت تک ایک روشن اور چمکدار نشان بن کر چمکتا رہے گا۔

حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کی پیدائش

۱۸۹۳ء میں اللہ تعالیٰ کی قبل از وقت دی ہوئی خبروں کے مطابق حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے جو سلسلہ عالیہ احمدیہ ہیں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک بہت بڑے ستون ہیں۔ اور جن کا ایک ایک لمحہ خدمت دین اور تائید و نصرتِ حق کے لئے وقف ہے۔ آپ کی پیدائش مورخہ ۲۰ر اپریل ۱۸۹۳ء بروز جمعرات بوقت صبح بعد طلوع آفتاب ہوئی۔ آپ کی پیدائش کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی صداقت کا ایک نشان قرار دیا۔ اور حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۷ پر ۳۵ پینتیسواں نشان کے طور پر شائع فرمایا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کُل اولاد

آپ کی پہلی بیوی سے میرزا سلطان احمد صاحب اور میرزا فضل صاحب دو لڑکے

پیدا ہوئے تھے۔ میرزا فضل احمد صاحب کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق نہ ملی۔ میرزا سلطان احمد صاحب نے اپنی عمر کے آخری حصہ میں اس سعادت عظمیٰ کو پالیا۔

حضرت ام المومنین کے بطن مبارک سے مبشر اولاد پیدا ہوئی۔ جس کی تفصیل یوں ہے :۔

۱۔ صاحبزادی عصمت ۱۸۸۶ء میں پیدا ہوئی اور ۱۸۹۱ء میں فوت ہوگئیں

۲۔ صاحبزادہ بشیر احمد اول ۱۸۸۷ء میں پیدا ہوئے اور ۱۸۸۸ء میں فوت ہوگئے۔

۳۔ حضرت امیر المومنین میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ۱۸۸۹ء میں پیدا ہوئے۔

۴۔ صاحبزادی شوکت ۱۸۹۱ء میں پیدا ہوئی اور ۱۸۹۲ء میں فوت ہوگئی۔

۵۔ حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے ۱۸۹۳ء میں پیدا ہوئے۔

۶۔ حضرت صاحبزادہ میرزا شریف احمد صاحب ۱۸۹۵ء میں پیدا ہوئے۔

۷۔ نواب سیدہ مبارکہ بیگم صاحبہ ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوئیں

۸۔ صاحبزادہ مبارک احمد صاحب ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے اور ۱۹۰۷ء میں فوت ہوگئے۔

۹۔ سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ ۱۹۰۴ء میں پیدا ہوئیں

یہ کل ۹ بچے ہیں۔ نمبر ۱ و ۲۔ نمبر ۴۔ نمبر ۸ وفات پاگئے ہیں۔ باقی جو پانچ رہے۔ اُن کی نسبت حضرت نے فرمایا ؎

یہ پانچوں جو کہ نسل سیدہ ہیں
یہی ہیں پنج تن جن پر بنا ہے
(سیرۃ المہدی حصہ اول ص ۴۰)

آئندہ دنیا کی اصلاح کے لئے اللہ تعالےٰ نے ان پانچوں کو بہت برکت دینے کے وعدے فرمائے۔ اور اُن کے ذریعے اللہ تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولاد کو دنیا میں پھیلانے کا وعدہ فرمایا ؛

عربی زبان پر آپ کی قدرت
اور
عربی زبان اُمُّ الالسنہ ہے

آپ کو خدا تعالیٰ نے غیر معمولی طور پر عربی زبان کی فصاحت و بلاغت عطا فرمائی تھی۔ اور یہ فصاحت و بلاغت آپ کی سچائی کا ایک بیّن نشان تھا۔ ۱۸۹۳ء میں آپ نے ہندوستان کے علماء کو ایک چیلنج دیا تھا۔ کہ وہ آئیں اور آپ کے ساتھ عربی نویسی کا مقابلہ کرلیں۔ مگر خدا تعالیٰ نے ان کی ہمتیں سلب کرلیں اور کسی کو آپ کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔

پھر آپ نے اعلان فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو چالیس ہزار مادہ عربی کا سکھایا ہے۔ اور یہ تحدی فرمائی کہ آپ کے مقابلہ عربی میں کوئی عرب بھی نہیں ٹھہر سکتا۔ نہ فرد واحد اور نہ جماعت۔ چنانچہ آپ نے متعدد عربی کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں نظم بھی تھی اور نثر بھی۔ مقفّٰی اور غیر مقفّٰی۔ مسجع اور غیر مسجع۔ آسان اور مشکل۔ آپ کی عربی دانی کو کوئی عرب اور غیر عرب نہ پہنچ سکا۔ چنانچہ آپ نے عربی زبان میں ۲۱ کتابیں تصنیف فرمائیں۔ جن میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔ التبلیغ۔ حمامۃ البشریٰ۔ منن الرحمٰن۔ لجۃ النور۔ خطبہ الہامیہ۔ الہدیٰ۔ اعجاز المسیح۔ اعجاز احمدی۔ سیرۃ الابدال۔ نور الحق حصہ اول و دوم۔ الاستفتاء (سلسلہ احمدیہ)

اس سلسلہ میں سب سے عظیم الشان انکشاف جو آج تک دنیا کا کوئی

بڑے سے بڑا لُغت کا امام بھی نہیں کر سکا۔ وہ آپ کا یہ دعویٰ تھا کہ

عربی زبان دنیا کی زبانوں کی ماں ہے

اس طرح سے آپ نے دنیا پر ثابت کر دیا کہ افصح اللسان، اقدم اللسان اور ام الالسنہ عربی ہے۔ اس لئے یہی زبان اس قابل تھی کہ قرآن کریم کی زبان ہوتی اس موضوع پر آپ نے ایک کتاب منن الرحمٰن تصنیف فرمائی (سلسلہ احمدیہ)

مخالفینِ احمدیّت پر قطعی حجّت

صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجّت پامال
سیف کا کام قلم سے ہے دکھایا ہم نے
(مسیح موعود)

آپ کی مخالفت کا آغاز ۱۸۹۱ء سے ہو گیا تھا۔ اس سلسلہ میں مخالف علماء نے ہر طرح کے طریق مخالفت ایجاد کئے۔ ہر طرح کی گالیاں۔ گندہ دہنی۔ تقریر و تحریر کے حربے۔ کفر کے فتوے استعمال کئے گئے۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں؂

زعم ہیں اُن کے مسیحائی کا دعویٰ میرا
افتراء ہے جسے از خود ہی بنایا ہم نے

کافر و ملحد و دجّال ہمیں کہتے ہیں
نام کیا کیا غمِ ملت میں رکھایا ہم نے

گالیاں سُن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

بالآخر

جب ان گالیوں اور تکفیر بازی سے کام نہ چلا۔ تو ان لوگوں نے حضرت کو مباہلہ کی دعوت دی۔ تاکہ جو خدا کی نظر میں جھوٹا ہے۔ اس پر لعنت کی مار ہو۔

مگر

حضور نے اس وقت تک کہ خود خدا تعالیٰ نے اُن کے ظلموں کی انتہاء کو دیکھکر آسمان سے مباہلہ کی اجازت نہ دے دی اور اپنی تائید اور نصرت کا وعدہ نہ فرما دیا، خاموشی اور اجتناب سے کام لیا۔ اس سے ان تیرہ باطنوں کو جرأت اور دلیری ہوتی گئی۔ اور وہ اپنے ظلم وجور میں بڑھتے چلے گئے۔ تب سنہ ۱۸۹۲ء میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مامور و مرسل کو ان لوگوں سے مباہلہ کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی۔ اس پر آپ نے ایک اعلان عام فرمایا۔ کہ

"اب جو شخص چاہے میرے سامنے آکر میرے دعاوی کے بارے میں مباہلہ کرلے۔ اور پھر اسلامی تعلیم کے ماتحت ایک سال کے اندر دیکھ لے کہ خدا کیا نتیجہ ظاہر کرتا ہے" (سلسلہ احمدیہ)

سنہ ۱۸۹۶ء میں آپ نے ایک لمبی فہرست مسلمان علماء اور گدی نشینوں کی شائع فرمائی۔ اور ان کو نام لے لے کر مباہلہ کے لئے پکارا۔ مگر کسی کو آپ کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اس سلسلہ میں آپ نے جو چیلنج دیا وہ بڑا پُر شوکت اور پُر تحدی تھا۔ اور انجام آتھم میں شائع شدہ ہے۔

آپ نے اس میں لکھا کہ اگر میرے مقابلہ میں دو ہزار آدمی بھی آئیں گے۔ تو اُن میں سے ایک بھی عذاب سے نہ بچیگا۔ مگر کسی کو خدا کے اس بہادر مرسل کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوئی۔ اور یہ چمکدار نشان علماء اور سجادہ نشینوں کی خاموشی کے ساتھ ہمیشہ کے لئے قائم ہوگیا۔ کہاں ان کی وہ دلیریاں تھیں کہ وہ میدان میں آآ کر للکارتے تھے اور کہاں یہ حالت کہ گویا اُن کو موت نے ہمیشہ کے لئے خاموش کر دیا۔ یہ قوت اور یہ جرأت ایک راستباز مامور و مرسل میں ہی ہوسکتی ہے ؏

جلسہ مذاہب میں آپ کی کامیابی

۲۹ر دسمبر ۱۸۹۵ء میں آپ نے ایک اشتہار جلسہ تحقیق مذاہب کے عنوان سے شائع فرمایا۔ جس میں آپ نے یہ تجویز فرمائی کہ ایک مشترکہ جلسہ قادیان میں کیا جائے جس میں ہر مذہب و ملت کے نمائندے شریک ہو کر اپنے اپنے مذہب کی خوبیاں بیان کریں۔ اور اس کے تمام اخراجات مہمان نوازی کے آپ نے اپنے ذمہ لینے کا اعلان فرمایا۔ مگر اس وقت جلسہ کہ معمولی ہے کسی نے اس طرف توجہ نہ کی لیکن دوسرے سال کچھ ہندو صاحبان کی طرف سے ایسی تحریک ہوئی۔ اور ۲۶-۲۷-۲۸ر دسمبر ۱۸۹۶ء میں یہ کانفرنس مذاہب لاہور میں منعقد ہوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی اس میں دعوت شرکت آئی۔ سوالات مقرر شدہ تھے۔ آپ نے اس پر ایک تقریر لکھی۔ جو اسلامی اصول کی فلاسفی کے نام سے شائع شدہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو قبل از وقت یہ اطلاع دے دی تھی کہ

یہ مضمون سارے مضمونوں پر غالب رہیگا

(اشتہار ۲۱ر دسمبر ۱۸۹۶ء حقیقۃ الوحی نشان نمبر ۱۱۱)

چنانچہ خدا کے وعدے کے مطابق ویسا ہی ہوا۔ اور اس طرح آپ کے ہاتھ سے تمام ادیان پر اسلام کو غلبہ حاصل ہوا۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

پنڈت لیکھرام کی موت

پنڈت لیکھرام کا ذکر پہلے آچکا ہے۔ اُنہوں نے ایک نشان مانگا تھا۔ جو

ان کو ان کی موت کے متعلق دیا گیا۔ اس پیشگوئی کے مطابق ۶ مارچ ۱۸۹۷ء
کو پنڈت لیکھرام کسی نامعلوم شخص کے ہاتھ سے قتل ہوئے پنڈت لیکھرام کی
موت سے پنجاب میں خصوصاً اور سارے ہندوستان میں عموماً بہت بڑا
اشتعال پیدا ہو گیا۔ مسلمانوں پر ہندوؤں نے اس قتل کے بہانہ سے طرح طرح
کی سختیاں بھی کیں جن کے ذکر کی یہاں گنجائش نہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر
کھلم کھلا الزام قتل لگایا گیا۔ اور آپ کے مکان کی تلاشی بھی کروائی گئی اور خفیہ
پولیس کے آدمی سپیشل ڈیوٹیوں پر لگوائے گئے۔ مگر کوئی بھی ثبوت نہ مل سکا۔ کہ
حضرت اقدس کا ہاتھ اس قتل میں تھا۔ آپ نے ان دنوں میں بھی اشتہارات
شائع کرائے۔ جن میں تحریر فرمایا:۔

"اگر کسی کو یہ شبہ ہے کہ میں نے خود پنڈت لیکھرام کو قتل کروا دیا ہے
تو اس کا آسان علاج یہ ہے کہ ایسا شخص میرے مقابل پر ظاہر کر کے غلاظ
قسم کھا جاوے۔ کہ پنڈت لیکھرام کو میں نے قتل کروایا ہے۔ پھر اگر وہ
خود ایک سال کے عرصہ میں ہلاک نہ ہو۔ تو میں جھوٹا ہوں اور کچھ مدت
میں میں اُسے دس ہزار روپیہ انعام بھی دوں گا۔"

مگر

اس طریق فیصلہ کے لئے کوئی آگے نہ بڑھ سکا۔ اور اس طرح پنڈت لیکھرام کی موت
ایک دفعہ نہیں بلکہ دو دفعہ اسلام کی سچائی پر قیامت تک کے لئے سورج کی طرح
چمکتی حجت بن گئی۔

بادشاہوں کو تبلیغ

۱۸۹۶ء میں آپ نے امیر کابل کی خدمت میں ایک پیغام بھیجا جس میں انکو

احمدیت کی صداقت کی طرف دعوت دی تھی۔ مگر انہوں نے کوئی توجہ نہ کی۔ اور وہ کرتے بھی کیسے، جبکہ افغانستان کی سرزمین احمدی بے گناہوں کے خون کی پیاسی ہو رہی تھی۔

ملکہ وکٹوریا کو اسلام کی دعوت

۱۸۹۷ء میں ملکہ وکٹوریا کی ساٹھ سالہ جوبلی تھی۔ اس جوبلی کے موقع پر آپ نے قادیان میں ایک جوبلی کا جلسہ کرایا۔ اور ملک کو پُر امن رہنے کی تلقین کی۔ اور امن وامان کے لئے دعا فرمائی۔ غرباء کو کھانا کھلایا۔ اور رات کو چراغان کیا یہ سب کچھ ایک پُر امن اور وفادار شہری کے طور پر آپ نے کر کے لوگوں کے لئے ایک مثال قائم کر دی۔ مگر اسی پر اکتفاء نہ کرتے ہوئے آپ نے **تحفہ قیصریہ** ایک کتاب تصنیف فرما کر ملکہ معظمہ کو دعوتِ اسلام دی۔ اور اسے عمدہ جلد کروا کر ایک مراسلہ کے ساتھ ولایت بھجوایا۔ قبول کرنا یا نہ کرنا ان کا کام تھا۔ مگر آپ نے اس حق کو جو بحیثیت ایک نبی کے آپ پر تھا ادا کر دیا۔ (سلسلہ احمدیہ)

اقدامِ قتل کا مقدمہ

۱۸۹۷ء میں پادری مارٹن کلارک نے آپ کے خلاف اقدام قتل کا مقدمہ بنایا اس میں ایک مسلمان لڑکے سے اقبالی بیان کرا دیا۔ ایک آریہ وکیل عیسائیت کی مدد کے لئے مفت پیش ہوا۔ مولوی محمد حسین بٹالوی نے بڑی عالمانہ شان کے ساتھ گواہی دی۔ اور اس طرح ان سب حق کے دشمنوں نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ وہ آپ کو

سزا دلا سکیں۔ مگر

خدا تعالیٰ نے کپتان ڈگلس کو جو ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ گورداسپور تھے حقیقت کے سمجھنے کی توفیق دے دی۔ اور اس نے جان لیا کہ یہ سب ایک سازش ہے۔ چنانچہ اس اقبالی لڑکے نے بھی حقیقت بیان کر دی۔ کہ مجھے ایسا کہا گیا تھا۔ تب اس حاکم نے آپ کو بڑی عزت کے ساتھ بری کر دیا۔

انسانی منصوبے اپنی انتہاء کو پہنچ چکے تھے۔ خدا کا یہ برگزیدہ اور معصوم انسان عدالت میں مجرموں کی صف میں کھڑا کیا گیا تھا۔ اور دشمنوں کی آنکھیں آپ کو کسی انتہائی سزا کے لئے لے جاتے ہوئے دیکھنے کے لئے منتظر تھیں۔ مگر وہاں ایک ہستی اور بھی تھی جو اُسے کہہ رہی تھی کہ تیرے دشمن ذلیل و خوار ہوں گے۔ اور تو کامیاب و کامران ہو گا۔

مجھ کو پردے میں نظر آتا ہے اک میرا معین — تیغ کو کھینچے ہوئے اس پر کہ جو کرتا ہے وار

دشمن غافل اگر دیکھے وُہ بازو وُہ سلاح — ہوش ہو جائیں خطا اور بھول جائے سب نقار

(مسیح موعودؑ)

اس لئے سب منصوبے خاک میں مل گئے اور اس مقدمہ میں مولویوں، پادریوں اور آریوں کو ناقابل برداشت ہزیمت اٹھانی پڑی۔ عدالت نے آپ کو حق دیا تھا۔ کہ آپ مقدمہ کرنے والوں کے خلاف قانونی چارہ جوئی کریں۔ مگر آپ نے فرمایا۔ کہ

خدا نے مجھے اپنے وعدے کے مطابق بری کر دیا۔ اور وہ میرا محافظ ہے۔ مجھے اپنے مخالفوں کے خلاف انتقامی چارہ جوئی کی ضرورت نہیں۔

جاؤ! ڈھونڈھو!! اور ساری دُنیا چھان مارو!!! اور پھر بتاؤ کہ ان اخلاق کا حامل کوئی انسان آج دنیا میں کہیں نظر آتا ہے؟ ہاں تاریخ بتاتی ہے کہ انبیاء ہی

یہ خلق عظیم ظاہر ہوا کرتا ہے۔ فتح مکہ کے دن سید الانبیاء نے فرمادیا تھا

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ

اور آج مسیح محمدی کی برأت کے دن اس نے اپنے دشمنوں سے کہدیا۔ کہ جاؤ مجھے تمہارے خلاف انتقامی چارہ جوئی کی ضرورت نہیں۔

ان ہزارہا واقعات کو چھوڑ دو۔ جن کا ذکر میں اس چھوٹی سی کتاب میں کر ہی نہیں سکتا۔ کوزے میں دریا تو شاید بند ہو سکے۔ مگر سمندر جو اپنی لا انتہاء وسعت اور گہرائی کی وجہ سے بے پایاں ہے، اسے کون کوزے میں بند کر سکتا ہے۔ ہاں چھوڑ دو ان ہزارہا واقعات کو اور صرف اسی ایک واقعہ کو لے لو۔ اور اپنے قلب پر ہاتھ رکھکر ذرا دیکھو۔ کہ تم کو اس دنیا میں زمرۂ انبیاء کے سوا کوئی آدمی ایسا نظر آتا ہے۔ جس کی موت کے لئے منصوبہ بازیاں ہوں۔ خدا کا خوف دل سے نکال ڈالا جائے۔ اسے عدالتوں میں گھسیٹا جائے اور ہر جھوٹا منصوبہ تیار کیا جائے۔ علماء راستی کو چھوڑ دیں، پادری جھوٹ جیسی لعنت اختیار کر لیں۔ اور اس طرح کوئی جائے امان اس کے لئے باقی نہ رہنے دی جائے۔ اور وہ باوجود اس کے ان جلتی ہوئی بھٹیوں اور ان سارے انسان کش راستوں سے اللہ تعالٰے کی مہربانی سے صحیح وسلامت گذر جانے کے بعد اپنے دشمنوں کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھے اور یہ کہتا ہوا باہر آجائے۔ کہ

مجھے اپنے مخالفوں کے خلاف انتقامی چارہ جوئی کی ضرورت نہیں

بتلاؤ! کہ کسی نے ایسا انسان کبھی روزمرہ کی زندگی میں دیکھا ہے؟ ہرگز نہیں۔ ہرگز نہیں؛

ترکی قونصل کی آمد

اسی ۱۸۹۷ء میں سلطان عبد الحمید کے زمانے میں حسین کامی سفیر مصر

حکومت ٹرکی کے ایماء پر قادیان آیا۔ تاکہ سلطنت ٹرکی کے مستقبل کے متعلق دریافت کرے۔ اس کے بہت زور دینے پر حضرت نے اللہ تعالےٰ کی طرف توجہ فرمائی اور اُسے حسب ذیل جواب دیا:۔

"میں نے اُسے صاف طور پر کہہ دیا۔ کہ سلطان کی حکومت کی حالت اچھی نہیں ہے۔ اور میں کشفی طور سے اس کے ارکان کی حالت اچھی نہیں دیکھتا۔" (اشتہار ۲۴ مئی ۱۸۹۷ء)

یہاں ٹرکی کی تاریخ کا میں مفصل ذکر نہیں کر سکتا۔ مگر اس قدر کہہ دینا کافی ہوگا۔ کہ نوجوان ترکوں کی پارٹی نے انقلاب عظیم برپا کیا۔ اور سلطان عبدالحمید جیسا زبردست شخص تخت سے اُتارا گیا۔ اور ساری عمر نظر بندی میں سڑتا رہا۔ اس کے بعد کسی بھی سلطان کو امن سے بیٹھنا نصیب نہ ہُوا۔ حتیٰ کہ سلطان وحیدالدین کو بھاگنا پڑا۔ اور سلطان عبدالمجید خاں کو ترکوں نے خود نکال دیا۔ اور حسین کامی بے بھی حکومت کا معتوب ہُوا اور سب املاک ضبط کروا بیٹھا۔ حضرت نے یہ بھی اُسے فرمایا تھا کہ

"روم کی موجودہ حالت بربادی کو چاہتی ہے۔"

اس ایک فقرے میں ٹرکی کی گذشتہ پچاس سال کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ جن کی نظر تاریخ پر ہے وہ میرے اس قول کی تائید کریں گے۔ چنانچہ حضور نے جیسے فرمایا ویسے ہی ہو کر رہا۔

اخبار الحکم کا اجراء

۱۸۹۷ء میں ایک اور اہم کام کا آغاز ہُوا۔ ہمارے سلسلہ کا اپنا کوئی اخبار نہ تھا۔ خدا تعالےٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کلمات اور ملفوظات کو جمع کرنے

اوران کی اشاعت کا کام کرنے کے لئے ایک اخبار کا انتظام فرما دیا۔ یہ اخبار الحکم تھا۔ جسے میرے والد صاحب حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی قبلہ نے امرتسر سے جاری فرمایا۔ اور ۱۸۹۸ء کے شروع میں اسے مستقل طور پر قادیان لے آئے۔ الحکم سلسلہ کا پہلا اخبار تھا۔ اور حضرت والد صاحب پہلے اخبار نویس۔ والد صاحب قبلہ کو سلسلہ کی بہت سی اولیات میں حصہ لینے کا شرف ملا۔ جس کا ذکر پھر کسی جگہ آئے گا۔ الحمد للہ کہ الحکم اب تک زندہ ہے۔ اور میں جو الحکم کی پیدائش کے ساتھ ہی ۱۸۹۷ء میں پیدا ہوا تھا۔ آج اس کی خدمت پر مامور ہوں۔

مدرسہ تعلیم الاسلام قادیان

جماعت اب بڑھ رہی تھی۔ اس کی ضرورتوں میں بھی اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ جماعت جسے پہلے دن سے مٹانے کی سعی کی جا رہی تھی۔ اور دبایا جا رہا تھا۔ اور ہر طرف سے کچلنے کی سعی کی جا رہی تھی۔ اب اس قدر بڑھ گئی تھی۔ کہ اس کے بچوں کے لئے اپنے مدرسے کی تجویز ہوئی۔ یہ تجویز ۱۸۹۷ء میں ہوئی اور ۱۸۹۸ء میں اس مدرسہ کا آغاز ہو گیا۔ اور اس کے پہلے ہیڈ ماسٹر حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی قبلہ مقرر ہوئے۔ اور ابتدائی مدرسین میں سے جناب بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی اور مفتی فضل الرحمٰن صاحب مرحوم تھے۔ اور والد صاحب کی جگہ بعد میں ماسٹر قادر بخش صاحب تھے۔ اس کے علاوہ انسپکٹر حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے۔ اور ڈائرکٹر جناب نواب محمد علی خان صاحب آف مالیر کوٹلہ تھے۔

جماعت کی اندرونی تربیت

اسی سال آپ نے دو جدید احکام اللہ تعالےٰ سے وحی پا کر جماعت کے لئے

جاری فرمائے۔ اوّل یہ کہ:۔

"یاد رکھو کہ جیسا کہ خدا نے مجھے اطلاع دی ہے۔ تمہارے پر حرام اور قطعی حرام ہے کہ کسی مکفر یا مکذّب یا متردّد کے پیچھے نماز پڑھو۔ بلکہ چاہیئے کہ تمہارا امام وہی ہو جو تمہیں میں سے ہو" (تحفہ گولڑویہ)

دوم ۔ احمدی لڑکی کا رشتہ غیر احمدی لڑکے سے نہ کیا جائے۔ فرمایا:۔

"کوئی احمدی لڑکی غیر احمدی مرد سے نہ بیاہی جائے" (اشتہار ۷ رجون ۱۸۹۸ء)

"مسیح ہندوستان میں"

۱۸۹۹ء میں آپ نے ایک جدید تصنیف فرمائی۔ جس میں مسیح کے ہندوستان آنے اور کشمیر میں سکونت اختیار کرنے اور بالآخر وہیں فوت ہو جانے کا مکمل ثبوت مہیا فرمایا۔ یہ ایک ایسی عظیم الشان تحقیقات ہے کہ جس کا جواب کوئی عیسائی اور پادری نہیں دے سکا۔ اس تصنیف نے مذہبی دنیا میں ایک ایسی مدلل چیز پیدا کر دی۔ کہ جو عیسائیت کے بودے دلائل کی حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ایک لاثانی شاہکار ہے۔ عیسائی قومیں جس وقت ان دلائل کی طرف توجہ کریں گی۔ تو اُن میں عیسائیت کے متعلق ایک ردِّ عمل پیدا ہو جائے گا۔

بیس ہزار روپیہ کے تاوان کا اعلان

۱۸۹۸ء میں آپ نے مسیح کے نزول کی بحث پر ایک آخری اور کاری ضرب لگائی۔ آپ نے کتاب "کتاب البریہ" تصنیف فرمائی۔ اور اس میں مسیح کے نزول کے متعلق

ایک ایسی بصیرت افروز بحث لکھی کہ جس کے بعد کوئی گنجائش اس شک کی نہیں رہتی کہ مسیح کے آسمان سے نازل ہونے کا مسئلہ بالکل لغو اور بے معنی ہے۔ آپ نے لکھا کہ:۔

"اگر اسلام کے تمام فرقوں کی حدیث کی کتابیں تلاش کرو۔ تو صحیح حدیث تو کیا وضعی حدیث بھی ایسی نہیں پاؤ گے جس میں یہ لکھا ہو کہ حضرت عیسےٰؑ جسم عنصری کے ساتھ آسمان پر چلے گئے تھے۔ اور پھر کسی زمانہ میں زمین کی طرف واپس آئیں گے۔ اگر کوئی ایسی حدیث پیش کرے۔ تو ہم ایسے شخص کو بیس ۲۰ ہزار تک تاوان دے سکتے ہیں۔ اور توبہ کرنا اور اپنی تمام کتابوں کو جلا دینا اس کے علاوہ ہو گا۔ جس طرح چاہیں تسلی کر لیں۔"

مگر

کوئی بھی آپ کے سامنے کسی چیلنج کے قبول کرنے کے لئے نہ نکل سکا۔ اور یہ چیز بھی آپ کی سچائی کا ایک بیّن ثبوت ہے۔

آزمائش کے لئے کوئی نہ آیا ہر چند
ہر مخالف کو مقابل پہ بلایا ہم نے

طاعون کا عذاب

جب ہندوستان کے لوگوں نے آپ کی تحقیر اور توہین اور تکفیر میں کمال کر دیا۔ تب خدا نے اُن کو پکڑنے کا فیصلہ فرما دیا۔ اور ہندوستان میں طاعون کا عذاب نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے طاعون کی قبل از وقت آپ کو خبر دی تب آپ نے ایک اشتہار ۶ فروری ۱۸۹۸ء کو شائع فرمایا۔ جس میں لکھا:۔

"اور ایک اور ضروری امر ہے جس کے لکھنے پر میرے جوش ہمدردی نے مجھے

آمادہ کیا ہے اور میں خوب جانتا ہوں کہ جو لوگ روحانیت سے بے بہرہ ہیں اس کو ہنسی اور ٹھٹھے سے دیکھیں گے۔ مگر میرا فرض ہے۔ کہ میں اس کو نوع انسان کی ہمدردی کے لئے ظاہر کروں۔ اور وہ یہ ہے کہ آج جو ۶ فروری ۱۸۹۸ء روز یکشنبہ ہے۔ میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ خدا تعالیٰ کے ملائک پنجاب کے مختلف مقامات میں سیاہ رنگ کے پودے لگا رہے ہیں۔ اور وہ درخت نہایت بدشکل اور سیاہ رنگ اور خوفناک اور چھوٹے قد کے ہیں۔ میں نے بعض لگانے والوں سے پوچھا کہ یہ کیسے درخت ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ طاعون کے درخت ہیں جو عنقریب ملک میں پھیلنے والی ہے۔"

اس کے بعد لوگوں نے حسب معمول استہزاء کیا اور کہا کہ ابھی کو طاعون ہوگی مگر اُن کی گرفت کا وقت آچکا تھا۔ اس لئے طاعون آئی اور اُس نے ایک عالمگیر تباہی پھیلادی۔ ساری تجاویز اور تدابیر بے کار ثابت ہوئیں۔ اللہ تعالےٰ نے اس طاعون سے بچنے کی راہ ایک بات میں رکھی تھی۔ کہ وہ توبہ کریں۔ چنانچہ طاعون کے دنوں میں ہزارہا لوگ سلسلہ میں داخل ہوئے اور انہوں نے توبہ کا علاج استعمال کیا۔

طاعون کے ساتھ ایک وابستہ نشان

اللہ تعالےٰ نے طاعون کے ساتھ ایک اور نشان وابستہ کر دیا تھا۔ وہ یہ حضور کے الدار کو اس مرض سے محفوظ رکھا جائے گا۔ شدید سے شدید حالتو میں بھی آلدار ایک حصار امن بن کر کھڑا رہا۔ اور اس کے ساتھ ہی قادیان کے متعلق الہام تھا اِنَّہٗ اٰوَی الْقَرْیَۃَ۔ سو اس وعدہ کے مطابق قادیان کو اس

ہلاکت سے جس میں انسان بُری طرح سے ہلاک ہوتے رہے ہمیشہ بچایا گیا۔

مقدمۂ انکم ٹیکس

۱۸۹۸ء میں آپ پر بعض مخالفوں کی شرارت کی وجہ سے ۷۲۰۰ سالانہ آمدنی قرار دے کر ۱۸۷ روپے ۸ آنے انکم ٹیکس لگایا گیا۔ اس پر آپ نے عذرداری کی۔ اس عذرداری کے فیصلہ سے قبل آپ کو کشفی طور پر بتلایا گیا۔ کہ پہلا تحصیلدار جو ہندو ہے اور شرارت کر رہا ہے۔ وہ تبدیل ہو جائیگا۔ اور یہ مقدمہ ایک دوسرے حاکم کے پیش ہوگا، جو مسلمان ہوگا۔ اور اس کشف میں اس مقدمہ کے نیک انجام کی بشارت دی گئی۔ چنانچہ آپ نے اسی وقت اس کشف کو اپنے خدام پر ظاہر فرمایا۔ اس کشف کے مطابق اللہ تعالےٰ نے ایسے سامان پیدا کر دیئے۔ کہ وہ تحصیلدار بدل گیا اور نئے تحصیلدار میاں تاج الدین صاحب آئے۔ اس وقت انہوں نے حضرت صاحب کا ایک بیان لکھا۔ جس میں لکھا کہ آپ کے پاس پانچہزار دوسو روپیہ مریدین سے آیا۔ جو پانچ مدوں پر خرچ ہو رہا ہے۔

(۱) مہمانخانہ (۲) مطبع (۳) مدرسہ (۴) جلسہ سالانہ و دیگر جلسہ جات (۵) خط وکتابت

گویا

۱۸۹۸ء میں اس مشن کی آمدنی ۵۲۰۰ ہوئی۔ اور اس وقت صرف پانچ مدات تھیں۔ اس مقدمہ کا فیصلہ ڈپٹی کمشنر مسٹر ٹی ڈیکسن نے صادر کیا۔ اور آپ سے انکم ٹیکس اٹھا دیا۔ اور لکھا۔

”ہمیں اس شخص کی نیک نیتی پر شبہ کرنے کیلئے کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی“

الغرض

انکم ٹیکس کا مقدمہ خدا تعالےٰ کے بتلائے ہوئے فیصلے کے مطابق فیصلہ ہوگیا ۔ اور عدالت نے آپ کی نیک نیتی پر ایک جدید تصدیق صادر کر دی۔ اور ہم کو یہ بھی معلوم ہوگیا۔ کہ اس وقت کس قدر مدات تھیں۔ اور سلسلہ کی کیا آمدنی تھی۔

بشپ آف لاہور کو چیلنج

لاہور کے لارڈ بشپ ڈاکٹر لیفرائے نے مسلمانوں کو ایک چیلنج دیا کہ وہ مسیح کے مقابل میں آنحضرت صلعم کی معصومیت ثابت کر کے دکھائیں۔ حضرت نے فوراً اُن کے چیلنج کو قبول کر لیا۔ مگر لارڈ بشپ نے آپ کے مقابلہ میں آنے کی جرأت نہ کی تب آپ نے بعد میں عصمت انبیاء پر ایک سلسلہ مضامین ریویو آف ریلیجنز میں لکھکر شائع فرمایا۔

خطبہ الہامیہ

سنہ ۱۹۰۰ء کے شروع میں آپ نے عربی زبان میں ایک خطبہ عید الاضحیٰ کے موقعہ پر پڑھا۔ یہ خطبہ اللہ تعالےٰ کی وحی کے ماتحت تھا۔ جو ایک حقائق و معارف کا خزانہ ہے۔ یہ کتاب الگ عربی زبان میں شائع شدہ موجود ہے۔

جماعت احمدیہ

سنہ ۱۹۰۱ء میں چونکہ مردم شماری ہونے والی تھی۔ اس لئے آپ نے سنہ ۱۹۰۰ء کے آخر میں ایک اشتہار کے ذریعے اعلان فرمایا۔ کہ آپ کی قائم کردہ جماعت کا نام

جماعت احمدیہ ہوگا۔ چنانچہ اس وقت سے آپکی جماعت "جماعت احمدیہ" کہلائی۔
(اشتہار ۴ نومبر ۱۹۰۰ء۔ سلسلہ احمدیہ)

مقدمہ ہدمِ دیوار

سنہ ۱۹۰۰ء میں میرزا نظام الدین صاحب و میرزا نظام الدین صاحب نے آپ کی ایذا رسانی کے لئے مسجد مبارک کے دروازے کے پاس وہ دروازہ جو دفتر محاسب کے ساتھ گول کمرے اور مسجد مبارک کی سیڑھیوں کے ڈاٹ لگا کر بنایا گیا ہے دیوار بنا کر بند کر دیا۔ نماز پڑھنے کے لئے آنے والوں کو بہت لمبا چکر کاٹ کر آنا پڑتا تھا۔ اس سے بہت بڑی تکلیف ہو گئی۔ تب حضور نے عدالت میں اس دیوار کے گرائے جانے کے لئے چارہ جوئی کی۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کو اس مقدمہ کے فیصلہ کی قبل از وقت اطلاع دے دی تھی۔ اس کا فیصلہ حضور کے حق میں ہوا۔ دیوار گرائی گئی۔ مگر حضور کے لطف و کرم کو دیکھئے کہ خرچہ کی ڈگری معاف کر دی۔

یہ دیوار سنہ ۱۹۰۱ء میں گرائی گئی اور اس رنگ میں بھی مخالف ناکام ہو گئے۔

رسالہ ریویو کا اجراء

سنہ ۱۹۰۲ء کے شروع میں حضور نے مغربی ممالک میں تبلیغ کے خیال سے رسالہ ریویو آف ریلیجنز انگریزی جاری کروایا۔ اس رسالہ کا ایک اردو ایڈیشن بھی شائع کروایا۔ اس رسالہ کی وجہ سے انگریزی خوان طبقہ اور یورپ و امریکہ تک آپ کی آواز پہنچی ؁

مقدمہ مولوی کرم دین ساکن بھیں

ایک مولوی جس کا نام کرم دین تھا اور موضع بھیں ضلع جہلم کا رہنے والا تھا۔ نے ۱۹۰۳ء میں ایک استغاثہ حضرت کے خلاف دائر کر دیا۔ کہ آپ نے اپنی کتاب مواہب الرحمٰن میں اس کے متعلق جھوٹا اور کمینہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس مقدمہ کی پہلی تاریخ جنوری ۱۹۰۳ء کو جہلم میں ہوئی۔ جہاں آپ تشریف لے گئے۔ اور یہ مقدمہ پہلی پیشی پر ہی ختم ہو گیا۔ اس سفر میں حضور کی بڑی قبولیت ہوئی۔ ہزارہا لوگ حضور کی زیارت کے لئے آئے۔ ہر سٹیشن پر ایک بہت بڑی بھیڑ جمع ہو جاتی تھی۔ ہزارہا آدمیوں نے آپ کی بیعت کی۔ یہ مقدمہ جہلم سے ختم ہو کر پھر گورداسپور میں شروع ہوا۔ یہاں یہ مقدمہ دو سال تک جاری رہا۔ مجسٹریٹ صاحبان بعض اوقات قریب قریب کی تاریخیں رکھ دیتے تھے۔ جس کی وجہ سے آپ لمبے لمبے عرصہ کے لئے وہاں ہی رہ جایا کرتے تھے۔ اتفاق سے اس مقدمہ میں دو مجسٹریٹوں نے کام کیا دونوں ہندو تھے بعض متعصب آریوں کے متعلق کہا جاتا تھا کہ وہ مجسٹریٹوں کو کہتے رہتے تھے۔ کہ یہ لیکھرام کے قاتل ہیں۔ اس لئے اب ان سے اس کا بدلہ لینا چاہیئے۔ اس مقدمہ میں ایک دفعہ آپ کو اطلاع ملی۔ کہ کسی شخص نے مجسٹریٹ سے کہا کہ یہ شخص اس وقت آپ کے ہاتھ میں ایک شکار ہے۔ اسے اب بچ کر نہیں جانے دینا چاہیئے۔ جب یہ بات کہی گئی اس وقت آپ کی طبیعت خراب تھی اور آپ لیٹے ہوئے تھے۔ مگر یہ بات سن کر آپ نے جوش کے ساتھ فرمایا۔

"کیا یہ لوگ مجھے اپنا شکار سمجھتے ہیں؟ میں شکار نہیں ہوں۔ میں تو خدا کا شیر ہوں۔ اور خدا کے شیر پر کوئی ہاتھ تو ڈالکر دیکھے!"

(سلسلہ احمدیہ)

اس مقدمہ میں حضور نے خدا سے خبر پاکر یہ خبر دی تھی۔ کہ اس عدالت سے سزا ہوگی۔ مگر عدالت اپیل میں بریت ہوگی۔ اس مقدمہ میں حضرت کے ساتھ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اور حضرت حکیم فضل دین صاحب بھیروی بھی شامل تھے۔ اس مقدمہ کے متعلق حضور کو الہام ہوا تھا:۔

"اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا وَّالَّذِیْنَ ھُمْ مُّحْسِنُوْنَ ٥ فِیْہِ اٰیَاتٌ لِّلسَّآئِلِیْنَ۔

اس کے معنے یہ سمجھائے گئے۔ کہ دونوں فریقوں میں سے خدا اس کے ساتھ ہوگا۔ اور اس کو فتح و نصرت نصیب کرے گا۔ جو پرہیزگار ہیں۔ یعنی جھوٹ نہیں بولتے، ظلم نہیں کرتے، تہمت نہیں لگاتے اور دغا اور فریب اور خیانت سے ناحق خدا کے بندوں کو نہیں ستاتے اور ہر ایک بدی سے بچتے اور راستبازی اور انصاف کو اختیار کرتے ہیں۔ اور خدا سے ڈر کر اس کے بندوں کے ساتھ ہمدردی اور خیر خواہی اور نیکی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ اور بنی نوع کے وہ سچے خیر خواہ ہیں۔ ان میں درندگی اور ظلم اور بدی کا جوش نہیں۔ بلکہ عام طور پر وہ ہر ایک کے ساتھ نیکی کرنے کے لئے وہ تیار ہیں۔ سو انجام یہ ہے کہ ان کے حق میں فیصلہ ہوگا۔ تب وہ لوگ جو پوچھا کرتے ہیں جو ان دونوں گروہوں میں سے حق پر کون ہے۔ اُن کے لئے نہ ایک نشان بلکہ کئی نشان ظاہر ہوں گے۔" (تذکرہ ص۴۸۴)

چنانچہ

مندرجہ بالا پیشگوئیوں کے موافق پہلی عدالت نے حضرت اقدس پر پانچسو روپیہ جرمانہ کر دیا۔ مگر عدالت اپیل میں پہلی پیشی پر آپ کی بریت ہو گئی۔ اور جرمانہ منسوخ ہو گیا۔ برخلاف اس کے ایک مقدمہ جو حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے کرم دین کے

خلاف کر رکھا تھا۔ اس میں اُسے پچاس روپیہ جرمانہ کی سزا ہوگئی۔ جو قائم رہی۔ اور اُس کے جھوٹ اور کمینگی پر ہمیشہ کے لئے مُہر ہوگئی۔ اس مقدمہ کی تفصیل اخبار الحکم ۱۹۰۳ء تا ۱۹۰۵ء میں موجود ہے۔

مینارۃ المسیح

بعض پیشگوئیوں کی بناء پر حضور ایک مینار مسجد اقصٰی میں بنانا چاہتے تھے یہ تجویز ۱۹۰۰ء میں ہوئی۔ مگر اس تجویز کی تکمیل کا آغاز ۱۳ مارچ ۱۹۰۳ء بروز جمعہ ہوا۔ حضور نے اس مینار کے (جو آج قادیان میں نظر آتا ہے) سنگ بنیاد کی اینٹ کو اپنی ران مبارک پر رکھکر ایک لمبی دعا فرمائی۔ اس طرح اس مینار کا سنگ بنیاد رکھا گیا مگر اس کی تکمیل ۱۶-۱۹۱۵ء میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے عہد مبارک میں ہوئی۔ اس مینار کی رنگت دودھ کی طرح سفید ہے۔ اور اس کے ساتھ روشنی اور گھڑیوں کا انتظام ہے۔ اس مینار کے لئے باغ کے پاس بھٹہ بنایا گیا تھا اور اینٹیں تیار کرائی گئی تھیں۔

جماعت کا شہید اول

۱۹۰۲ء میں علاقہ خوست سے حضرت صاحبزادہ مولوی سید عبد اللطیف صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ذکر سنکر قادیان میں آئے۔ یہ بزرگ وہاں کے ایک بڑے ذی وجاہت تھے اور بہت بڑے عالم تھے۔ امیر حبیب اللہ خاں کی رسم تاجپوشی بھی انہوں نے ہی ادا کی تھی۔ وہ ۱۹۰۳ء میں جب واپس کابل تشریف لے گئے تو ان کو وہاں کے علماء نے مرتد قرار دیا۔ امیر کابل نے ان کو بڑا سمجھایا کہ وہ توبہ کرلیں اور اپنے عقائد سے منحرف ہو جائیں۔ مگر انہوں نے فرمایا کہ میں اپنی

جان بچانے کے لئے اپنے ایمان کو ضائع نہیں کر سکتا۔ اس پر علماء کے فیصلہ کے مطابق امیر نے ان کو کمر تک زمین میں گڑواکر اوپر پر کا دھڑ باہر رکھواکر اُن کو سنگسار کرادیا۔ انّا للہ وانا الیہ راجعون۔ احمدیت نے کابل کی سنگلاخ زمین میں اور بھی قربانیاں دیں۔ جن کا ذکر کسی دوسری جگہ آسکے گا۔

سفرِ لاہور اور سیالکوٹ

۱۹۰۴ء میں حضور کی مصروفیت مقدمہ کرم الدین کی وجہ سے بڑھی رہی۔ تاہم آپ لاہور اور سیالکوٹ تشریف لے گئے۔ اور دو لیکچر دئے۔ ایک لیکچر سیالکوٹ کے نام سے مشہور ہے اور دوسرا لیکچر لاہور کے نام سے۔ ان سفروں میں جہلم کے سفر کی طرح حضور کو قبولیت حاصل ہوئی۔ اور ہزارہا لوگ حضور کے پاس آئے اور ہزارہا لوگوں نے اپنے شکوک دور کئے۔ اور قبولیت بیعت کا شرف حاصل کیا۔ سیالکوٹ کے لیکچر میں آپ نے یہ دعویٰ بھی کیا۔ کہ جس طرح آپ مثیل مسیح اور مثیل موسیٰ ہیں اور بہت سے دیگر نبیوں کے مثیل ہیں۔ ویسے ہی آپ ہندوؤں کے لئے مثیل کرشن بھی ہیں۔

ایک تباہ کُن زلزلہ

خدا تعالےٰ نے بارہا آپ کو ایک تباہ کن زلزلہ کی خبر دی تھی چنانچہ ایک الہام یہ تھا۔ عفت الدّیار محلّھا و مقامھا۔ یعنی عنقریب ایک تباہی آنے والی ہے جس میں سکونت کی عارضی اور مستقل رہائش کی جگہیں مٹ

جائیں گی۔ اور ایک الہام میں بتلایا گیا:۔

دردناک موتوں سے عجیب طرح پر شورِ قیامت برپا ہے اور موتا موتی لگ رہی ہے۔

ان پیشگوئیوں کے مطابق ۱۹۰۵ئہ میں ایک زبردست زلزلہ آیا۔ جس میں کانگڑ تو بہت بڑی حد تک تباہ ہوگیا تھا۔

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضؓ کی وفات

ان مایۂ ناز اشخاص میں سے جو حضرت کے گرد پروانے کی طرح سب کچھ فدا کرکے آ جمع ہوئے تھے ایک حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ ع تھے۔ جن کو خدا کی وحی میں "مسلمانوں کا لیڈر" کہا گیا تھا۔ وہ اس ۱۹۰۵ئہ میں ۱۱ر اکتوبر کو نمونیا کی شدید تکلیف سے اپنے مولیٰ حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ؕ

دھلی۔ لدھیانہ اور امرتسر کا سفر

اخیر ماہ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں آپ چند دن کے لئے دہلی تشریف لے گئے اس سفر سے پہلے آپ نے رؤیا میں دیکھا تھا کہ آپ دہلی تشریف لے گئے ہیں مگر آپ نے شہر کے دروازوں کو بند پایا۔ چنانچہ آپ نے اہلِ دہلی کے قلوب پر قفل لگے ہوئے پائے۔ مخالفت بڑی ہوئی۔ حق تبلیغ بھی خوب ادا ہوا۔ ملاق سے بھی بہت لوگ مشرف ہوئے۔ مگر افسوس ان کے دل بند کے بند رہے۔

دھلی سے لدھیانہ

دھلی سے آپ لدھیانہ تشریف لائے۔ یہاں باوجود مخالفت کے ۶ر نومبر ۱۹۰۵ء کو آپ کا ایک بہت کامیاب لیکچر ہوا۔ اور ہزاروں انسانوں نے آپ کا کلام سنا۔

لدھیانہ سے امرتسر

لدھیانہ سے دو دن کے لئے آپ امرت سر آئے۔ ۹ر نومبر ۱۹۰۵ء کو آپ نے ایک تقریر فرمائی۔ حاضری بہت کافی تھی۔ مگر دوران تقریر میں مخالفوں نے شور شروع کر دیا۔ اور وہ بار بار اسٹیج کی طرف حملہ کر کے آتے تھے۔ مگر پولیس روک کر ان کو پیچھے لے جاتی تھی۔ آخر پولیس کے مشورے سے آپ ایک عقبی دروازے سے نکل کر گاڑی میں سوار ہو گئے۔ جب آپ گاڑی میں بیٹھ گئے۔ تو ہجوم نے گاڑی کی طرف دھاوا کیا۔ اور لاٹھیاں اور پتھر برسنے شروع ہوئے۔ مگر خدا کے فضل سے کوئی بڑا نقصان نہیں ہوا۔ ایک احمدی کو خفیف سی چوٹ آئی۔ اور ایک گاڑی کا شیشہ توڑ کر اندر آگرا۔ جس سے حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم اے کو بھی جو حضور کے پہلو میں بیٹھے ہوئے تھے چوٹ آئی۔

دوسرے دن آپ قادیان تشریف لے آئے۔ (سلسلہ احمدیہ)

آپ کی وصیّت اور بہشتی مقبرہ کا قیام

اکتوبر ۱۹۰۵ء سے آپ کو ایسے الہامات شروع ہوئے۔ جن سے معلوم ہوتا تھا۔ کہ آپ کی وفات کا وقت قریب آگیا ہے۔ جیسے الہام ہوا۔ قَلّ میعاد ربّک۔ اور قرب اجلک المقدر ولا نبقی لک من المخزیات ذکراً وغیرہ وغیرہ۔

ان الہامات کی بناء پر آپ نے اپنی ایک وصیت لکھی۔ اور اس میں اپنی جماعت

کے لئے آپ کے بعد جو نظام قائم ہونے والا تھا اس کی طرف راہ نمائی فرمائی۔

اور اپنی جماعت کے لئے ایک مقبرہ بہشتی قائم کیا۔ جس میں وہی لوگ دفن ہوتے ہیں جو اپنی ساری زندگی تقویٰ اور طہارت سے گذارتے ہیں۔ اور انکی قربانیاں اُن کے مرنے کے بعد بھی قائم رہتی ہیں۔ چنانچہ اس مقبرہ میں سب سے پہلے مدفون حضرت مولوی عبدالکریم صاحب رضی اللہ تعالے عنہ ہوئے۔ جو پہلے دوسری جگہ عارضی طور پر دفن کئے گئے تھے۔

مدرسہ احمدیہ کی بنیاد

حضرت مولوی عبدالکریم صاحب اور حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی کی وفات کی وجہ سے حضور کو نئے علماء پیدا کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ چنانچہ دسمبر ۱۹۰۵ء میں ایک عربی مدرسہ کی تجویز آپ نے جماعت کے سامنے رکھی۔ اور ۱۹۰۶ء میں شاخ دینیات کے نام سے مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کے ساتھ عربی مدرسہ کا افتتاح کیا گیا۔ اور ۱۹۰۸ء کے جلسہ سالانہ پر ایک دوسری تجویز کے ماتحت جبکہ آپ کا وصال ہو چکا تھا۔ اس شاخ کو الگ کر کے ایک جداگانہ مدرسہ بنا دیا گیا۔ جس کا نام اب مدرسہ احمدیہ ہے۔ اور جس کے ذریعہ سے علماء کی ایک بہت بڑی جماعت پیدا ہو گئی۔ اور تبلیغ سلسلہ میں لگ گئی۔

قیام صدر انجمن احمدیہ

۱۹۰۶ء میں آپ نے انتظامی کاروبار کے لئے ایک انجمن "صدر انجمن احمدیہ" کے نام

سے قائم فرمائی۔ نیز اسی سال حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے جن کی عمر اس وقت ۱۸ سال کی تھی رسالہ تشحیذ الاذہان جاری فرمایا۔ حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کی شادی بھی اسی سال ہوئی۔

سنہ ۱۹۰۷ء

سنہ ۱۹۰۷ء میں بھی بہت سے اہم کام ہوئے جن میں سے بعض ایک درج ذیل ہیں:۔

۱۔ قادیان سے آریہ سماج نے سلسلہ کی مخالفت کے لئے ایک اخبار "شبھ چنتک" نکالا۔ اور مخالفت کو انتہا تک پہنچا دیا۔ تب حضور نے ایک رسالہ الموسوم **قادیان کے آریہ اور ہم** شائع کیا جس کے بعد قادیان کے آریوں میں طاعون پیدا ہوئی۔ اور اللہ تعالیٰ نے عملۂ شبھ چنتک کو طاعون کے ذریعے آغوشِ موت میں سُلا دیا۔ اور شبھ چنتک ہمیشہ کے لئے ختم ہو گیا۔

۲۔ امریکہ کا ایک مفتری مدعی نبوت **مسٹر ڈوئی** آپ کے مقابلہ میں آکر نہایت ذلت سے ہلاک ہو گیا۔

۳۔ اسی طرح **سعد اللہ لدھانوی** ہلاک ہُوا۔

۴۔ آپ کے صاحبزادے حضرت میرزا شریف احمد صاحب کا نکاح حضرت نواب محمد علی خاں صاحب آف مالیر کوٹلہ کی صاحبزادی سے ہُوا۔

۵۔ حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ حضور کی صاحبزادی کا نکاح نواب محمد علی خانصاحب کی پہلی بیگم کی وفات کے بعد نواب صاحب موصوف سے ہُوا۔

۶۔ **حقیقۃ الوحی** جیسی عظیم الشان کتاب حضور نے تصنیف فرمائی۔

سنہ ۱۹۰۸ء

آخر وہ سال آگیا جس میں یہ مقدر تھا کہ خدا کا یہ راستباز اور پہلوانِ ربِ جلیل

اپنے محبوب حقیقی کی طرف بُلالیا جائے گا۔ اس سال پنجاب کے فنانشل کمشنر صاحب قادیان میں تشریف لائے اور سلسلہ کے مہمان ہوئے۔ آپ نے چشمہ معرفت نامی کتاب تصنیف فرمائی۔ اور آخر الٰہی منشاء کے ماتحت لاہور تشریف لے گئے۔ لاہور میں وہاں کے رؤساء کو ایک تقریر کے ذریعے تبلیغ حق پہنچادی۔ اور ایک لیکچر **پیغام صلح** کے نام سے لکھا۔ جو آپ کی وفات کے بعد پڑھا گیا۔ یہ سب کام کرکے خدا کا وہ کامیاب مامور و مرسل ایک لمبے جہاد اور مسلسل خدمت کے بعد ایک بہت بڑی جماعت اپنے مشن کی خدمت کرنے والوں کی پیدا کرکے **۲۶ مئی** کو لاہور احمدیہ بلڈنگس میں اپنے مولیٰ حقیقی کے حضور چلا گیا ؛

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

یہ جو کچھ میں نے اوپر لکھا ہے۔ وہ ان کے کارناموں میں سے ایک نامکمل نقشہ ہے۔ اور یہ صرف اس لئے لکھا گیا ہے۔ تاکہ پڑھنے والے کو کچھ آئیڈیا اس کا دماغ میں آسکے۔ اور اُسے معلوم ہو سکے۔ کہ یہ انسان جو نئی قادیان کا بانی تھا۔ نہیں نہیں بلکہ نئی دنیا کا بانی تھا۔ وہ کس شان اور عظمت کا انسان تھا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَ عَلٰی عَبْدِكَ الْمَسِیْحِ الْمَوْعُوْدِ

آپ کی وفات پر اخبار وکیل کا اعترافِ حق

"وہ شخص بہت بڑا شخص۔ جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ جو شخص دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی۔ جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار اُلجھے ہوئے تھے۔ اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کیلئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شور قیامت ہو کر خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا خالی ہاتھ دنیا سے اُٹھ گیا۔ ....

ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندانِ تاریخ بہت کم منظرِ عالم پر آتے ہیں۔ اور جب آتے ہیں تو دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔

میرزا صاحب کی اس رحلت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ان تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا۔ کہ ان کا ایک بہت بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا۔ اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔ ان کی یہ خصوصیت تھی کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جرنیل کا فرض پورا کرتے رہے۔

پھر لکھا:۔

غرض میرزا صاحب کی یہ خدمت آنیوالی نسلوں کو گرانبار احسان رکھیگی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنیوالوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا۔ اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا۔ جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے قائم رہے گا۔

پھر لکھا:۔

اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں میرزا صاحب نے اسلام کی خاص خدمت انجام دی ہے۔"

پھر لکھا:۔

کیریکٹر کے لحاظ سے میرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا۔ وہ ایک پاکباز جینا جیا۔ اور اس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی۔ غرضیکہ میرزا صاحب کی ابتدائی زندگی کے پچاس سالوں نے کیا بلحاظ اخلاق و عادات اور پسندیدہ اطوار کیا بلحاظ خدمت وحمایتِ دین مسلمانانِ ہند میں ان کو ممتاز، برگزیدہ اور قابل رشک مرتبہ پر پہنچا دیا تھا۔" (وکیل۔ ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء)

اس کے سوا۔ اخبار صادق الاخبار ریواڑی۔ البشیر اٹاوہ۔ علی گڑھ انسٹیٹیوٹ۔ میونسپل گزٹ لاہور۔ زمیندار لاہور۔ کرزن گزٹ دہلی۔ تہذیب نسواں لاہور وغیرہ نے آپ کی علوِ شان کو ظاہر کرنے والے ریویو لکھے۔ مگر افسوس ہے کہ میں ان سب کو یہاں درج نہیں کر سکتا۔

آپ کی تعلیم ؑ کے چند نمونے

آپ کی تعلیم کے چند نمونے

آپ نے اپنی کتابوں میں اپنی تعلیم کو درج فرمایا ہے۔ مگر ایک کتاب کشتی نوح میں اپنی تعلیم کو بطور خلاصہ کے درج فرمایا ہے۔ اس تعلیم سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپ دنیا میں کیا تعلیم دیتے تھے۔ کیونکہ جیسے درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے ویسے ہی ایک برگزیدہ انسان اپنی تعلیم سے پہچانا جاتا ہے۔ چنانچہ ذیل میں ہم چند نمونے آپ کی تعلیم سے درج کر دیتے ہیں۔ آپ تحریر فرماتے ہیں :۔

(۱)

" اے وے لوگو! جو اپنے تئیں میری جماعت شمار کرتے ہو۔ آسمان پر تم اُس وقت میری جماعت شمار کئے جاؤ گے۔ جب سچ سچ تقویٰ کی راہوں پر قدم مارو گے۔

یاد رکھو کہ کوئی عمل خدا تک نہیں پہنچ سکتا جو تقوےٰ سے خالی ہے۔ ہر ایک نیکی کی جڑ تقوےٰ ہے۔ جس عمل میں یہ جڑ ضائع نہیں ہوگی۔ وہ عمل بھی ضائع نہیں ہوگا۔ ضرور ہے کہ انواع رنج و مصیبت سے تمہارا امتحان بھی ہو جیسا کہ پہلے مومنوں کے امتحان ہوئے۔ سو خبردار رہو۔ ایسا نہ ہو کہ ٹھوکر کھاؤ زمین تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتی۔ اگر تمہارا آسمان سے پختہ تعلق ہے۔ جب کبھی تم اپنا نقصان کرو گے تو اپنے ہاتھوں سے نہ کہ دشمن کے ہاتھوں سے۔

یہ مت خیال کرو کہ ہم نے ظاہری طور پر بیعت کر لی ہے۔ ظاہر کچھ چیز نہیں۔ خدا تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے اور اسی کے مطابق تم سے معاملہ کریگا۔ دیکھو میں یہ کہکر فرض تبلیغ سے سبکدوش ہوتا ہوں کہ گناہ ایک زہر ہے اس کو مت کھاؤ۔ خدا کی نافرمانی ایک گندی موت ہے۔ اس سے بچو۔ دعا کرو دعا۔ تا تمہیں طاقت ملے۔ جو شخص دعا کے وقت خدا تعالےٰ کو ہر بات پر قادر نہیں سمجھتا بجز وعدہ کی مستثنیات کے وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص جھوٹ اور فریب کو نہیں چھوڑتا۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں۔ جو شخص دنیا کے لالچ میں پھنسا ہوا ہے اور آخرت کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص درحقیقت دین کو دنیا پر مقدم نہیں رکھتا۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پورے طور پر ہر ایک بدی سے اور ہر ایک بدعملی سے یعنی شراب سے قمار بازی سے بدنظری سے اور خیانت سے اور رشوت سے اور ہر ایک ناجائز تصرف سے توبہ نہیں کرتا۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص دعا میں لگا نہیں رہتا اور انکسار سے خدا کو یاد نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص بد رفیق کو نہیں چھوڑتا جو اس پر بد اثر ڈالتا ہے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ماں باپ کی عزت نہیں کرتا۔ اور امور معروفہ میں جو خلاف قرآن نہیں ہیں ان کی بات نہیں مانتا۔ اور ان کی تعہد خدمت سے لاپرواہ ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنی اہلیہ اور اس کے اقارب سے نرمی اور احسان سے معاشرت نہیں کرتا۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اپنے ہمسایہ کو ادنیٰ ادنیٰ خیر سے

محروم رکھتا ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص نہیں چاہتا کہ اپنے قصور وار کا گناہ بخشے اور کینہ پرور آدمی ہے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر مرد جو بیوی سے یا بیوی خاوند سے خیانت سے پیش آتی ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص اس عہد کو جو اس نے بیعت کے وقت کیا تھا۔ توڑتا ہے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ جو شخص مجھے فی الواقعہ مسیح موعود اور مہدی معہود نہیں سمجھتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص امور معروفہ میں میری اطاعت کرنے کے لئے تیار نہیں ہے وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ اور جو شخص مخالفوں کی مجلس میں بیٹھتا ہے اور اُن کی ہاں میں ہاں ملاتا ہے۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔ ہر ایک زانی۔ فاسق۔ شرابی۔ خونی۔ چور۔ قمار باز۔ خائن۔ مرتشی۔ غاصب۔ ظالم۔ دروغ گو۔ جعلساز اور ان کا ہمنشین اور اپنے بھائیوں اور بہنوں پر تہمت لگانے والا جو اپنے افعال شنیعہ سے توبہ نہیں کرتا اور خراب مجلسوں کو نہیں چھوڑتا۔ وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے۔" (کشتی نوح)

(۲)

"ہم اس بات پر ایمان لاتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اور سیدنا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم اس کے رسول اور خاتم الانبیاء ہیں۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ ملائک حق اور حشر اجساد حق اور روز حساب حق اور جنت حق اور جہنم حق ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو کچھ اللہ جلشانہ نے قرآن شریف میں فرمایا ہے اور جو کچھ ہمارے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ وہ بلحاظ بیان مذکورہ حق ہے۔ اور ہم ایمان لاتے ہیں کہ جو شخص

اس شریعت اسلام میں ایک ذرہ کم کرے یا ایک ذرہ زیادہ کرے۔ یا ترک فرائض اور اباحت کی بنیاد ڈالے۔ وہ بے ایمان اور اسلام سے برگشتہ ہے اور ہم اپنی جماعت کو نصیحت کرتے ہیں کہ وہ سچے دل سے اس کلمہ طیبہ پر ایمان رکھیں کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اور اسی پر مریں۔ اور تمام انبیاء اور تمام کتابیں جن کی سچائی قرآن شریف سے ثابت ہے۔ ان سب پر ایمان لائیں۔" (ایام الصلح)

(۳)

جب تک خدائے زندہ کی تمکو خبر نہیں ؎ بیباک اور دلیر ہو کچھ دل میں ڈر نہیں

سو روگ کی دوا یہی وصلِ الٰہی ہے ؎ اس قید میں ہر ایک گنہ سے رہائی ہے

پر جس خدا کے ہونے کا کچھ بھی نہیں نشاں ؎ کیونکر نثار اُسپہ ہو جائے کوئی جاں

ہر چیز میں خدا کی ضیاء کا ظہور ہے ؎ پر پھر بھی غافلوں سے وہ دلدار دور ہے

جو خاک میں ملے اُسے ملتا ہے آشنا ؎ اے آزمانے والے یہ نسخہ بھی آزما

عاشق جو ہیں وہ یار کو مر مر کے پاتے ہیں ؎ جب مر گئے تو اُسکی طرف کھینچے جاتے ہیں

یہ راہ تنگ ہے پہ یہی ایک راہ ہے ؎ دلبر کی مرنے والوں پہ ہر دم نگاہ ہے

ناپاک زندگی ہے جو دُوری میں کٹ گئی ؎ دیوارِ زہدِ خشک کی آخر کو پھٹ گئی

زندہ وہی ہیں جو کہ خدا کے قریب ہیں ؎ مقبول بن کے اسکے عزیز و حبیب ہیں

وُہ دُور ہیں خدا سے جو تقویٰ سے دُور ہیں ؎ ہر دم اسیر نخوت و کبر و غرور ہیں

تقویٰ یہی ہے یارو کہ نخوت کو چھوڑ دو ؎ کبر و غرور و بخل کی عادت کو چھوڑ دو

اس بے ثبات گھر کی محبت کو چھوڑ دو ؎ اس یار کیلئے رہِ عشرت کو چھوڑ دو

لعنت کی ہے یہ راہ سو لعنت کو چھوڑ دو ؎ ورنہ خیالِ حضرتِ عزّت کو چھوڑ دو

تلخی کی زندگی کو کرو صدق سے قبول ؎ تا تم پہ ہو ملائکۂ عرش کا نزول

اسلام چیز کیا ہے خدا کے لئے فنا
ترکِ رضائے خویش پئے مرضیٔ خدا

(درثمین)

(۴)

"اے مرے پیارو شکیبؔ و صبر کی عادت کرو
وہ اگر پھیلائیں بدبو تم بنو مشکِ تتار

نفس کو مارو کہ اس جیسا کوئی دشمن نہیں
چپکے چپکے کرتا ہے پیدا وہ سامانِ دمار

جس نے نفسِ دوں کو ہمت کرکے زیرِ پا کیا
چیز کیا ہیں اس کے آگے رستم و اسفندیار

گالیاں سن کر دعا دو۔ پا کے دکھ آرام دو
کبر کی عادت جو دیکھو تم دکھاؤ انکسار

تم نہ گھبراؤ اگر وہ گالیاں دیں ہر گھڑی
چھوڑ دو ان کو کہ چھپوائیں وہ ایسے اشتہار

چپ رہو تم دیکھ کر ان کے رسالوں میں ستم
دم نہ مارو گر وہ ماریں اور کر دیں حالِ زار

دیکھ کر لوگوں کا جوش و غیظ مت کچھ غم کرو
شدتِ گرمی کا ہے محتاجِ بارانِ بہار

(درثمین)

(۵)

شرائط بیعت

"اوّل:۔ بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرلیوے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو جائے شرک سے مجتنب رہے گا۔

دوم:۔ یہ کہ جھوٹ اور زنا اور بدنظری اور فسق و فجور اور ظلم اور خیانت اور فساد اور بغاوت کے طریقوں سے بچتا رہے گا۔ اور نفسانی جوشوں کے وقت ان کا مغلوب نہ ہوگا۔ اگرچہ کیسا ہی جذبہ پیش آئے۔

سوم:۔ یہ کہ بلاناغہ پنجوقت نماز موافق حکمِ خدا اور رسول کے ادا کرتا رہیگا۔

اور حتی الوسع نماز تہجد کے پڑھنے اور اپنے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجنے اور استغفار کرنے میں مداومت اختیار کرے گا۔ اور دلی محبت سے اللہ تعالےٰ کے احسانوں کو یاد کرکے اس کی حمد اور تعریف کو ہر روز اپنا ورد بنائے گا۔

چہارم: یہ کہ عام خلق اللہ کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً اپنے نفسانی جوشوں سے کسی نوع کی ناجائز تکلیف نہ دے گا۔ نہ زبان سے نہ ہاتھ سے نہ کسی اور طرح سے۔

پنجم: یہ کہ ہر حال رنج و راحت۔ عُسر اور یُسر اور نعمت و بلا میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ وفاداری کرے گا۔ بہر حالت راضی بقضاء ہوگا۔ اور ہر ایک ذلت اور دُکھ قبول کرنے کے لئے اس کی راہ میں تیار رہے گا۔ اور کسی مصیبت کے وارد ہونے پر اس سے مُنہ نہ پھیرے گا۔ بلکہ قدم آگے بڑھائیگا۔

ششم: یہ کہ اتباع رسم اور متابعت ہوا اور ہوس سے باز آجائے گا۔ اور قرآن شریف کی حکومت کو بکلی اپنے اوپر قبول کرے گا۔ اور قال اللہ و قال الرسول کو اپنی ہر ایک راہ میں دستور العمل قرار دے گا۔

ہفتم: یہ کہ تکبر اور نخوت کو بکلی چھوڑ دے گا۔ اور فروتنی اور عاجزی اور خوش خلقی اور حلیمی سے زندگی بسر کرے گا۔

ہشتم: یہ کہ دین اور دین کی عزت اور ہمدردی اسلام کو اپنی جان اور اپنے مال اور اپنی اولاد اور اپنے ہر ایک عزیز سے زیادہ تر عزیز سمجھیگا۔

نہم: یہ کہ عام خلق اللہ کی ہمدردی میں محض للہ مشغول رہے گا۔ اور جہاں تک بس چل سکتا ہے۔ اپنی خداداد طاقتوں اور نعمتوں سے بنی نوع کو فائدہ پہنچائیگا۔

دہم: یہ کہ اس عاجز سے عقدِ اخوت محض للہ باقرار اطاعت در معروف

باندھکر اس پر تا وقت مرگ قائم رہے گا۔ اور اس عقدِ اخوت میں ایسا اعلیٰ درجے کا ہو گا۔ کہ اس کی نظیر دنیوی رشتوں اور ناطوں اور تمام خادمانہ حالتوں میں پائی نہ جاتی ہو (اشتہار تکمیل تبلیغ)

( )

خدا ایک پیارا خزانہ ہے

"خدا ایک پیارا خزانہ ہے۔ اس کی قدر کرو۔ کہ وہ تمہارے ہر ایک قدم میں تمہارا مددگار ہے۔ تم بغیر اس کے کچھ بھی نہیں۔ اور نہ تمہارے اسباب اور تدبیریں کچھ چیز ہیں۔ غیر قوموں کی تقلید نہ کرو کہ جو بکلی اسباب پر گر گئی ہیں۔ اور جیسے سانپ مٹی کھاتا ہے انہوں نے سفلی اسباب کی مٹی کھائی۔ اور جیسے گدھ اور کُتّے مردار کھاتے ہیں۔ انہوں نے مردار پر دانت مارے۔ وہ خدا سے بہت دور جا پڑے۔ انسانوں کی پرستش کی اور خنزیر کھایا۔ اور شراب کو پانی کی طرح استعمال کیا۔ اور حد سے زیادہ اسباب پر گرنے سے اور خدا سے قوت نہ مانگنے سے وہ مر گئے۔ اور آسمانی روح ان میں سے ایسی نکل گئی جیسا کہ ایک گھونسلے سے کبوتر پرواز کر جاتا ہے۔ انکے اندر دنیا پرستی کا جذام ہے۔ جس نے انکے تمام اندرونی اعضاء کاٹ دئے ہیں۔ پس تم اس جذام سے ڈرو۔ میں تمہیں حدِ اعتدال تک رعایت اسباب سے منع نہیں کرتا بلکہ اس سے منع کرتا ہوں کہ تم غیر قوموں کی طرح نرے اسباب کے بندے ہو جاؤ اور اس خدا کو فراموش کر دو۔ جو اسباب کو بھی وہی مہیا کرتا ہے۔ اگر تمہیں آنکھ ہو۔ تو تمہیں نظر آ جائے کہ خدا ہی خدا ہے اور سب ہیچ ہے۔" (کشتی نوح صفحہ ۲۶ تا ۲۷)
چھوٹی تقطیع

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کے

چند نشانات

۱۔ بڑی جنگ کا نشان
۲۔ انقلاب ایران کا نشان
۳۔ گیسوں کے استعمال کی قبل از وقت پیشگوئی
۴۔ تنسیخ تقسیم بنگال کی پیشگوئی
۵۔ الدّار کی طاعون سے حفاظت کا وعدہ
۶۔ لوگوں کے قادیان میں آنے اور مکانات کی وسعت کی پیشگوئی۔
۷۔ موجودہ جنگ کا منظوم کلام میں نقشہ
۸۔ زار روس کا سونٹا اور خوارزم کی کمان
۹۔ دنیا میں اسلام کے پھیلنے کی پیشگوئی
۱۰۔ سلسلہ احمدیہ کے قیامت تک غلبہ کی پیشگوئی

آپؑ کے چند نشانات

(۱) بڑی جنگ کے متعلق پیشگوئی

حضور فرماتے ہیں ؎

اک نشاں ہے آنیوالا آج سے کچھ دن کے بعد / جس سے گردش کھائینگے دیہات و شہر و مرغزار

آئیگا قہرِ خدا سے خلق پر اک انقلاب / اک برہنہ سے نہ یہ ہوگا کہ تا باندھے ازار

یک بیک اک زلزلہ سے سخت جنبش کھائینگے / کیا بشر اور کیا شجر اور کیا حجر اور کیا بحار

اک جھپک میں یہ زمیں ہوجائیگی زیر و زبر / نالیاں خوں کی چلیں گی جیسے آبِ رودبار

رات جو رکھتے تھے پوشاکیں برنگِ یاسمن / صبح کردیگی انہیں مثلِ درختانِ چنار

ہوش اڑجائینگے انساں کے پرندوں کے حواس / بھولینگے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار

ہر مسافر پر وہ ساعت سخت ہے اور وہ گھڑی / راہ کو بھولیں گے ہوکر مست و بیخود راہوار

خون سے مُردوں کے کوہستان کے آبِ رواں / سُرخ ہوجائینگے جیسے ہو شرابِ انجبار

مضمحل ہوجائینگے اس خوف سے سب جن و انس / زار بھی ہوگا تو ہوگا اُس گھڑی باحالِ زار

اک نمونہ قہر کا ہوگا وہ ربانی نشان / آسماں حملے کریگا کھینچ کر اپنی کٹار

ہاں نہ کر جلدی سے انکار اے سفیہِ ناشناس / اس پہ ہے میری سچائی کا سبھی دارومدار

وحیِ حق کی بات ہے ہوکر رہے گی بے خطا / کچھ دنوں کر صبر ہوکر متقی اور بردبار

یہ گماں مت کر کہ یہ سب بدگمانی ہے معاف
قرض ہے واپس ملے گا تجھ کو یہ سارا اُدھار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم ص۹۷)

یہ پیشگوئی حضور نے ۱۵ اپریل ۱۹۰۵ء کو منظوم فرمائی اور ۱۹۰۸ء میں براہین احمدیہ میں طبع ہو کر شائع ہوئی۔ اور وہ جنگ جس کا نقشہ ان اشعار میں کھینچا گیا ہے ۱۹۱۴ء میں شروع ہوئی۔ مردوں کے خون کی نالیاں چلیں اور دو بار انگلستان کا پانی بھی اس خون سے سُرخ ہو گیا۔ اور فرانس اور یورپ کے دیگر شہروں میں جہاں چنار کے درخت لگے ہوئے تھے وہیں خون میں ڈوبی ہوئی لاشیں دیکھنے والوں نے دیکھیں۔ غرض اس پیشگوئی کا ایک ایک لفظ پورا ہوا۔ اور بالآخر زار روس جو دنیا کے بڑے شہنشاہوں میں سے ایک تھا۔ بڑی ذلتوں اور تکلیفوں کے ساتھ ختم ہو گیا۔ ملک میں ایک انقلاب عظیم ہو گیا۔ اور قیصریت ہمیشہ کے لئے ختم ہو گئی۔ کیا کسی انسان کے بس کی بات ہے کہ وہ دور دراز ایک گاؤں میں بیٹھ کر ایک ایسے آنیوالے واقع کی کئی سال پہلے خبر دے۔ جس کا تعلق ساری دنیا کی سلطنتوں کے ساتھ ہو۔ اور پھر ویسا ہی ہو کر رہے۔ غور کرو اور سوچو کہ اگر مفتریان علی اللہ کو یہ قوت خدا سے اگر رہ کر مل جائے تو پھر ایمان کی حفاظت کا دنیا میں کوئی انتظام ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں! ہرگز نہیں!!

پس

یہ ایک آپ کی راستبازی اور سچائی کا کھلا ہوا نشان ہے۔

(۲)

انقلاب ایران کے متعلق پیشگوئی

الہام ہوا:- تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد

چنانچہ ایران کی سلطنت قاچاری میں انقلاب ہوئے۔ اور بادشاہ کی خود مختاری کو توڑا گیا۔ اور پارلیمنٹ بنائی گئی۔ بالآخر دوسرا انقلاب ہوا۔ اور احمد شاہ قاچاری خاندان کا آخری بادشاہ ایران سے بھاگ گیا۔ اور رضا شاہ ایک عام رعایا کے افراد سے ترقی کرتا ہوا جو وزیر جنگ کے عہدے پر فائز تھا، نیا بادشاہ بنایا گیا۔ اور پہلوی حکومت کا آغاز ہوگیا۔ ایران کی اندرونی تاریخ پڑھو معلوم ہو جائے گا۔ کہ جس قدر شدت اور سختی اور دبانے کی پالیسی قاچاری حکومت میں تھی۔ اس کے نتیجہ میں توقع نہیں کی جا سکتی تھی۔ کہ ایسا انقلاب ہوگا۔ مگر جیسے خدا نے اپنے مامور و مرسل کو خبر دی ویسے ہی ہو کر رہا۔

(۳)

گیسوں کے استعمال کی قبل از وقت پیشگوئی

حضور کو ۱۹۰۶ء میں الہام ہوا:۔

یَوْمَ تَاْتِی السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِیْنٍ۔ وَتَرَی الْاَرْضَ
یَوْمَئِذٍ خَامِدَۃً مُّصْفَرَّۃً (تذکرہ صفحہ ۵۳۶)

یعنی اس دن آسمان ایک کھلا کھلا دھواں لائے گا۔ یعنی آسمان ایک دخانی صورت کا عذاب زمین پر نازل کرے گا۔ اور تو زمین کو دیکھے گا۔ کہ ایک مردہ سی ہو گئی ہے۔ اور راکھ کی طرح بن گئی ہے اور اس پر بجائے سرسبزی کے زردی چھا گئی ہے۔

۱۹۰۶ء میں کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ کئی قسم کی ایسی گیسیں استعمال ہوں گی کہ انسان تو انسان زمین کی سرسبزی بھی تلف ہو جائیگی۔ چنانچہ اس جنگ میں اس قسم کی گیسیں جو دھوئیں کی طرح ہیں بکثرت استعمال ہوئی ہیں اور انہوں نے

زمین کی قوت نمو کو تباہ کر دیا۔ اور اسے راکھ کی طرح بنا دیا۔ اس کے علاوہ اس قسم کا دھواں بھی ایجاد کیا گیا۔ کہ جس کے شدید سیاہ بادل بنائے جاتے ہیں۔ اور ہوائی جہاز ان کے پردے میں آکر حملہ آور ہوتے ہیں۔ اور ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب مخالف سمت سے حملہ ہوتا ہے تو ایسے دھوئیں کے بادلوں کی دیوار بنا کر اس کے پردے میں دوسری طرف کے جہاز بھاگ نکلتے ہیں۔

(۴)

تقسیم بنگال کی تنسیخ کی پیشگوئی

۱۹۰۶ء میں آپ کو الہام ہوا:۔

پہلے بنگالہ کی نسبت جو کچھ حکم جاری کیا گیا تھا۔ اب اُن کی دلجوئی ہوگی۔ (تذکرہ ۵۳۹)

۱۹۱۱ء میں بادشاہ جارج پنجم ہندوستان تشریف لائے۔ اور انہوں نے تقسیم بنگال کے احکام کو منسوخ فرمایا۔

(۵)

طاعون سے الدار کی حفاظت کی پیشگوئی

"ایک سخت طاعون اس ملک میں اور دوسرے ممالک میں بھی آنے والی ہے جس کی نظیر پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔ وہ لوگوں کو دیوانہ کی طرح کر دیگی معلوم نہیں اس سال یا آئندہ سال میں ظاہر ہوگی مگر خدا مجھے مخاطب

کر کے فرماتا ہے کہ میں تجھے اور تمام ان لوگوں کو تیری چار دیواری کے اندر ہیں بچاؤں گا۔ گویا اس دن یہ گھر نوح کی کشتی ہوگا۔ جو شخص اس میں داخل ہوگا وہ بچایا جائے جائیگا۔"

(تذکرہ)

الدّار کی حفاظت کے وعدے اور بھی کئی جگہ کئے گئے ہیں اور متعدد بار اللہ تعالیٰ نے یہ بشارت دی۔ چنانچہ ہندوستان میں سالہا سال طاعون رہی۔ اور قادیان میں بھی طاعون کے حملے ہوتے رہے۔ مگر خدا کی بشارت کے ماتحت الدار

حصارِ عافیت

بن کر کھڑا رہا۔ بتلاؤ! اور سوچو! کیا یہ کسی انسان کا فعل ہوسکتا ہے؟

(۶)

لوگوں کی آمد اور وسعتِ مکان کی خبر

۱۸۸۲ء میں آپ کو الہام ہُوا:۔

یَاْتُوْنَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ وَسِّعْ مَکَانَکَ
یَاْتِیْکَ مِنْ کُلِّ فَجٍّ عَمِیْقٍ۔ (تذکرہ)

حضرت کی ابتدائی زندگی کا ذکر میں مفصل کر چکا ہوں۔ اور آج قادیان میں اس پیشگوئی کا نظارہ دیکھو تو حضرت کے مکانات کا سلسلہ کہاں تک پھیلتا چلا گیا ہے۔ اور یہ مکانات باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہیں۔ اور پکار پکار کر کہہ رہے ہیں وَسِّعْ مَکَانَکَ۔ ہم کو اور بڑھاؤ۔ اور پھیلاؤ۔ اور پھیلاؤ۔ چنانچہ ان ضرورتوں کے ماتحت خاندان کے بہت سے افراد کیلئے شہر سے باہر

مکانات بنوانے پڑے ہیں اور ابھی بہت سے اور بنوائے جائیں گے۔

آنے والوں کو دیکھو۔ جاوا۔ سماٹرا۔ چین۔ جاپان۔ روس۔ ایران۔ شام مصر۔ عراق۔ لنڈن۔ امریکہ۔ جرمن۔ ٹرکی۔ افریقہ وغیرہ ممالک تک کے لوگ قادیان میں آچکے ہیں۔ اور آنے والوں کا ایک تانتا لگا رہتا ہے۔ ایک جاتا ہے دس آجاتے ہیں۔ ہزار ہا بندگان ہجرت کر کے قادیان میں آبیٹھے۔ اور ہزار ہا منتظر بیٹھے ہیں۔ کہ وہ بھی حالات موافق ہونے پر ہجرت کر کے یہیں آباد ہو جائیں کبھی تم نے ایسا مفتری علی اللہ دیکھا ہے۔ جس کے ساتھ ایسی نصرت شامل حال ہو کہ اللہ تعالےٰ جو کچھ اس کی زبان پر جاری کر دے۔ وہ حرفاً حرفاً پورا بھی کر دے ؀

(۷)

موجودہ جنگ کا منظوم کلام میں نقشہ

فرمایا

یہ نشانِ زلزلہ جو ہو چکا منگل کے دن
یہ تو اک لقمہ تھا جو تم کو کھلایا ہے نہار

اک ضیافت ہے بڑی اے غافلو کچھ دن کے بعد
جسکی دیتا ہے خبر فرقاں میں رحماں بار بار

فاسقوں اور ظالموں پر وہ گھڑی دشوار ہے
جس سے قیمہ بن کے پھر دیکھینگے قیمہ کا بگھار

خوب کھل جائیگا لوگوں پر کہ دیں کس کا ہے دیں
پاک کر دینے کا تیرتھ کعبہ ہے یا ہردوار

وحیِ حق کے ظاہری لفظوں میں ہے وہ زلزلہ
لیک ممکن ہے کہ ہو یہ اور ہی قسموں کی مار

کچھ ہی ہو پر وہ نہیں رکھتا زمانے میں نظیر
فوق عادت ہے کہ سمجھا جائیگا روزِ شمار

یہ جو طاعوں ملک میں ہے اس کو کچھ نسبت نہیں
اس بلا سے۔ وہ تو ہے اک حشر کا نقش و نگار

وقت ہے توبہ کرو جلدی مگر کچھ رحم ہو
سست کیوں بیٹھے ہو جیسے کوئی بیکر کو کنار

تم نہیں لوہے کے ڈرتے کیوں نہیں اس وقت سے
جس سے پڑ جائیگی اکدم میں پہاڑوں میں غبار

وہ تباہی آئیگی شہروں پہ اور دیہات پر
جسکی دنیا میں نہیں ہے مثل کوئی زینہار

ایک دم میں غمکدہ ہو جائیں گے عشرتکدہ
شادیاں جو کرتے تھے بیٹھینگے ہو کر سوگوار

وہ جو تھے اونچے محل اور وہ جو تھے قصر بریں
پست ہو جائینگے جیسے پست ہو اک جائے غار

ایک ہی گردش سے گھر ہو جائینگے مٹی کا ڈھیر
جسقدر جانیں تلف ہونگی نہیں ان کا شمار

پر خدا کا رحم ہے کوئی بھی اس سے ڈر نہیں
انکو جو جھکتے ہیں اس درگہ پہ ہو کر خاکسار

یہ خوشی کی بات ہے سب کام اس کے ہاتھ ہے
وہ جو ہے دھیما غضب میں اور ہے آمرزگار

کب یہ ہوگا یہ خدا کو علم ہے پر اس قدر
دی خبر مجھ کو کہ وہ دن ہوں گے ایام بہار

پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی
یہ خدا کی وحی ہے اب سوچ لو اے ہوشیار

یاد کر فرقاں سے لفظِ زُلزِلَت زِلزَالَھَا
ایک دن ہوگا وہی جو غیب سے پایا قرار

سخت ماتم کے وہ دن ہونگے مصیبت کی گھڑی
لیک وہ دن ہونگے نیکوں کیلئے شیریں ثمار

آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے
جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار

انبیاء سے بغض بھی اے غافلو اچھا نہیں
دور تر ہٹ جاؤ اس سے ہے یہ شیروں کی کچھار

کیوں نہیں ڈرتے خدا سے کیسے دل اندھے ہوئے
بے خدا ہرگز نہیں بد قسمتو! کوئی سہار

یہ نشانِ آخری ہے کام کر جائے مگر
ورنہ اب باقی نہیں ہے تم میں امیدِ سدھار

آسماں پر ان دنوں قہرِ خدا کا جوش ہے
کیا نہیں تم میں سے کوئی بھی رشید و ہونہار

اس نشاں کے بعد ایماں قابلِ عزت نہیں
ایسا جامہ ہے کہ نو پوشوں کا جیسے ہو اتار

اس میں کیا خوبی کہ پڑ کر آگ میں پھر صاف ہو
خوش نصیبی ہو اگر تم اب کرو دل کی سنوار

اب تو نرمی کے گئے دن اب خدائے خشمگیں
کام وہ دکھلائیگا جیسے ہتھوڑے سے لُہار

اس گھڑی شیطاں بھی ہو گا سجدہ کرنیکو کھڑا
دل میں یہ رکھکر کہ حکم سجدہ ہو پھر ایک بار

اے خدا اسوقت دنیا میں کوئی مامن نہیں
یا اگر ممکن ہو اب سے سوچ لو راہِ فرار

تم سے غائب ہے مگر میں دیکھتا ہوں ہر گھڑی
پھرتا ہے آنکھوں کے آگے وہ زماں وہ روزگار

گر کرو توبہ تو اب بھی خیر ہے کچھ غم نہیں
تم تو خود بنتے ہو قہرِ ذوالمنن کے خواستگار

وہ خدا حلم و تفضّل میں نہیں رکھتا نظیر
کیوں بپھرے جاتے ہو اس کے حکم سے دیوانہ وار

میں نے روتے روتے سجدہ گاہ بھی تر کر دیا
پر نہیں ان خشک دل لوگوں کو خوفِ کردگار

(درّثمین)

پھر فرمایا :-

"وہ دن نزدیک ہیں۔ بلکہ میں دیکھتا ہوں کہ دروازے پر ہیں۔ کہ دنیا قیامت کا نظارہ دیکھے گی۔ اور نہ صرف زلزلے بلکہ اور بھی ڈرانے والی آفتیں ظاہر ہوں گی۔ کچھ آسمان سے اور کچھ زمین سے۔ اس لئے کہ نوعِ انسان نے خدا کی پرستش چھوڑ دی۔ اور تمام دل اور تمام ہمت اور تمام خیالات سے دنیا پر ہی گر گئے۔ اگر میں نہ آیا ہوتا تو ان بلاؤں میں کچھ تاخیر ہو جاتی۔ پر میرے آنے کے ساتھ خدا کے غضب کے وہ مخفی ارادے جو ایک بڑی مدت سے مخفی تھے ظاہر ہو گئے۔ یہ مت خیال کرو۔ کہ امریکہ میں سخت زلزلے آئے۔ اور تمہارا ملک ان سے محفوظ ہے۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ شاید اُن سے زیادہ مصیبت کا مُنہ دیکھو گے۔ اے یورپ! تو بھی امن میں نہیں اور اے ایشیا! تو بھی محفوظ نہیں۔ اور اے جزائر کے رہنے والو! کوئی مصنوعی خدا تمہاری مدد نہیں کرے گا۔ میں شہروں کو گرتے دیکھتا ہوں۔ اور آبادیوں کو ویران پاتا ہوں۔" (حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۵۶، ۲۵۷)

اس سلسلہ میں ایک الہام حضور کو یہ بھی ہوا تھا :-

عفت الدیار کذکری۔

یعنے میرے ذکر کی طرح دیار مٹ جائیں گے۔ (الحکم جلد ۹ نمبر ۳۲ صـ ۱۲)

یعنی ان ملکوں میں جس طرح میرا نام مٹایا گیا۔ اسی طرح ان شہروں کو مٹا دیا جائے گا۔ اس مضمون کے متعلق بہت سے الہامات اور کشوف موجود ہیں۔ ایک عبرت پکڑنے والے انسان کے لئے اس قدر بھی کافی ہے۔ کیونکہ یہ سب کچھ انسانی طاقت سے بالا ہے اور دنیا میں کوئی انسان بھی محض اپنی چالاکی اور ہوشیاری سے ان خارق عادت امور کو دنیا پر وارد کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ مگر وہی جو اللہ تعالےٰ کا مامور۔ مُرسل اور نبی ہو "

بعض ہونیوالے امور سے آگاہی

(۸)

زارِ رُوس کا سونٹا اور خوارزم کی کمان

فرمایا

"میں نے دیکھا کہ زار کا سونٹا میرے ہاتھ میں آگیا ہے۔ وہ بڑا لمبا اور خوبصورت ہے۔ پھر میں نے غور سے دیکھا تو وہ بندوق ہے۔ اور یہ معلوم نہیں ہوتا کہ وہ بندوق ہے۔ بلکہ اس میں پوشیدہ نالیاں بھی ہیں۔ گویا بظاہر سونٹا معلوم ہوتا ہے۔ اور وہ بندوق ہے۔

اور پھر دیکھا کہ خوارزم بادشاہ جو بوعلی سینا کے وقت میں تھا۔ اُس کی تیر کمان میرے ہاتھ میں ہے۔ بوعلی سینا بھی پاس ہی کھڑا ہے۔ اور اس تیر کمان سے میں نے ایک شیر کو بھی شکار کیا۔ (الحکم جلد ، ۲ ص۱۵)

(۹)

دُنیا میں اِسلام کے پھیلنے کی پیشگوئی

فرمایا

"قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی۔ مگر اسلام۔ اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے۔ مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وُہ نہ ٹوٹے گا نہ کُند ہوگا۔ جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں، ملکوں میں پھیلے گی۔ اس دن نہ کوئی مصنوعی کفارہ باقی رہے گا۔ اور نہ کوئی مصنوعی خدا۔ اور خدا کا ایک ہی ہاتھ کفر کی سب تدبیروں کو باطل کر دے گا۔ لیکن نہ کسی تلوار سے اور نہ کسی بندوق سے۔ بلکہ مستعد روحوں کو روشنی عطا کرنے سے اور پاک دلوں پر ایک نور اتارنے سے۔ تب یہ باتیں جو میں کہتا ہوں سمجھ میں آئیں گی۔"

(تذکرہ ص۲۸۶)

(۱۰)

سلسلہ احمدیہ کے قیامت تک غلبہ کی پیشگوئی

"اے تمام لوگو! سُن رکھو کہ یہ اس کی پیشگوئی ہے۔ جس نے زمین و آسمان بنایا۔ وہ اپنی اس جماعت کو تمام ملکوں میں پھیلا دیگا۔ اور حجت اور بُرہان کی رُو سے سب پر ان کو غلبہ بخشیگا۔ وہ دن آتے ہیں۔ بلکہ قریب ہیں کہ دنیا میں صرف یہی ایک مذہب ہوگا جو عزت کے ساتھ یاد کیا جائیگا۔ خدا اس مذہب اور اس سلسلہ میں نہایت درجہ اور فوق العادت برکت ڈالیگا۔ اور ہر ایک جو اس کے معدوم کرنیکا فکر رکھتا ہے نامراد رکھے گا۔ اور یہ **غلبہ** ہمیشہ رہے گا۔ یہاں تک کہ **قیامت** آ جائے گی۔ . . . . اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہیں ہوگی کہ عیسےٰؑ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نومید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑ دیں گے۔ اور **دُنیا میں ایک ہی مذہب ہوگا** اور **ایک ہی پیشوا**۔ میں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں۔ سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب

وُہ بڑھیگا اور پھُولیگا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے"

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۶۴-۶۵)

آپؐ کی ذرّیتِ طیّبہؓ

آپؑ کی ذُرّیّتِ طیّبہ

یہ پانچوں جو کہ نسلِ سیّدہ ہیں
یہی ہے پنجتن جن پر بنا ہے

آپ کی ذرّیت طیبہ بھی آپ کی صداقت کی ایک دلیل ہے۔ کیونکہ آپ کے وجود کو دنیاداری سے ایک ذرہ بھی تعلق نہ تھا۔ اور آپ چاہتے تھے کہ آپ کے خاندان کے لوگ تو ایک طرف رہے، ساری دنیا اس ایک آستانہ الٰہی پر گر جائے چنانچہ آپ فرماتے ہیں ؎

اے مرے پیارے فدا ہو تجھ پہ ہر ذرہ مرا
پھیر دے میری طرف اے سارباں جگ کی مہار
اک کرم کر پھیر دے لوگوں کو فرقاں کی طرف
نیز دے توفیق تا وہ کچھ کریں سوچ اور بچار

جبکہ عام دنیا کے لئے آپ کے دل میں یہ تڑپ تھی۔ تو اپنی اولاد کے لئے کس قدر تڑپ ہوگی۔ وہ دو بیٹے جو پہلی بیوی سے تھے۔ وہ اپنے خاندان کی روایات کے مطابق دنیاوی ترقیوں کے حصول میں لگے، ہوئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ آپ اُن سے الگ رہتے تھے۔ ایک لمبے زمانے کے بعد خدا تعالےٰ نے آپ کی قلبی حالت کے مطابق آپ کو ۱۸۸۱ء میں مخاطب کر کے فرمایا:۔ اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ حَسِیْنٍ (تذکرہ ص ۳۵)

یعنی ہم تجھے ایک حسین لڑکا عطا کرنے کی خوشخبری دیتے ہیں۔ اس الہام کے متعلق آپ نے تریاق القلوب صفحہ ۳۴ پر تحریر فرمایا :-

" میں نے یہ الہام ایک شخص حافظ نور احمد امرتسری کو سنایا جواب تک زندہ ہے اور بباعث میرے دعویٰ مسیحیت کے مخالفوں میں سے ہے۔ اور نیز یہی الہام شیخ حامد علی کو جو میرے پاس رہتا تھا سنایا۔ اور دو ہندوؤں کو جو آمدورفت رکھتے تھے۔ یعنی شرمپت اور ملاوامل ساکنان قادیان بھی سنایا اور لوگوں نے اس الہام سے تعجب کیا۔ کیونکہ میری پہلی بیوی کو عرصہ بیس سال اولاد ہونی موقوف ہو چکی تھی۔ اور دوسری کوئی بیوی نہ تھی لیکن حافظ نور احمد نے کہا۔ کہ

خدا کی قدرت سے کیا تعجب کہ وہ لڑکا دے۔

اس سے قریباً تین برس کے بعد دہلی میں میری شادی ہوئی۔ اور خدا نے وہ لڑکا بھی دیا اور تین اور عطا کئے۔"

اس تشریح اور توضیح سے صاف معلوم ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی نہاں در نہاں مصلحتوں نے آپ کو ذریت طیبہ کی بشارت دی۔ ایسے وقت میں جبکہ جو بیوی موجود تھی۔ وہ اولاد پیدا کرنے کے قابل نہ تھی۔ اور اس کے بطن سے عرصہ بیس سال سے اولاد ہونی بند ہو چکی تھی۔ اس وقت خدا تعالےٰ کا یہ فرمانا کہ ایک خوبصورت بچے کی بشارت دیتا ہوں، اگر اپنے اندر کوئی بات نہیں رکھتا۔ تو وہ بشارت کیسی ہوئی دنیا میں کروڑوں کروڑ انسانوں کے ہاں بچے پیدا ہوتے ہیں۔ اور ان میں ایسے خوبصورت بھی ہوتے ہیں کہ انسان کا دل چاہتا ہے کہ ان کی خوبصورتی کو دیکھتا ہی رہے۔ اور ان کو بھی خدا نے بشارت نہیں دی۔ پھر وہ بچہ جس کی پیدائش سے سالہا سال قبل خدا تعالےٰ خود بشارت دے۔ کیوں متمیز اور خاص اوصاف کا مالک نہ ہو گا۔ غور تو کرو حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کے والد صاحب فوت ہوتے ہیں۔ اور آپ کو الہام ہوتا ہے۔
وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقُ۔ آپ اسے اپنے خدا کی طرف سے عزاپرسی خیال کرتے ہیں۔ کیا دنیا میں کروڑوں انسانوں کے عزیز مرتے نہیں؟ مگر خدا تعالےٰ کسی کی موت پر کوئی الہام نازل نہیں فرماتا۔ جب آپ کے والد کی وفات پر اللہ تعالےٰ نے ایک خارق عادت طریق سے معاملہ کیا۔ تو آپ نے اُسے عزاپرسی قرار دیا۔ بالکل اسی طرح بچے تو لاکھوں کروڑوں پیدا ہوتے ہیں۔ مگر جب کسی بچے میں یہ خصوصیت ہو کہ خدا تعالےٰ اپنے عرش سے کئی سال قبل اس کے دنیا میں آنے کی بشارت دے تو ماننا پڑے گا۔ وہ بچہ کوئی خاص صفات لے کر دنیا میں آرہا ہے۔ اس کی آمد معمولی نہیں۔ جس کی آمد کی اطلاعیں عرش الٰہی سے جاری کی جاچکی ہیں۔

اور یہ ضروری تھا۔ کہ ایسا ہوتا۔ کیونکہ سابقہ پیشگوئیوں کی سچائی لوگوں پر مبہم ہو جاتی اگر ایسا بچہ عالم وجود میں نہ آتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مسیح کی آمد کے متعلق فرمایا تھا۔ تو اس وقت حضور نے فرمایا تھا کہ

يَتَزَوَّجُ وَيُوْلَدُ لَهٗ

ہمارا مسیح جب آئے گا تو وہ شادی کرے گا۔ اور اس کے ایک لڑکا بھی ہوگا۔ اگر اس لڑکے کی کوئی عظمت نہ تھی اور اُسے کوئی خصوصیت حاصل نہ تھی۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا يُوْلَدُ لَهٗ فرمانا بیکار جاتا ہے۔ مگر حق تو یہ ہے کہ ساری دنیا کی مخلوق مل کر بھی اگر کہے تو میرے نزدیک وہ سب جھوٹے ہوں گے۔ اور آنحضرت صلعم کا قول مبارک ہی سچا ہوگا۔ چنانچہ وہ پیشگوئی لفظ بلفظ پوری ہو کر رہی۔ الحمد للہ ثم الحمد للہ۔

حضرت نعمت اللہ ولی نے بھی جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پیشگوئی کا ذکر کیا وہاں فرمایا:۔ پسرش یادگار مے بینم

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیٹوں میں ایک بیٹے کی یہ خصوصیت تھی۔ کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم اور دوسرے صلحائے اُمت نے اس کی عظمت اپنی پیشگوئیوں کی رُو سے دنیا پر قائم کر دی تھی۔ اور اس کے مطابق حضرت کو یہ الہام ہوا۔

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ حَسِيْنٍ

وُہ بیٹا جس کی خبر آنحضرت صلعم نے دی تھی۔ وہ بیٹا جس کا ذکر نعمت اللہ ولی نے کیا تھا۔ اس بیٹے کی ہم بشارت دیتے ہیں۔ گویا کہ مسیح موعود علیہ السلام کو ایک موعود بیٹا دیا جانا آپ کی سچائی کی ایک دلیل تھا۔ اندھے ہیں وہ جن کو یہ سچائی نظر نہیں آتی۔ میں حیران ہوں کہ اس پیشگوئی کا انکار کر کے کوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو کیسے سچا مان سکتا ہے۔ پس یہ پیشگوئی تو ایک محک ہے۔ ایک معیار ہے۔

الغرض

۱۸۸۱ئہ میں آپ کو ایک بیٹے کی آپ کو خبر دی گئی۔ اس خبر پر واقف حال لوگوں کو تعجب ہوا۔ مگر اللہ تعالےٰ نے جلد آپ کو ایک دوسری بیوی دئے جانے کا وعدہ کیا۔ اور فرمایا:۔

اُشْكُرْ نِعْمَتِيْ رَئَيْتَ خَدِيْجَتِيْ

یعنی میرا تو شکر کر کہ تو نے میری خدیجہ کو پایا۔ (براہین احمدیہ صفحہ ۵۵۸)

اس الہام کے دو حصے ہیں۔ اشکر نعمتی۔ رئیت خدیجتی۔ میری نعمت کا شکر کر۔ تو نے میری خدیجہ کو پایا۔ گویا نئی بیوی جو ملنے والی تھی اُسکو اللہ تعالیٰ نے خدیجہ کے نام سے ملقب فرمایا۔ اور اُسے ایک بہت بڑی نعمت قرار دیکر اپنے شکر کا مطالبہ کیا۔

خدیجہ کون تھی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بیوی تھیں۔ جن کے ذریعے سے اسلام کو بڑی

تقویت ملی - اور جن کے بطن مبارک سے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد پیدا ہوئی - جن میں سے ایک سیّدۃ النساء حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا تھیں - اور اُن کے بطن مبارک سے امام حسن اور حسین رضی اللہ تعالےٰ عنہما پیدا ہوئے - آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی میں جبکہ خاندان - شہر - قوم اور ملک کے سب افراد آپ کے دشمن تھے - اس وقت حضرت خدیجہ کا وجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی دلداری کرنے والا - تسلی دینے والا - اپنا روپیہ پانی کی طرح بہانے والا وجود تھا -

حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی اپنی زندگی کے اس دور میں بالکل آنحضرت صلعم کی طرح سے گھر کے سب افراد، خاندان کے سب لوگوں، اپنی قوم اور اپنے ملک کی نگاہوں میں ایک خار کی طرح کھٹک رہے تھے اور سب آپ کے دشمن بنے ہوئے تھے - کوئی دلداری کرنے والا اور تسلی دینے والا وجود نہ تھا جو آنے والی ذمہ داریوں میں برابر کا شریک ہوتا - مہمانوں کی دیکھ بھال - اُن کے کھانے کا خیال رکھنے والا کوئی گھر کا ایسا فرد نہ تھا جو اس ذمہ واری کو اپنے اوپر بہادرانہ طور پر قبول کر لیتا -

آدم تو موجود تھا مگر حوا نہ تھی

جس سے نسلِ انسان چلتی - اس حالت کو دیکھ کر خدا نے آپ کو ایک خدیجہ دینے کا وعدہ کیا - جو آپ کی اس حالت میں معین و مددگار ہو گی - جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حضرت خدیجہ معین و مددگار تھیں -

خدیجہ کے مبارک نام سے یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ ایک پاک نسل کی ماں ہو گی - اور یہ عطا اللہ تعالیٰ کی ایک خاص نعمت قرار دی گئی - یہی نہیں بلکہ وہ خدیجہ ایسی عظیم المرتبت ہو گی - کہ خدا نے پیار سے اُسے اپنی خدیجہ کہا - اس سے حضرت ام المومنین ایدہا اللہ بنصرہا کے مقام رفعت کا پتہ چلتا ہے - حضرت اقدس نے

خود اس الہام پر لکھا:۔

"یہ ایک بشارت کئی سال پہلے اس رشتے کی طرف تھی جو سادات کے گھر میں دہلی میں ہوا۔ اور خدیجہ اس لئے میری بیوی کا نام رکھا کہ وہ ایک مبارک نسل کی ماں ہے۔ جیسا کہ اس جگہ بھی مبارک نسل کا وعدہ تھا۔ اور نیز یہ اس طرف اشارہ تھا۔ کہ وہ بیوی سادات کی قوم سے ہو گی۔

اس سلسلہ میں ایک یہ بھی الہام ہوا کہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الصِّھْرَ وَالنَّسَبَ

اور پھر یہ الہام ہوا ؎

ہرچہ باید نوعروسے را ہماں ساماں کنم
وانچہ مطلوب شما باشد عطائے آں کنم

اس سے معلوم ہوتا ہے اللہ تعالےٰ کو اس شادی کا خاص اہتمام تھا۔ اور اہتمام کیوں نہ ہوتا جبکہ آئندہ دنیا کی اصلاح کا دارومدار اس نسل پر رکھا گیا۔ چنانچہ آپ فرماتے ہیں:۔

"سو چونکہ خدا تعالےٰ کا وعدہ تھا۔ کہ میری نسل میں ایک بڑی بنیاد حمایت اسلام کی ڈالے گا۔ اور اس میں سے وہ شخص پیدا کرے گا۔ جو آسمانی روح اپنے اندر رکھتا ہو گا۔ اس لئے اس نے پسند کیا کہ اس خاندان کی لڑکی میرے نکاح میں لاوے اور اس سے وہ اولاد پیدا کرے جو ان نوروں کو جن کی میرے ہاتھ سے تخم ریزی ہوتی ہے دنیا میں زیادہ سے زیادہ پھیلاوے۔"

اور یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح سادات کی دادی کا نام شہر بانو تھا اسی طرح میری یہ بیوی جو آئندہ خاندان کی ماں ہو گی۔ اس کا نام

نصرت جہاں بیگم ہے۔ یہ تفاؤل کے طور پر اس بات کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے تمام جہان کی مدد کے لئے میرے آئندہ خاندان کی بنیاد ڈالی ہے۔ یہ خدا کی عادت ہے کہ کبھی ناموں میں بھی اس کی پیشگوئی مخفی ہوتی ہے۔" (تریاق القلوب صفحہ ۶۴ و ۶۵)

پس

اس مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہو گیا۔ کہ حضور کی ذریت طیبہ کا مقام کس قدر بلند ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے اُنکو ایک خاص مقصد کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور وہ مقصد یہ ہے کہ

(۱) ان نوروں کو جو حضرت مسیح موعود لائے زیادہ سے زیادہ پھیلائیں۔

اور تا

(۲) خدا اُن کے ذریعے تمام جہان کی مدد کرے۔

۱۸۸۶ء کی خلوت نشینی

۱۸۸۶ء میں آپ نے ہوشیار پور کے مقام پر ایک چالیس روز کی خلوت نشینی اختیار کی اور اس میں بے شمار دعائیں مانگیں۔ چالیس دن تک آپ کا سر آستانہ الٰہی پر پڑا رہا۔ وہ دنیا سے بالکل منقطع تھے۔ تضرع اور زاری میں لگے ہوئے تھے۔ تب خدا تعالیٰ نے اس حالت میں فرمایا:۔

"میں تجھے ایک رحمت کا نشان دیتا ہوں اسی کے موافق جو تو نے مجھ سے مانگا۔ میں نے تیری تضرعات کو سنا اور تیری دعاؤں کو بہ پایۂ قبولیت جگہ دی اور

تیرے سفر کو تیرے لئے مبارک کر دیا۔"

(اشتہار ۲۰ فروری ۱۸۸۶ء)

اسی پر اکتفا نہ کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ نے مزید فرمایا :۔

" سو قدرت اور رحمت اور قربت کا نشان تجھے دیا جاتا ہے۔ فضل اور احسان کا نشان تجھے عطا ہوتا ہے۔ اور فتح و ظفر کی کلید تجھے ملتی ہے۔ اے مظفر! تجھ پر سلام۔ خدا نے یہ کہا تا وہ جو زندگی کے خواہاں ہیں موت کے پنجے سے نجات پاویں۔ اور وہ جو قبروں میں دبے پڑے ہیں باہر آویں۔ اور تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو۔ اور تا حق تمام برکتوں کے ساتھ آجائے۔ اور باطل اپنی تمام نحوستوں کے ساتھ بھاگ جائے۔ اور تا لوگ سمجھیں کہ میں قادر ہوں۔ جو چاہتا ہوں سو کرتا ہوں۔ اور تا وہ یقین لائیں کہ میں تیرے ساتھ ہوں۔ اور تا انہیں جو خدا کے وجود پر ایمان نہیں لاتے۔ اور خدا کے دین اور اس کی کتاب اور اس کے پاک رسول محمد مصطفےٰ کو انکار اور تکذیب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ایک کھلی نشانی ملے۔ اور مجرموں کی راہ ظاہر ہو جائے۔

سو تجھے بشارت ہو کہ ایک وجیہ اور پاک لڑکا تجھے دیا جائے گا۔ ایک زکی غلام (لڑکا) تجھے ملے گا۔ وہ لڑکا تیرے ہی تخم سے تیری ہی ذریت و نسل ہوگا۔

خوبصورت پاک لڑکا تمہارا مہمان آتا ہے۔ اس کا نام عنموایل اور بشیر بھی ہے۔ اس کو مقدس روح دی گئی ہے اور وہ رجس سے پاک ہے، اور وہ نور اللہ ہے مبارک وہ جو آسمان سے آتا ہے۔

اس کے ساتھ فضل ہے جو اس کے آنے کے ساتھ آئے گا۔ وہ

صاحب شکوہ اور عظمت اور دولت ہوگا۔ وہ دنیا میں آئے گا اور اپنے مسیحی نفس اور روح الحق کی برکت سے بہتوں کو بیماریوں سے صاف کرے گا وہ کلمۃ اللہ ہے کیونکہ خدا کی رحمت اور غیوری نے اُسے کلمہ تمجید سے بھیجا ہے۔ وہ سخت ذہین و فہیم ہوگا اور دل کا حلیم۔ اور علوم ظاہری اور باطنی سے پُر کیا جائے گا۔ وہ تین کو چار کرنے والا ہوگا (اس کے معنے سمجھ میں نہیں آئے) دو شنبہ ہے مبارک دو شنبہ۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مَظْهَرُ الْاَوَّلِ وَالْاٰخِرِ مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ۔ جس کا نزول بہت مبارک اور جلال الٰہی کے ظہور کا موجب ہوگا۔ نور آتا ہے نور۔ جس کو خدا نے اپنی رضامندی کے عطر سے ممسوح کیا۔ ہم اس میں اپنی روح ڈالیں گے اور خدا کا سایہ اُس کے سر پر ہوگا۔ وہ جلد جلد بڑھے گا۔ اور اسیروں کی رستگاری کا موجب ہوگا۔ اور زمین کے کناروں تک شہرت پائے گا۔ اور قومیں اُس سے برکت پائیں گی۔ تب اپنے نفسی نقطہ آسمان کی طرف اٹھایا جائے گا۔ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا"۔

پھر خدا نے فرمایا

تیرا گھر برکت سے بھرے گا۔ اور میں اپنی نعمتیں تجھ پر پوری کروں گا۔ اور خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائیگا۔ تیری نسل بہت ہوگی۔ اور میں تیری ذرّیت کو بہت بڑھاؤنگا۔ اور برکت دوں گا۔ مگر بعض ان میں سے کم عمری میں فوت ہوں گے اور تیری نسل کثرت سے ملکوں میں پھیل جائے گی۔

پھر فرمایا :-

تیری ذریت منقطع نہیں ہوگی۔ اور آخری دنوں تک سرسبز رہے گی۔ خدا تیرے نام کو اس روز تک جو دنیا منقطع ہو جائے عزت کے ساتھ قائم رکھے گا۔ اور تیری دعوت کو دنیا کے کناروں تک پہنچا دے گا۔

پھر فرمایا

اے منکرو اور خدا کے مخالفو! اگر تم میرے بندے کی نسبت شک میں ہو۔ اگر تمہیں اس فضل و احسان سے کچھ انکار ہے جو ہم نے اپنے بندے پر کیا تو اس نشانِ رحمت کی مانند تم بھی اپنی نسبت کوئی سچا نشان پیش کرو۔ اگر تم سچے ہو۔ اور اگر تم پیش نہ کر سکو اور یاد رکھو کہ ہرگز پیش نہ کر سکو گے۔ تو اس آگ سے ڈرو کہ جو نافرمانوں اور جھوٹوں اور حد سے بڑھنے والوں کے لئے تیار ہے۔"

(تبلیغ رسالت جلد اول صفحہ ۵۸ تا ۶۴)

یہ تحدی بالکل قرآن کریم کی اس تحدی کی مانند ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَیْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰی عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِیْنَ ۝ اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ آپ کی یہ نسل حقیقت میں ذریت طیبہ ہے۔ پیشگوئی کے مطابق بعض چھوٹی عمر میں فوت ہوگئے۔ جیسے صاحبزادی عصمت۔ صاحبزادہ بشیر اول۔ صاحبزادی شوکت۔ صاحبزادہ مبارک احمد۔ اور باقیوں کو خدا نے لمبی عمریں عطا کیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اُن کی عمروں میں برکت ڈالے۔ آمین

جو اس وقت خدا تعالےٰ کے فضل و کرم سے ہم میں موجود ہیں۔ اُن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ حضرت امیر المومنین میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح ثانی
۲۔ حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے
۳۔ حضرت میرزا شریف احمد صاحب
۴۔ حضرت سیدہ نواب مبارکہ بیگم صاحبہ
۵۔ حضرت سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ

ان پانچوں کی نسبت حضرت نے فرمایا ؎

یہ پانچوں جو کہ نسلِ سیدہ ہیں
یہی ہے پنج تن جن پر بنا ہے

ان پانچوں کے متعلق بھی پیشگوئیاں ہیں۔ جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔ اب میں مختصر طور پر ان کا الگ الگ یہاں ذکر کرتا ہوں۔

حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب

آپ کی پیدائش ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء میں ہوئی۔ آپ کی ولادت پر آپ نے ایک اشتہار دیا۔ جس میں آپ نے تحریر فرمایا:۔

"خدائے عزّ و جلّ نے جیسا کہ اشتہار دہم جولائی ۱۸۸۸ء و اشتہار یکم دسمبر ۱۸۸۸ء میں مندرج ہے۔ اپنے لطف کرم سے وعدہ دیا تھا کہ بشیر اول کی وفات کے بعد ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا۔

جس کا نام **محمود** بھی ہوگا

اور اس عاجز کو مخاطب کر کے فرمایا کہ وہ اولوالعزم ہوگا۔ اور حسن و احسان میں تیرا نظیر ہوگا۔ وہ قادر ہے جس طور سے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔ سو آج ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء

یس مطابق ۹ جمادی الاول ۱۳۰۶ھ بروز شنبہ میں اس عاجز کے گھر میں بفضلہ ایک لڑکا پیدا ہو گیا ہے جس کا نام بالفعل محض تفاؤل کے طور پر بشیر اور محمود رکھا گیا ہے۔ اور کامل انکشاف کے بعد پھر اطلاع دی جائے گی۔ مگر ابھی تک مجھ پہ نہیں کھُلا کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یا وہ کوئی اور ہے" (اس سے کسی کو یہ ٹھوکر نہ لگے کہ حضرت نے یہ لکھا ہے کہ ابھی مجھ پر یہ نہیں کھُلا کہ یہی لڑکا مصلح موعود اور عمر پانے والا ہے یا وہ کوئی اور ہے یہاں یہ امر واضح ہے کہ حضرت اقدس نے آپ کا نام تفاؤل کے طور پر رکھا تھا مگر بعد میں کسی وحی نے اس امر کی تردید نہیں کی۔ کہ آپ وہ نہیں۔ بلکہ جو علامتیں بتلائی گئیں۔ وہ سب آپ میں پائی گئیں۔ اس لئے آپ کے سوا اور کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ہاں اگر کھلی کھلی وحی کسی اور کا نام لیتی یا علامات کسی اور میں پائی جاتیں۔ تو اعتراض پیدا ہو سکتا تھا۔ مگر اب کسی اعتراض کی گنجائش نہیں۔ محمود احمد عرفانی)

پھر فرمایا:۔

"ایک خواب میں اس مصلح موعود کی نسبت زبان پر یہ شعر جاری ہوا تھا ؎

اے فخرِ رسل قرب تو معلومم شد
دیر آمدۂ ز راہِ دور آمدۂ

پس اگر حضرت باری جل شانہٗ کے ارادے میں دیر سے مراد اسی قدر دیر ہے جو اس پسر موعود کے پیدا ہونے میں جس کا نام بطور تفاؤل بشیر الدین محمود رکھا گیا ہے ظہور میں آئی۔ تو تعجب نہیں کہ یہی لڑکا موعود لڑکا ہو۔"

(تبلیغ رسالت حصہ اول ص۱۴۸ حاشیہ)

آپ کی عظمت

آپ کی عظمت ان مختلف تحریروں سے معلوم ہو سکتی ہے جو حضرت اقدس نے

آپ کے متعلق تحریر فرمائی ہیں۔ چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں :—

(۱)

"خدا تعالیٰ نے ایک قطعی اور یقینی پیشگوئی میں مجھ پر ظاہر کر رکھا ہے۔ کہ میری ہی ذریت سے ایک شخص پیدا ہو گا۔ جس کو کئی باتوں میں مسیح سے مشابہت ہو گی۔ وہ آسمان سے اُترے گا اور زمین والوں کی راہ سیدھی کر دے گا۔ وہ اسیروں کی رستگاری بخشے گا۔ اور اُن کو شبہات کی زنجیروں میں مقید ہیں رہائی دے گا۔ فرزند دلبند گرامی ارجمند مَظْهَرُ الْحَقِّ وَالْعَلَاءِ كَاَنَّ اللّٰهَ نَزَلَ مِنَ السَّمَآءِ (ازالہ اوہام ص۱۵۶)

(۲)

"خدا نے مجھے وعدہ دیا ہے کہ تیری برکات کا دوبارہ نور ظاہر کرنے کیلئے تجھ سے ہی اور تیری نسل ہی میں ایک شخص کو کھڑا کیا جائے گا جسمیں روح القدس کی برکات پھونکوں گا۔ وہ پاک باطن اور خدا سے نہایت پاک تعلق رکھنے والا ہو گا۔ اور مظہر الحق والعلاء ہو گا۔ گویا خدا آسمان سے نازل ہوا"

(تحفہ گولڑویہ ص۵۵)

(۳)

"ایک دوسرا بشیر دیا جائے گا۔ جس کا نام محمود ہو گا۔ وہ اولوالعزم ہو گا۔ اور حسن و احسان میں تیرا نظیر ہو گا۔ وہ قادر ہے۔ جس طور سے چاہتا ہے پیدا کرتا ہے" (تذکرہ ص۱۶۲)

(۴)

"میرا پہلا لڑکا جو زندہ موجود ہے جس کا نام محمود ہے وہ ابھی پیدا نہیں ہوا تھا

کہ کشفی طور پر اس کے پیدا ہونے کی خبر دی گئی۔ اور میں نے مسجد کی دیوار پر اس کا نام لکھا ہوا یہ پایا۔

محمود

تب میں نے اس پیشگوئی کے شائع کرنے کے لئے سبز رنگ کے ورقوں پر ایک اشتہار چھاپا۔" (تریاق القلوب ص۴۲)

(۵)

بشارت دی کہ اک بیٹا ہے تیرا　　جو ہو گا ایک دن محبوب میرا
کروں گا دُور اس مہ سے اندھیرا　　دکھاؤں گا کہ اک عالم کو پھیرا
بشارت کیا ہے اک دل کی غذا دی
فسبحان الّذی اخزا الاعادی

(دُرِّثمین محمود کی آمین)

(۶)

"میرا چونتیسواں نشان یہ ہے کہ میرا ایک لڑکا فوت ہو گیا تھا۔ اور مخالفوں نے جیسا کہ اُن کی عادت ہے اس لڑکے کے مرنے پر بڑی خوشی ظاہر کی تھی۔ تب خدا تعالےٰ نے مجھے بشارت دے کر فرمایا اس کے عوض جلد ایک اور لڑکا پیدا ہو گا۔ جس کا نام محمود ہو گا۔ اور اس کا نام ایک دیوار پر مجھے دکھایا گیا۔" (حقیقۃ الوحی ص۲۱۷)

(۷)

"پس مصلح موعود کا نام الہامی عبارت میں **فضل** رکھا گیا۔ اور نیز دوسرا نام اس کا **محمود** اور تیسرا نام اس کا **بشیر ثانی** بھی ہے اور ایک الہام میں اس کا نام **فضل عمر** رکھا گیا ہے۔" (سبز اشتہار ص۲۶ حاشیہ)

الغرض

اس قسم کی بہت سی عبارتیں اور پیشگوئیاں آپ کے حق میں نازل ہوئیں۔ اس سے آپ کی شان اور عظمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آپ کو اللہ تعالےٰ نے بکثرت اولاد دی۔ جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ صاحبزادہ میرزا ناصر احمد صاحب
۲۔ صاحبزادہ میرزا مبارک احمد صاحب
۳۔ صاحبزادہ میرزا منور احمد صاحب
۴۔ صاحبزادہ میرزا رفیق احمد صاحب
۵۔ صاحبزادہ میرزا خلیل احمد صاحب
۶۔ صاحبزادہ میرزا طاہر احمد صاحب
۷۔ صاحبزادہ میرزا اظہر احمد صاحب
۸۔ صاحبزادہ میرزا انوار احمد صاحب
۹۔ صاحبزادہ میرزا حفیظ احمد صاحب
۱۰۔ صاحبزادہ میرزا وسیم احمد صاحب
۱۱۔ صاحبزادہ میرزا حنیف احمد صاحب
۱۲۔ صاحبزادہ میرزا نعیم احمد صاحب

اس کے علاوہ آپ کی ۹ صاحبزادیاں ہیں ؂

حضرت میرزا بشیر احمدؓ صاحب ایم۔ اے

آپ کے دوسرے صاحبزادے حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ہیں۔ آپ کی نسبت بھی قبل از وقت اللہ تعالےٰ نے خبر دی تھی۔ چنانچہ کتاب آئینہ کمالات اسلام میں آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کے متعلق وحی الٰہی یوں درج ہے:۔

(۱)

"یَوْمَ یَجِیْءُ الْحَقُّ وَیُکْشَفُ الصِّدْقُ وَیَخْسَرُ الْخَاسِرُوْنَ۔ اَنْتَ مَعِیْ وَاَنَا مَعَكَ وَلَا یَعْلَمُهَا اِلَّا الْمُسْتَرْشِدُوْنَ نَرُدُّ اِلَیْكَ الْکَرَّةَ الثَّانِیَةَ وَنُبَدِّ لَنَّكَ مِنْ بَعْدِ خَوْفِكَ اَمْنًا۔

يَأْتِي قَمَرُ الْاَنْبِيَاءِ وَ اَمْرُكَ يَتَاَتّٰى ـ يُسِرُّ اللّٰهُ وَجْهَكَ وَيُنِيْرُ بُرْهَانَكَ ـ سَيُوْلَدُ لَكَ الْوَلَدُ وَ يُدْنٰى مِنْكَ الْفَضْلُ اِنَّ نُوْرِيْ قَرِيْبٌ ـ وَقَالُوْا اَنّٰى لَكَ هٰذَا قُلْ هُوَ اللّٰهُ عَجِيْبٌ ـ وَلَا تَيْئَسْ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ ـ اُنْظُرْ اِلٰى يُوْسُفَ وَاِقْبَالِهٖ ـ قَدْ جَآءَ وَقْتُ الْفَتْحِ وَالْفَتْحُ اَقْرَبُ ـ يَخِرُّوْنَ عَلَى الْمَسَاجِدِ ـ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا اِنَّا كُنَّا خَاطِئِيْنَ ـ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ـ اَرَدْتُ اَنْ اَسْتَخْلِفَ فَخَلَقْتُ اٰدَمَ ـ نَجِيُّ الْاَسْرَارِ ـ اِنَّا خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْ يَوْمٍ مَّوْعُوْدٍ ـ

یعنی اُس دن حق آئے گا اور صدق کھل جائے گا۔ اور جو لوگ خسارہ میں ہیں وہ خسارہ میں پڑیں گے۔ تو میرے ساتھ اور میں تیرے ساتھ ہوں ۔ اور اس حقیقت کو کوئی نہیں جانتا۔ مگر وہی جو رُشد رکھتے ہیں۔ ہم پھر تجھ کو غالب کریں گے اور خوف کے بعد امن کی حالت عطا کر دیں گے۔ نبیوں کا چاند آئے گا اور تیرا کام تجھے حاصل ہو جائے گا۔ خدا تیرے مُنہ کو بشاش کریگا۔ اور تیرے بُرہان کو روشن کر دے گا۔ اور تجھے ایک بیٹا عطا ہو گا اور فضل تجھ سے قریب کیا جائے گا۔ اور میرا نور نزدیک ہے۔ اور کہتے ہیں کہ یہ مراتب تجھ کو کہاں ؟ ان کو کہہ کہ وہ خدا عجیب خدا ہے۔ اس کے ایسے ہی کام ہیں۔ جس کو چاہتا ہے اپنے مقربوں میں جگہ دیتا ہے۔ اور میرے فضل سے نومید مت ہو۔ یوسف کو دیکھ اور اس کے اقبال کو۔ فتح کا وقت آرہا ہے۔ اور فتح قریب ہے۔ مخالف یعنی جن کے لئے توبہ مقدر ہے اپنی سجدہ گاہوں میں گرینگے کہ ہمارے خدا ! ہمیں بخش کہ ہم خطا پر تھے۔ آج تم پر کوئی سرزنش نہیں ، خدا

تمہیں بخش دے گا۔ اور وہ ارحم الراحمین ہے۔ میں نے ارادہ کیا کہ ایک اپنا خلیفہ زمین پر مقرر کروں، تو میں نے آدم کو پیدا کیا جو نجیّ الاسرا ہے ہم نے ایسے دن اُس کو پیدا کیا، جو وعدہ کا دن تھا۔" (تذکرہ صفحہ ۲۱۰، ۲۱۱)

مذکورہ بالا وحی الٰہی دسمبر ۱۸۹۲ء کی ہے۔ اس کے بعد جب ۲۰ راپریل ۱۸۹۳ء کو حضرت میرزا بشیر احمد صاحب پیدا ہوئے۔ تو اسی تاریخ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک اشتہار میں مندرجہ بالا پیشگوئی کے پورے ہونے کا اعلان فرمایا۔ چنانچہ حضور تحریر فرماتے ہیں :-

(۲)

"۲۰ راپریل ۱۸۹۳ء سے چار مہینے پہلے صفحہ ۲۶۶ آئینہ کمالات اسلام میں بقید تاریخ شائع ہو چکا ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک اور بیٹے کا اس عاجز سے وعدہ کیا ہے جو عنقریب پیدا ہو گا۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ سو آج ۲۰ راپریل ۱۸۹۳ء کو وہ پیشگوئی پوری ہو گئی۔" (اشتہار ۲۰ راپریل ۱۸۹۳ء)

اس پیشگوئی میں **قمر الانبیاء** سے مراد حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ہیں۔ علاوہ اس پیشگوئی کے قمر الانبیاء کے متعلق ۱۰ ردسمبر ۱۸۹۲ء کو دوسری مرتبہ پیشگوئی فرمائی۔ جو تذکرہ صفحہ ۲۱۴ پر موجود ہے اور تیسری مرتبہ تذکرہ صفحہ ۲۶۸ پر درج ہے۔

حقیقۃ الوحی صفحہ ۲۱۷ پر اس پیشگوئی کے پورا ہونے کو حضرت اقدس نے اپنا پینتیسواں نشان قرار دیا ہے۔ چنانچہ حضور تحریر فرماتے ہیں :-

(۳)

"پینتیسواں نشان یہ ہے۔ کہ پہلا لڑکا محمود احمد پیدا ہونے کے بعد میرے گھر میں ایک اور لڑکا پیدا ہونے کی خدا نے مجھے بشارت دی اور اس کا اشتہار بھی لوگوں میں شائع کیا گیا۔ چنانچہ دوسرا لڑکا پیدا ہوا۔ اور اس کا

نام بشیر احمد رکھا گیا :

علاوہ ازیں مندرجہ ذیل رؤیا اور الہام میں بھی آپ [illegible] حضور نے ایک رؤیا میں دیکھا کہ

(۴)

"بشیر احمد کھڑا ہے اور وہ ہاتھ سے شمال مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ زلزلہ اس طرف چلا گیا۔" (تذکرہ صفحہ ۶۶۲)

اس رؤیا کے مطابق جنوری ۱۹۳۴ء میں ایک زبردست زلزلہ علاقہ بہار (ہندوستان) میں آیا۔ اور اس نشان کے ظہور کی اشاعت کا شرف بھی حضرت میرزا بشیر احمد صاحب کو ہی حاصل ہوا۔ چنانچہ آپ نے ایک رسالہ "ایک اور تازہ نشان" کے عنوان سے تصنیف کر کے شائع فرمایا۔

(۵)

حضرت میاں بشیر احمد صاحب کی بچپن میں آنکھیں دکھتی رہتی تھیں۔ پلکیں گر گئی تھیں اور پانی بہتا رہتا تھا۔ حضرت اقدس نے آپ کیلئے دعا کی تو الہام ہوا۔

"بَرَّقَ طِفْلِیْ بَشِیْر"

یعنی میرے لڑکے بشیر احمد کی آنکھیں اچھی ہو گئیں۔ اس سے قبل کئی سال انگریزی اور یونانی علاج کئے گئے تھے مگر فائدہ نہ ہوتا تھا۔" (تذکرہ صفحہ ۳۱۹)

ان الہامات سے آپ کی عظمت اور آپ کے مقام کا بآسانی پتہ چل سکتا ہے۔

آپ کا وجود سلسلہ کے لئے بڑا بابرکت ہے۔ سلسلہ کی اہم ترین نظارت تعلیم و تربیت کی نگرانی کا کام آپ کے سپرد سالہا سال رہا۔ آپ نے متعدد اہم ترین کتابیں تصنیف فرمائیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی خلافت کے بعد اخبار الفضل کی ایڈیٹری کے فرائض بھی سرانجام دیتے رہے۔ مدرسہ تعلیم الاسلام میں ابتدائی زمانہ میں بچوں کی اعلیٰ تعلیم، اعلیٰ ورزش اور اعلیٰ اخلاقی تربیت کے لئے جانفشانی سے [illegible]

ہے۔ مدرسہ احمدیہ کی ہیڈ ماسٹری۔ سالانہ جلسہ کی افسری اور اس طرح کی بے شمار خدمات آپ کے ذریعہ سے سرانجام ہوئیں۔ انگریزی ریویو کی ایڈیٹری کی خدمت بھی عرصہ تک آپ کے سپرد رہی۔ الغرض آپ کا ایک ایک لمحہ ایک ایک منٹ خدمت سلسلہ کے لئے نہایت سرشاری سے لگا ہوا ہے۔ آپ نہایت معاملہ فہم۔ مدبّر اور حکیم انسان ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کی زندگی میں برکت پر برکت ڈالے۔ آمین

آپ کی اولاد

آپ کے حسب ذیل صاحبزادے ہیں:۔

۱۔ صاحبزادہ میرزا مظفر احمد صاحب آئی سی ایس
۲۔ صاحبزادہ میرزا حمید احمد صاحب
۳۔ صاحبزادہ میرزا منیر احمد صاحب
۴۔ صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب
۵۔ صاحبزادہ میرزا مجید احمد صاحب

اور چار صاحبزادیاں ہیں۔ اللہ تعالےٰ سب کی عمروں میں برکت ڈالے۔ آمین

حضرت میرزا شریف احمدؐ صاحب

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تیسرے لختِ جگر حضرت میرزا شریف احمد صاحب ہیں۔ ان کی نسبت حضرت اقدس نے حقیقۃ الوحی میں یوں تحریر فرمایا:۔

"چھتیسواں نشان یہ ہے کہ بشیر احمد کے بعد ایک اور لڑکا پیدا ہونے کی خدا نے مجھے بشارت دی۔ چنانچہ وہ بشارت بھی بذریعہ اشتہار لوگوں میں شائع کی گئی۔ بعد اس کے تیسرا لڑکا پیدا ہوا۔ اور اس کا نام شریف احمد رکھا گیا۔"

حضرت میرزا شریف احمد صاحب کی نسبت بھی متعدد الہامات حضور شائع فرما چکے ہیں۔ جن میں سے بعض یہاں درج کرتا ہوں۔

(۱)

اِنَّا نُبَشِّرُکَ بِغُلَامٍ

یعنی ہم تجھے ایک لڑکے کی خوشخبری دیتے ہیں"۔ (انوار الاسلام ص۳۲ حاشیہ)

پھر دوسری جگہ تحریر فرمایا:۔

"ہمیں خدا تعالیٰ نے عبد الحق کی یاوہ گوئی کے جواب میں بشارت دی تھی کہ تجھے ایک لڑکا دیا جائے گا۔ جیسا کہ ہم اس انوار الاسلام میں اس بشارت کو شائع بھی کر چکے ہیں۔ سو الحمد للہ والمنۃ کہ اس الہام کے مطابق ۲۷ ذیقعدہ ۱۳۱۲ھ ہجری مطابق ۲۴ مئی ۱۸۹۵ء میں میرے گھر میں لڑکا پیدا ہوا۔ جس کا نام شریف احمد رکھا گیا۔ (ٹائٹل ضیاء الحق صفحہ آخر)

(۲)

"جب یہ پیدا ہوا تھا اس وقت عالمِ کشف میں آسمان پر ایک ستارہ دیکھا تھا جس پر لکھا تھا۔

مُعَمَّرُ اللّٰہِ

(۳)

حضرت اقدس فرماتے ہیں کہ

"شریف احمد کو خواب میں دیکھا۔ اس نے پگڑی باندھی ہوئی ہے اور دو آدمی پاس کھڑے ہیں۔ ایک نے شریف احمد کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ

وہ بادشاہ آیا

دوسرے نے کہا ابھی تو اس نے قاضی بننا ہے"۔ (تذکرہ ص۷۰۶)

فرمایا:۔ ” قاضی کو حَکَم بھی کہتے ہیں۔ قاضی وہ ہے جو تائید حق کرے اور باطل کو رد کرے۔“

(۴)

ایک کشف

فرمایا:۔ ”چند سال ہوئے ایک دفعہ عالم کشف میں اسی لڑکے شریف احمدؐ کے متعلق کہا تھا۔ کہ

اب تو ہماری جگہ بیٹھ اور ہم چلتے ہیں۔“ (تذکرہ صـ ۶۷۱)

(۵)

ایک دفعہ صاحبزادہ میرزا شریف احمد صاحب کی بیماری کی حالت میں حضرت اقدس کو حسب ذیل الہام ہوئے۔

(۱) عَمَّرَهُ اللّٰهُ خلافَ التَّوَقُّع (۲) اَمَّرَهُ اللّٰهُ خلافَ التَّوَقُّع (۳) مُرَادُكَ حَاصِلٌ (۴) اللّٰهُ خَيْرٌ حَافِظًا وَّ هُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْن۔ (تذکرہ صـ ۶۶۶)

ان الہامات سے حضرت میاں شریف احمد صاحب کے متعلق پوری روشنی پڑتی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے آپ کو کتنا بڑا مقامِ عزت دیا ہوا ہے۔

آپ کی اولاد

اللہ تعالےٰ نے آپ کو تین فرزند عطا فرمائے۔ جن کے اسماء گرامی حسب ذیل ہیں:۔

(۱) صاحبزادہ میرزا منصور احمد صاحب (۲) صاحبزادہ میرزا ظفر احمد صاحب بارایٹ لاء (۳) صاحبزادہ کیپٹن میرزا داؤد احمد صاحب۔

آپ کی صاحبزادیوں میں سے دو خدا کے فضل سے موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو زندہ رکھے۔ اور ایک صاحبزادی سیّدہ امۃ الودود صاحبہ بی۔اے وفات پا گئیں۔ اِنّا للّٰہ و اِنّا الیہ راجعون۔

حضرت نوّاب مُبارکہ بیگم صاحبہ

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی شادی حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رئیس آف مالیر کوٹلہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود فرمائی تھی۔ نواب صاحب موصوف کی اس قربانی کی وجہ سے جو انہوں نے احمدیت کے قبول کرنے میں پیش کی۔ اللہ تعالے نے اُن کو حجۃ اللہ کا معزز خطاب عطا فرمایا۔

نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے حسب ذیل الہامات ہیں:۔

(۱)

"سینتیسواں ۳۷ نشان یہ ہے کہ بعد اس کے حمل کے ایام میں ایک لڑکی کی بشارت دی اور اس کی نسبت فرمایا

تُنَشَّأُ فِی الْحِلْیَۃِ

یعنی زیور میں نشوونما پائے گی۔ نہ خورد سالی میں فوت ہوگی اور نہ تنگی دیکھے گی چنانچہ بعد اس کے لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام مبارکہ بیگم رکھا گیا۔ اسکی پیدائش سے جب سات روز گذرے۔ تو عین عقیقہ کے دن یہ خبر آئی کہ پنڈت لیکھرام پیشگوئی کے مطابق کسی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تب ایک ہی وقت میں دو نشان پورے ہوئے!" (حقیقۃ الوحی ص ۲۱۷)

(۲)

فرمایا:۔ "میں نے خواب میں دیکھا کہ مبارکہ پنجابی میں بول رہی ہے کہ مینوں کوئی نہیں کہہ سکتا۔ کہ ایسی آئی جس نے ایہہ مصیبت پائی"

(الحکم ۱۰ر جون ۱۹۰۳ء)

(۳۶)

حضرتِ مبارکہ بیگم کے متعلق الہام ہُوا:-

"نوّاب مبارکہ بیگم"

آپ کی اولاد

آپ کے بطن مبارک سے دو فرزند پیدا ہوئے :-

(۱) خان محمدؐ احمد خاں صاحب (۲) خان مسعود احمد خاں صاحب

اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں ؛ اَللّٰھُمَّ بَارِکْ فِیْھِمْ

صاحبزادی امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ

حضرت کی سب سے چھوٹی صاحبزادی سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ ہیں۔ انکی نسبت حضرت اقدس کو "دختِ کرام" الہام ہُوا تھا۔ یہ الہام اسی زمانہ میں الحکم اور بدر میں شائع ہُوا۔ حقیقۃ الوحی میں اس نشان کو حضور نے اپنا چالیسواں نشان قرار دیا ہے۔ (صفحہ ۲۱۸)

سیّدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کی شادی خان محمد عبداللہ خان صاحب آف مالیرکوٹلہ سے ہوئی۔ جو ایک نہایت متقی۔ پرہیزگار اور خداترس انسان ہیں اور باوجود ایک بڑے خاندان کے فرد ہونے کے ان کی طبیعت میں خاکساری اور تواضع ہے۔

سیدہ امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ کے بطن مبارک سے دو صاحبزادے پیدا ہوئے جن کے اسماء حسب ذیل ہیں :-

(۱) خان عباس احمد خاں صاحب (۲) خان شاہد احمد خانصاحب

اور پانچ صاحبزادیاں پیدا ہوئیں ۔

یہ وہ پانچ حضور کی اولادیں ہیں - جن کو خدا تعالےٰ نے اپنے وعدے کے مطابق بڑھایا - اور بڑھا رہا ہے - اور بڑھاتا چلا جائے گا حتیٰ کہ وہ دنیا کے ملکوں میں پھیل جائیں گے [illegible] ان [illegible] نہ سکے گا -

اس لئے [illegible] عالی انسان! ذرا [illegible] معمولی کے [illegible] کیا یہ انسان کا کاروبار ہے ؟ کیا کوئی گارنٹی اس بات کی ہو سکتی ہے کہ ایک شخص اپنی اولاد کے لئے اتنی بڑی تحدی کرے اور وہ پوری ہو کر رہے ؟ ہرگز نہیں - ایسا سوائے خدا کے کوئی کر نہیں سکتا -

حضور کے جو بچے فوت ہو چکے ہیں - ان کے نام حسب ذیل ہیں :-

بشیر اوّل - مبارک احمد - عصمت - شوکت - امۃ النصیر - ان میں سے ہر ایک خدا تعالےٰ کے الہام کے مطابق پیدا ہوا - اور الہام کے مطابق فوت ہو گیا - اس وقت ان کی تفصیل کا موقعہ نہیں - مبارک احمد کی وفات پر حضور نے تین اشعار لکھے تھے وہ میں یہاں درج کر دیتا ہوں ؎

جگر کا ٹکڑا مبارک احمد جو پاک شکل اور پاک خو تھا
وہ آج ہم سے جدا ہوا ہے ہمارے دل کو حزیں بنا کر
کہا کہ آئی ہے نیند مجھ کو یہی تھا آخر کا قول لیکن
کچھ ایسے سوئے کہ پھر نہ جاگے تھکے بھی ہم پھر جگا جگا کر
برس تھے آٹھ اور کچھ مہینے کہ جب خدا نے اُسے بُلایا
بلانے والا ہے سب سے پیارا اسی پہ اے دل تو جاں فدا کر

(نوشتہ از لوح مزار)

بشیر اول کے متعلق پہلے ذکر آچکا ہے۔ عصمت کے متعلق الہام ہوا تھا:۔

کرم الجنۃ دوحۃ الجنۃ

یہ اولاد حضرت ام المومنین سیدۃ النساء حضرت نصرت جہاں بیگم صاحبہ کے بطن مبارک سے پیدا ہوئی اور ان کی نسبت بار بار الہام میں فرمایا گیا۔ اِنِّیْ مَعَکَ وَمَعَ اَھْلِکَ اور یہ بھی فرمایا کہ اِنِّیْ مَعَکَ وَمَعَ اَھْلِکَ ھٰذِہٖ اور ان کو مخاطب کر کے فرمایا گیا خُذُوا التَّوْحِیْدَ یَا اَبْنَاءَ الْفَارِسِ۔ اور ان ہی کی نسبت کہا گیا۔ کہ سے

یہ پانچوں جو کہ نسل سیدہ ہیں
یہی ہے پنج تن جن پر بنا ہے

پس مبارک ہیں وہ جنہوں نے مسیح موعود کے دامن کو پکڑا۔ اور پھر فتنوں کی حالت میں آپ کے اہل کے ساتھ، آپ کے پنج تن کے ساتھ، ابنائے فارس کے ساتھ رہے۔ یہ لوگ خدا کی بشارتوں کے ساتھ، خدا کی نصرتوں کے وعدوں کے ساتھ دنیا میں بھیجے گئے۔ یہ سب اس کے نشانات میں سے ہیں۔ یہ آیات اللہ ہیں۔ یہ مسیح موعود کی دعاؤں کا نتیجہ ہیں۔ پس ہر فتنہ میں یہ ہمارے لئے لائف بیلٹ کا کام دیتے رہیں گے۔ ہم کو زید اور بکر سے کیا کام۔ ہم کو کسی کی خدمت اور عدم خدمت سے کیا غرض۔ کیا آدم کے دو بیٹوں نے برابر کی قربانی نہیں کی تھی۔ کیا وہ قربانی خدا کے نام پر نہ تھی۔ پھر کیا دونوں قربانی کرنیوالے خدا کے حضور برابر کے تھے؟

میں کیسے مان لوں کہ جسے خدا نے اپنے ہاتھ سے برپا کیا اور جسے خدا نے خود گاڑا۔ اور جس کی اس نے خود حفاظت کی۔ اور اُسے باد سموم کے جھونکوں سے خود بچاتا رہا۔ وہ تو خدا کی درگاہ میں راندہ جائے۔ اور ایک ایسا شخص جسے ان

باتوں میں سے کوئی بھی حاصل نہیں۔ اور وہ نیاز مندی چھوڑ کر خود ایک راہ تراشنے لگے۔ اُسے یہ سمجھ لیا جائے کہ وہ خدا کا سب سے زیادہ محبوب اور منظور نظر ہے۔

یہ راہ تو دُور از عقل ہے اور دُور از قیاس۔

اِس لئے

میں ہر اس شخص کو جو احمدی ہے اور یا جو احمدیت کی چادر کو اوڑھنا چاہتا ہے۔ کہتا ہوں۔ اور کہوں گا۔ اور کہتا رہوں گا۔ کہ تو اپنے ہاتھ کو

اہل بیت کے دامن سے

جدا نہ ہونے دینا۔ اس لئے کہ خدا نے ان کی معیت کا وعدہ کر لیا ہے۔

اس خاندان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے یہ دعا کی ہے سے

یہ تینوں تیرے چاکر ہوویں جہاں کے رہبر
یہ ہادیٔ جہاں ہوں یہ ہوویں نور یکسر
یہ مرجع شہاں ہوں یہ ہوویں مہر انور
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

اہلِ وقار ہوویں فخرِ دیار ہوویں
حق پر نثار ہوویں مولیٰ کے یار ہوویں
با برگ و بار ہوویں اک سے ہزار ہوویں
یہ روز کر مبارک سُبْحَانَ مَنْ یَّرَانِیْ

آپ کی پہلی بیوی کی اولاد

یہاں میں مناسب خیال کرتا ہوں کہ چند لفظ آپ کی پہلی بیوی کی اولاد کے متعلق

بھی لکھ دوں۔ آپ کی پہلی بیوی سے آپ کے دو بیٹے ہوئے ایک حضرت میرزا سلطان احمد صاحب تھے اور دوسرے میرزا فضل احمد صاحب۔ افسوس کہ میرزا فضل احمد صاحب کو قبولیتِ حق کا موقع میسر نہ آیا۔ اور حضرت میرزا سلطان احمد صاحب کو اللہ تعالیٰ نے آپؑ پر ایمان لانے کی توفیق دی۔ آپ نے خلافت ثانیہ میں حضرت خلیفہ ثانی کے ہاتھ پر بیعت کر کے اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی روحانی اولاد میں داخل کر لیا۔ اور اس طرح تین سے چار ہو گئے۔ اور وہ تین کو چار کرنے والا ہمارا امام مصلح موعود حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد ہے۔ اَللّٰھُمَّ اَیِّدْہُ بِنَصْرِہِ الْعَزِیْز ؕ

میرزا سلطان احمدؐ صاحب اور احمدیّت

میرا ایمان اور یقین یہی ہے کہ میرزا سلطان احمد صاحب ابتداء ہی سے اپنے دل میں احمدیت قبول کر چکے تھے۔ مگر خاندان کی مشکلات اور کچھ اور موانع ان کو ایسا اقدام کرنے کی جرأت نہ کرنے دیتے تھے۔ چنانچہ اس کے ثبوت میں مَیں تین باتیں پیش کرتا ہوں:۔

(۱)

حضرت اقدس میر عباس علی صاحب کو اپنے مکتوب میں ۸ ؍ جنوری ۱۸۸۴ء کو تحریر فرماتے ہیں:۔

"مجھ کو یاد ہے اور شاید عرصہ تین ماہ یا کچھ کم و بیش ہوا ہے کہ اس خاکسار کے فرزند نے ایک خط لکھ کر مجھے بھیجا کہ میں نے امتحان تحصیلداری کا دیا ہے اس کی نسبت دعا کریں کہ پاس ہو جاؤں اور بہت کچھ انکسار اور

تذلّل ظاہر کیا کہ ضرور دعا کریں۔ مجھ کو وہ خط پڑھکر بجائے رحم کے غصہ آیا۔ کہ اس شخص کو دنیا کے بارے میں کس قدر ہم و غم ہے۔ چنانچہ اس عاجز نے وہ خط پڑھتے ہی۔ تمام تر نفرت و کراہت کے چاک کر دیا۔ اور دل میں کہا کہ دنیوی غرض اپنے مالک کے سامنے کیا پیش کروں۔ اس خط کے چاک کرتے ہی الہام ہُوا

پاس ہو جاوے گا

اور وہ عجیب الہام بھی اکثر لوگوں کو بتلایا گیا۔ چنانچہ وہ لڑکا پاس ہو گیا۔ الحمد للہ" (مکتوبات احمدیہ جلد اول صفحہ ۲،۷ و ۷۳)

اس درخواست سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ۱۸۸۴ء میں میرزا سلطان احمد صاحب کو آپکی راستبازی۔ آپ کی نیکی اور آپ کی دعاؤں پر کامل یقین تھا۔ اگر یہ نہ ہوتا تو اس قدر انکساری اور تذلّل کے ظاہر کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اور خدا تعالےٰ کو بھی اُن کی اس عاجزی پر رحم آیا اور فرمایا کہ پاس ہو جاوے گا۔ سو وُہ نہ صرف اس امتحان میں پاس ہوئے بلکہ امتحانِ آخرت میں بھی پاس ہو گئے ۔

(۲)

دوسری چیز میرزا سلطان احمد صاحب کی شہادت ہے جو آپ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق دی۔ اور حیاتُ النبی میں شائع شدہ موجود ہے۔ فرمایا۔

"آپ کے پاس ایک قرآن مجید تھا۔ اس کو آپ پڑھتے تھے اور اس پر آپ نشان کرتے تھے۔ میں بلا مبالغہ کہہ سکتا ہوں کہ شاید دس ہزار مرتبہ پڑھا ہو گا۔" (حیات النبی ص ۱۰۹)

آنحضرت صلعم سے محبت کے متعلق کہا :-

"حضرت صاحبؐ سے تو بس والد صاحب کو عشق تھا ایسا عشق میں نے کبھی کسی شخص میں نہیں دیکھا۔" (سیرۃ المہدی حصہ اول ص۲)

اس شہادت سے میرزا سلطان احمد صاحب کے اس ایمان و یقین کا پتہ چلتا ہے۔ جو آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی قرآن کریم سے محبت اور رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم سے کے متعلق تھا۔ اور جب انسان کسی شخص کو اتنا بڑا عاشقِ رسول اور عاشقِ قرآن مان لے۔ تو پھر اس کی سچائی میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔

(۳)

تیسری دلیل وہ خط ہے جو حضرت میرزا سلطان احمد صاحب نے اپنے لختِ جگر محترم میرزا عزیز احمد صاحب ایم۔ اے کو ۱۹۰۷ء میں اس وقت لکھ کر دیا جبکہ انہوں نے علی گڑھ کالج کی سٹرائک میں حصہ لیا۔ اور حضور نے ان کو جماعت سے خارج کر دیا۔ یہ خط جو بطور معافی نامہ کے لکھا گیا۔ حضرت میرزا سلطان احمد صاحب کا لکھا ہوا ہے۔ میرزا عزیز احمد صاحب نے صرف اس کی نقل کی تھی۔ خط یہ ہے :۔

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؛ نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

بخدمت امام زمان حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ۔

فدوی اپنے گذشتہ قصوروں کی معافی طلب کرتا ہے اور التجا کرتا ہے کہ اس خاکسار کی گذشتہ کوتاہیوں کو معاف کر کے زمرۂ تابعین میں شامل کیا جائے۔ اور اس عاجز کے حق میں دعا فرماویں کہ آئندہ اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھے۔

حضور کا عاجز

عزیز احمد"

یہ مکتوب میرزا عزیز احمد صاحب کے قلب کا عکس نہیں بلکہ حضرت میرزا سلطان احمد صاحب کے قلب کا آئینہ دار ہے۔ وہ اگر نعوذ باللہ حضرت اقدس کو

اُن کے دعوے میں راستباز خیال نہ کرتے۔ تو اوّل تو میرزا عزیزاحمد صاحب کو بیعت ہی نہ کرنے دیتے۔ اور اگر بیعت کر لی تھی۔ تو ایسی صورت میں جبکہ حضرت اقدس نے ان کو خود خارج کر دیا تھا، میرزا سلطان احمد صاحب خوش ہوتے کہ چلو انہوں نے آپ ہی نکال دیا۔ مگر حضرت میرزا صاحب نے نہایت عاجزی اور مقام ادب میں کھڑے ہو کر یہ خط لکھا۔ اور بیٹے کو ہدایت کی۔ کہ وہ جلد معافی مانگ لیں۔ پس یہ خط میرزا صاحب مرحوم کی کیفیت قلبی کا مکمل فوٹو ہے اور اس بات کا ثبوت کہ وہ حضرت اقدس کی راستبازی کو اپنے دل میں مانے ہوئے تھے۔ چنانچہ بالآخر ان کو کھلم کھلا ماننے کی توفیق مل گئی ؎

آپ کی اولاد

آپ کے دو صاحبزادے ہیں:۔

(۱) جناب میرزا عزیزاحمد صاحب ایم۔ اے (۲) جناب میرزا رشید احمد صاحب میرزا عزیزاحمد صاحب کی دوسری شادی حضرت میر محمد اسحاق صاحب کی صاحبزادی سے جو حضرت ام المومنین کی برادرزادی ہیں۔ اور میرزا رشید احمد صاحب کی شادی حضرت میرزا بشیر احمد صاحب کی صاحبزادی سے ہوئی جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پوتی ہیں۔ اور پھر خدا نے ان دونوں محترم وجودوں کو اولاد سے نوازا اور بڑھایا ؎

اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ

اولاد کے حق میں دعائیں

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی اولاد کے حق میں بہت دعائیں فرمائیں۔ جو درثمین میں موجود ہیں۔ یہاں بوجہ عدم گنجائش درج نہیں

کر سکا۔ اللہ تعالےٰ نے ان سب دعاؤں کو قبول فرمایا۔ اور حضور کی اولاد کو اور آپ کے گھر کو برکتوں سے بھر دیا۔ ہمارے لئے یہ سب باتیں ایمان افزا اور بصیرت افروز ہیں۔ الحمد للہ ہم نے یہ سب کچھ پورے ہوتے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ؛

میرزا عزیز احمدؐ صاحب ایم اے کی بیعت کی پیشگوئی

اس سلسلہ میں یہ بھی عرض کر دوں کہ حضرت اقدس نے ۲۰ اکتوبر ۱۸۹۹ء کو خواب میں دیکھا کہ :-

"ایک لڑکا ہے۔ جس کا نام عزیز ہے اور اس کے باپ کے سر پر سُلطان کا لفظ ہے۔ وہ لڑکا پکڑ کر میرے پاس لایا گیا اور میرے سامنے بٹھایا گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ایک پتلا سا لڑکا گورے رنگ کا ہے"

(تذکرہ صفحہ ۳۳۳)

اس رؤیا کے ساڑھے چھ سال بعد آخر فروری ۱۹۰۶ء میں میرزا عزیز احمد صاحب نے حضرت اقدس کی بیعت کر کے اس پیشگوئی کو پورا کر دیا ؛

میرزا فضل احمدؐ صاحب

میرزا فضل احمد صاحب کے متعلق میں نے لکھا ہے کہ ان کو قبولیتِ حق کا موقع نہیں ملا۔ مگر میں اُن کی نسبت ایک بات لکھ دینی نہایت ضروری خیال کرتا ہوں اور وہ یہ ہے۔ کہ میرزا فضل احمد صاحب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بڑے ہی فرمانبردار تھے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان کی فرمانبرداری کا ذکر

اپنی مجلسوں میں بھی فرمایا کرتے تھے۔ حضرت ام المومنین کی بھی ایک شہادت ہے کہ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیمار ہو گئے۔ تو میرزا فضل احمد صاحب اور جناب میرزا سلطان احمد صاحب دونوں اس وقت آگئے تھے۔ میرزا فضل احمد صاحب کو حضرت کی اس حالت کا بہت بڑا صدمہ تھا اور اضطراب تھا۔ اسی طرح ایک موقعہ پر جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اُن سے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں تو انہوں نے فوراً حضرت کے ارشاد کے مطابق طلاق لکھ کر حضرت کے پاس بھیج دی۔ اگرچہ بعد میں اس کی ضرورت نہ رہی۔ مگر یہ ان کی انتہائی محبت اور وفاداری کا ثبوت تھا۔

کیا تعجب کہ اللہ تعالےٰ اُن کی اسی محبت اور وفا کو دیکھ کر اُن کے ساتھ اپنے فضل کا سلوک فرمائے

خواتین مُبارکہ

اللہ تعالےٰ نے آپ کو خواتین مبارکہ کے متعلق بھی ایک وعدہ دیا تھا کہ

"خواتین مبارکہ سے جن میں سے تو بعض کو اس کے بعد پائیگا"

حضور کے خاندان میں جو خواتین آپ کی نسل میں ہونے کی وجہ سے آئی ہیں۔ میرے نزدیک وہ تو بوجہ آپ کی نسل ہونے کے پہلے سے خواتین مبارکہ ہیں۔ اس الہام میں اُن خواتین مبارکہ کی طرف بھی اشارہ ہے جو دوسرے گھروں میں پیدا ہوئیں۔ مگر خدا تعالیٰ کی نوازش نے انکو چُنا اور انکو مسیح موعودؑ کے خاندان میں داخل کر دیا اور ایسے رنگ میں داخل فرمایا کہ وہ ذریّة طیّبہ کا ایک حصہ بن گئیں۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلی خاتون

حضرت اُمِّ ناصر

آئیں۔ حضرت اُمِّ ناصر۔ حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم و مغفور کی صاحبزادی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سب سے بڑی بہو ہیں۔ حضور کی زندگی میں خاندان مسیح موعود میں شامل ہوئیں۔ نہایت بابرکت۔ متقی

پرہیزگار۔ غریب پرور۔ ہمدرد خلائق خاتون ہیں۔ اللہ تعالیٰ انکی زندگی میں بڑی برکت عطا فرمائے ÷

حضرت اُمِّ طاہر

حضرت ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب مرحوم و مغفور کی صاحبزادی ہیں اور حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی حرم ثانی ہیں۔ نہایت مدبر۔ منتظم۔ سلیقہ شعار۔ نیک۔ خیر خواہ خاتون ہیں۔ لجنہ اماءاللہ کی سالہا سال سے سکرٹری ہیں۔ باوجود طرح طرح کی مصروفیتوں اور عوارض کے نہایت سلیقہ سے لجنہ کا کام کرتی ہیں۔ اللّٰھم بارک فی عمرھا۔

حضرت اُمِّ وسیم احمد

حضرت سیٹھ ابوبکر صاحب یوسف کی صاحبزادی ہیں۔ جدّہ میں پرورش پائی۔ اور اللہ تعالےٰ کا فضل اُن کو جدّے سے قادیان لایا۔ اور پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بہوؤں کے زمرہ میں داخل فرمایا۔ نہایت نیکدل غریبوں کی بڑی ہی ہمدرد ہیں۔ اللّٰھمّ بارک فی عمرھا ÷

حضرت اُمِّ متین

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب سول سرجن کی صاحبزادی ہیں۔ بی۔ اے تک تعلیم یافتہ ہیں نیک۔ متقی۔ سنجیدہ خاتون ہیں۔

اس سلسلہ میں افسوس کے ساتھ سیّدہ امۃ الحی صاحبہ مرحومہ اور سیّدہ سارہ بیگم صاحبہ مرحومہ کا ذکر بھی ضروری ہے۔ جو اس حلقہ میں داخل تھیں۔ اور اللہ تعالےٰ کی مشیّت نے ان کو اپنے پاس بلا لیا۔ اللہ تعالےٰ ان کی روحوں پر ہزاروں ہزار سلامتیاں اور برکتیں نازل فرمائے۔ آمین۔

حضرت اُمِّ مظفّر

اسی طرح حضرت ام مظفر جو حضرت خان بہادر مولوی غلام حسن صاحب آف پشاور کی صاحبزادی ہیں۔ اور بڑی نیک اور منتظمہ۔ سلیقہ شعار۔ فیاض خاتون ہیں۔ آپ بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں داخل خاندان ہوئیں۔ اللّٰھمّ بارک فی عمرھا ÷

حضرت اُمِّ منصور

آپ حضرت نواب محمد علی خان صاحب رئیس مالیر کوٹلہ کی صاحبزادی ہیں۔ آپ نیکی اور پرہیزگاری میں ممتاز ہونے کے علاوہ بڑی صابرہ خاتون ہیں۔ اپنی جوان اور قابل بیٹی کی وفات پر جو نمونہ صبر کا آپ نے دکھلایا وہ ان کا ہی حصّہ تھا۔ اللّٰھمّ بارک فی عمرھا۔

ان خواتین مبارکہ

سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نسل پیدا ہوئی۔ اور بڑھی۔ اور ان سب کا وجود حضرت مسیح موعود کے مشن کی خدمت میں کسی نہ کسی رنگ میں لگا ہوا ہے ÷

خلافتِ اُولیٰ

چہ خوش بُودے اگر ہر یک زِ اُمّت نُورِ دیں بُودے
ہمیں بُودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بُودے

خلافتِ اُولیٰ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو ساڑھے دس بجے دن کے ہوئی۔ اور یہ منگل کا دن تھا۔ اُسی وقت تجہیز و تکفین کا انتظام کیا گیا۔ اور تین بجے بعد دوپہر حضرت مولوی نورالدین صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے جو بعد میں خلیفہ اول ہوئے، خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان پر جماعت لاہور کے ساتھ نماز جنازہ پڑھی۔ شام کی گاڑی سے حضور کا جسم مبارک لاہور سے بٹالہ لایا گیا۔ اور وہاں سے راتوں رات احباب جماعت نے اپنے کندھوں پر قادیان پہنچا دیا۔ قادیان میں آپ کا جنازہ صبح کی نماز کے قریب پہنچا۔ حضور کے جنازہ کو حضور کے باغ والے مکان میں رکھا گیا۔ لوگ ایک سمت سے داخل ہوتے اور دوسری سمت کے دروازے سے زیارت کر کے نکل جاتے تھے۔ قادیان میں بھی حضور کا جنازہ پڑھا گیا۔ اور آپ کے جسمِ اطہر کو دفن کرنے سے قبل بارہ سو احمدیوں کی موجودگی میں جن میں سے بہت سے احباب باہر سے آئے ہوئے تھے، حضرت مولوی نورالدین صاحب حکیم الامۃ کو خلیفۃ المسیح اول منتخب کیا گیا اور اُن کے ہاتھ پر پہلی بیعت خلافت ہوئی۔ اور آپ خلیفہ اول کہلائے۔

آپ کی بیعت کے وقت کسی قسم کا اختلاف نہیں ہوا۔ جماعت کے ہر طبقے نے آپ کو خلیفہ تسلیم کیا۔ خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی خلافت کو نہایت خوشی سے تسلیم کر لیا۔ اور کسی نے بھی اس امر کا اظہار نہیں کیا کہ خلافت خاندانِ حضرت مسیح موعود میں رہنی چاہیئے۔ حالانکہ خود حضرت خلیفہ اول رضؓ نے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی

اور حضرت میر ناصر نواب صاحب اور حضرت نواب محمد علی خان صاحب کا خاندان کے افراد میں سے نام لیا۔ میرا اس لکھنے سے یہ مطلب ہے کہ خاندانِ نبوت نے رضاءِ الٰہی کو پورے طور سے اپنے اُوپر لے لیا تھا۔ اور اُن کا ایک ایسے شخص کی خلافت کو قبول کر لینا جو خود اُن میں سے کسی فرد کی بیعت کو قبول کرنے کے لئے بالکل تیار تھا، خاندان کے افراد کی بے نفسی کی کھلی دلیل ہے۔ اور اس امر کی زندہ شاہد ہے کہ خاندان کسی منصوبہ سے خلافت کو حاصل کرنے کا خواہاں نہ تھا۔ انہوں نے خلیفہ اول کی چھ سالہ خلافت میں پورے طور سے اطاعت کا مظاہرہ دکھایا اور وہ ایک عام مخلص مرید کی طرح وفادار رہے۔

صدر انجمن کے ممبروں نے بھی باتفاق رائے حضرت خلیفہ اول کی خلافت کو ایک متفقہ فیصلہ کے ساتھ تسلیم کر لیا تھا۔ اور ایک اشتہار کے ذریعے تمام جماعت کو آگاہ کر دیا تھا۔ کہ حضرت خلیفہ اول خلیفہ مقرر ہو گئے ہیں احباب کو ان کی بیعت کر لینی چاہیئے۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا تا کہ آئندہ کے لئے ان کا یہ فعل ایک حجت ہو سکے۔

آپ کی بیعت باغ میں ایک آم کے درخت کے نیچے ہوئی۔ بیعت کے بعد چھ بجے شام کے قریب وُہ پاک وجود، وُہ دنیا کی ہدایت کا آخری نور بہشتی مقبرہ میں دفن کر دیا گیا۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اور دنیا اس مبارک وجود کے دیکھنے سے محروم ہو گئی۔ آپ کی وفات پر ملک کے اخبارات نے آپ کی زندگی اور کیریکٹر پر شاندار ریویو لکھے :-

قیامِ خلافت بھی آپ کی سچائی کی ایک دلیل ہے

آپ نے الوصیت میں تحریر فرمایا تھا کہ :-

"میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعض اور وجود ہونگے جو دوسری قدرت کا

منظر ہوں گے"۔

پس حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے خلیفہ بن کر حضرت اقدس کی اس پیشگوئی کو پورا کر دیا۔ جو دوسری قدرت کے متعلق تھی۔

نیز اس وقت دشمنوں کی آنکھیں اس طرف لگی ہوئی تھیں کہ وہ جماعت کو پراگندہ ہوتے دیکھ لیں گے۔ مگر خدا تعالےٰ نے جماعت کو پھر ایک ہاتھ پر جمع کر دیا۔ اور جماعت کو پراگندگی سے بچا لیا۔ حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کا زمانہ خلافت چھ سال کا ہے۔ آپ کا زمانہ خلافت اس امر کی تعلیم و اشاعت کا زمانہ تھا۔ کہ

خلیفہ خدا بناتا ہے۔

آپ کی خلافت کے ایک سال بعد کچھ لوگوں نے خلافت کے خلاف سازشیں شروع کر دیں۔ اور چاہا کہ خلیفہ کو صدر انجمن احمدیہ کے ماتحت کر دیا جائے۔ مگر آپ نے بڑی قوت سے ایسے فتنوں کا سدِّ باب کیا۔ اور خلافت کو ایسے حملوں سے اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت سے بچایا۔ اگر خدانخواستہ خلیفہ اولؓ ذرا کمزور ہو جاتے تو اندیشہ تھا کہ جماعت کا قدم منہاج نبوت سے دُور جا پڑتا۔ اور خلافت آگے چل کر بالکل اُڑ جاتی۔ اور سلسلہ کے چلانے اور نظام کی ساری ذمہ واری صدر انجمن پر آ پڑتی۔ جو کبھی بھی کسی نبی کے بعد نہیں ہُوا۔ پس ایسا قدم اٹھانے والوں کا یہ فعل جماعت کو منہاج نبوت سے دُور لے جانے والا فعل تھا۔ اس لئے کوئی متقی اور مومن انسان اسے قبول نہیں کر سکتا تھا۔

اس طرح حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالےٰ نے اپنی خلافت ہی کی حفاظت نہیں کی۔ بلکہ جماعت میں سے اس عقیدہ کو نکال کر، کہ خلافت کسی انجمن کے ماتحت ہوگی۔ جماعت کے لئے راستہ بالکل صاف کر دیا۔

یہ فتنہ اندر ہی اندر پھیلایا جاتا تھا۔ اس لئے ۳۱ جنوری ۱۹۰۹ء کو

مسجد مبارک میں ایک تقریر فرما کر خلافت کی پوزیشن کو واضح کیا اور اس فتنہ کو ایک حد تک کچل دیا۔ اور اس فتنہ کے بانیوں کو نصیحت کی۔ کہ وہ حضرت مسیح موعود ع کی جماعت میں اختلاف اور انشقاق کا بیج نہ بوئیں۔ اس تقریر کے بعد یہ لوگ کہنے لگے کہ ہم کو حضرت مولوی نورالدین صاحب پر تو اعتراض نہیں ہم کو تو آئندہ کی فکر ہے۔

الغرض خلافت اولیٰ کا سب سے بڑا کارنامہ

حفاظتِ خلافت تھا۔

آپ کے زمانے میں بہت سی عمارتوں میں اضافہ ہوا۔ جیسے مسجد اقصےٰ کی توسیع ہوئی۔ تعلیم الاسلام ہائی سکول کی عظیم الشان عمارت بنی۔ بورڈنگ کی شاندار عمارت بنی۔ ان دونوں عمارتوں پر سوا لاکھ روپیہ خرچ ہوا۔ مسجد نور کی عمارت تیار ہوئی۔ نور ہسپتال کی عمارت بنی۔ ناصر آباد میں ایک محلہ دور الضعفاء کے نام سے بننا شروع ہوا۔ نور ہسپتال اور ناصر آباد یہ عمارتیں حضرت میر ناصر نواب صاحب کی ذاتی اور شخصی مساعی کی رہین منت ہیں۔

احمدیہ پریس کی ترقی

آپ کے زمانے میں احمدیہ پریس میں بھی نمایاں ترقی ہوئی۔ ۱۹۰۹ء میں اخبار **نور** جناب سردار محمد یوسف صاحب نے سکھوں اور آریہ میں تبلیغ کے لئے جاری کیا۔ پھر ۱۹۱۱ء جناب میر قاسم علی صاحب مرحوم نے دہلی سے اخبار الحق جاری کیا۔

پھر جون ۱۹۱۳ء میں حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح ثانی نے اخبار الفضل قادیان سے جاری کیا۔

پھر ۱۰ جولائی ۱۹۱۳ء سے ان لوگوں نے جو خلافت کو اُڑانا چاہتے تھے اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے لاہور سے **پیغام صلح** نامی اخبار جاری کیا۔ جو بعد میں پورے زور سے خلافت ثانیہ میں خلافت اور مرکز احمدیت کا دشمن ثابت ہوا۔

پہلے اخبارات میں سے بدر بند ہو گیا تھا۔ اور اخبار الحکم خدا کے فضل سے موجود تھا جس نے خلافت کے خلاف اُٹھنے والے فتنوں میں بڑا کام کیا۔ اور پھر خلافت ثانیہ کی تائید میں خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ وہ شاندار خدمات سر انجام دے سکا۔

ترجمۃ القرآن

آپ کے زمانے میں جناب مولوی سیّد محمد سرور شاہ صاحب نے قرآن کریم کی ایک مفصل تفسیر لکھنی شروع کی جو صرف پانچ سیپاروں تک لکھی جا سکی اور شائع ہوئی نیز مولوی محمد علی صاحب نے جو صدر انجمن احمدیہ کے کارکن تھے۔ انگریزی میں ترجمۃ القرآن کا کام شروع کیا۔ کئی سال کی محنت اور خرچ کے بعد جب وہ ترجمہ تیار ہوا۔ تو مولوی محمد علی صاحب خلافت ثانیہ کے قیام کے ساتھ ہی اس ترجمہ کو لاہور لے گئے اور اُسے اپنی ذاتی ملکیت قرار دیا جس کا ان کو کوئی حق نہ تھا۔

لنڈن مشن کا قیام

خواجہ کمال الدین صاحب ۱۹۱۲ء میں ایک مقدمہ کے سلسلہ میں ولایت گئے۔ وہاں اُنہوں نے کوشش کر کے ووکنگ کی مسجد حاصل کی جو وہاں کس مپرسی کی حالت میں تھی اور تبلیغ کا کام شروع کیا۔ خواجہ صاحب لنڈن میں احمدیت کی

تبلیغ نہیں کرتے تھے۔ بلکہ اس حصہ کا اخفاء رکھتے تھے۔ کچھ عرصہ کے بعد خواجہ صاحب نے حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی خدمت میں لکھا۔ کہ مجھے ایک مددگار کی ضرورت ہے اسوقت تبلیغی اغراض کے مدنظر حضرت خلیفہ ثانی نے ایک انجمن

انصار اللہ

نام بنا رکھی تھی۔ انصار اللہ کے مدنظر بیرونی ممالک میں ایک مشن کھولنے کی سکیم تھی۔ حضرت خلیفہ اول رضہ نے چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے کو تجویز کیا۔ چونکہ چوہدری صاحب انجمن انصار اللہ کے ممبر تھے۔ اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے چوہدری صاحب کے مصارفِ سفر کچھ اپنے پاس سے اور کچھ انصار اللہ سے لیکر ادا کئے۔ اس طرح چوہدری صاحب ۲۸ رجون ۱۹۱۳ء کو ولایت بغرض تبلیغ روانہ ہوئے چوہدری صاحب کچھ عرصہ خواجہ صاحب کے ماتحت کام کرتے رہے۔

مگر

خلافت ثانیہ کے قیام کے ساتھ خواجہ صاحب خلافت سے الگ ہوگئے۔ اور چوہدری صاحب خلافت سے منسلک رہے۔ اس لئے اب اکٹھے کام کرنا ممکن نہ تھا اس لئے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی ہدایت کے ماتحت چوہدری صاحب نے اپنا الگ کام شروع کر دیا اور اس طرح احمدیہ مشن لنڈن کی بنیاد رکھی گئی۔ (اس مشن کے متعلق تفصیل صیغہ دعوت و تبلیغ کے ذکر میں آسکے گی۔)

حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل ۱۸ر نومبر ۱۹۱۰ء کو ایک گھوڑے سے گر کر زخمی ہوگئے تھے۔ ابتداء میں یہ زخم معمولی تھا۔ مگر بعد میں نے اس نے ناسور کی سی شکل اختیار کر

ایک لمبے عرصہ تک علاج کرانے کے بعد اب صحتیاب ہو گئے تھے۔ مگر جلسہ سالانہ ۱۹۱۳ء کے بعد زیادہ کمزوری شروع ہو گئی تھی۔ اور جنوری ۱۹۱۴ء سے بیماری نے شدت اختیار کر لی۔

آپ نے اپنی بیماری کے ایام میں اپنی جگہ حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح ثانی کو نماز جمعہ اور دوسری نمازوں کے لئے امام مقرر کر دیا ہوا تھا۔

آپ اپنی زندگی کے آخری دنوں میں نواب صاحب کی کوٹھی میں تشریف لے گئے ہوئے تھے۔ وہاں آپ نے ۴ر مارچ ۱۹۱۴ء کو ایک وصیت لکھی۔ اور تین مرتبہ مولوی محمد علی صاحب سے پڑھوائی۔ اس وصیت کا خلاصہ یہ تھا۔ کہ آپ کے بعد خلافت ہوگی۔ اور خلیفہ کے اوصاف لکھے تھے۔ وصیت پڑھوائے جانے کے بعد حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کے پاس رکھوا دی۔ بالآخر ۱۳ر مارچ ۱۹۱۴ء کو بروز جمعہ سوا دو بجے بعد دوپہر ۸۰ سال کی عمر میں آپ نے انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

آپ سلسلہ کے بلند پایہ عالم۔ طبیب۔ محدّث۔ مفسّر۔ متقی پرہیز گار انسان تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک شعر میں آپ کا یوں ذکر کیا ہے ؎

چہ خوش بُودے اگر ہر یک ز اُمت نورِ دیں بُودے
ہمیں بُودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بُودے

آپ کی اولاد

آپکی وفات کے وقت آپ کی حسب ذیل اولاد تھی۔ صاحبزادہ عبدالحی صاحب مرحوم صاحبزادی امۃ الحی صاحبہ مرحومہ۔ صاحبزادہ عبدالسلام صاحب عمرؔ بی۔ اے۔ ایل ایل بی۔ صاحبزادہ حکیم عبدالوہاب صاحب عمرؔ۔ صاحبزادہ عبدالمنان صاحب عمرؔ ایم۔ اے مولویفاضل اول الذکر صاحبزادہ اور صاحبزادی صاحبہ وفات پا گئے ہیں۔ باقی تینوں صاحبزادے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑھ رہے ہیں اور پھل پھول رہے ہیں خدا تعالیٰ رہتی دنیا تک اس خاندان کو رکھے اور اپنی برکتوں کا وارث بنائے۔ آمین

خلافت ثانیہ

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانیؓ

ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

کے

کارناموں پر ایک نظر

خلافت ثانیہ

خلافت ثانیہ کا قیام ۱۴ مارچ ۱۹۱۴ء کو مسجد نور میں ہوا۔ مولوی محمد علی صاحب اور اُن کے ساتھی اس موقع پر خلافت سے الگ ہو گئے۔ اور انہوں نے لاہور میں جا کر اپنا مرکز بنا لیا۔ مولوی محمد علی صاحب پہلے پریسیڈنٹ انجمن اشاعت اسلام بنے۔ پھر امیر جماعت احمدیہ کہلانے لگے۔ اور بعد میں واجب الاطاعت امام کی سی صورت اختیار کر لی۔ مولوی محمد علی صاحب اور ان کے ساتھیوں نے حضرت خلیفہ اول کی وفات پر ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ اب خلافت نہ بن سکے۔ مگر خدا تعالےٰ نے اپنی سنت مستمرہ کے مطابق ان کو ناکام کر دیا۔ اور خلافت قائم ہو گئی۔ تمکینِ خلافت کی تائید کے لئے ہزارہا بندگان خدا کو بذریعہ رویائے صادقہ۔ کشوف اور الہامات اللہ تعالےٰ نے راہنمائی فرمائی۔

خلافت ثانیہ کے لئے ابتدائی ایام بہت مشکل تھے۔ ایک طرف ملک جنگ کی پریشانیوں میں مبتلا ہو رہا تھا۔ دوسری طرف جماعت کے بیرونی دشمن زور لگا رہے تھے۔ تیسری طرف اندرونی دشمن پوری طاقت سے حملہ آور ہو رہے تھے۔ یہ اندرونی دشمن صاحب اثر اور ذی وجاہت لوگ تھے۔ سلسلہ کے اکثر کاروبار پر وہ چھائے ہوئے تھے۔ لوگوں پر ان کا شدید اثر تھا۔ اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی عمر کے لحاظ سے ابھی نوعمر ہی تھے۔ اس لئے یہ پروپیگنڈا کیا جا رہا تھا۔ کہ ایک نوعمر لڑکے کے ہاتھ میں خلافت کی باگ ڈور دے دی گئی ہے۔ صدر انجمن کے ۱۵ ممبروں میں سے ۷ خلافت کے خلاف تھے۔

جماعت پر یہ بڑی مشکل اور نازک گھڑی تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے حضرت امیر المومنین کی ایسی نصرت فرمائی۔ کہ جماعت کی کشتی اس بھنور سے سلامت نکل گئی۔ اور ایک دفعہ پھر جماعت حضرت امیر المومنین کے ہاتھ پر جمع ہو گئی۔

اس اختلاف کی تاریخ اور تفصیل اور اسی طرح خلافت ثانیہ کی ۲۹ سالہ برکات پر تفصیلی نظر ڈالنا بھی میرے لئے ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ کتاب اس کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ اس لئے ان برکات کے تفصیلی اظہار کے لئے میں ایک الگ کتاب لکھنے کا عزم رکھتا ہوں۔ جس میں خلافت ثانیہ کے تیس سالوں پر نظر ہو گی۔ وما توفیقی الا باللہ۔ اگر اللہ تعالےٰ نے توفیق دی تو یہ ایک جامع اور مستند کتاب ہو گی۔ اس لئے عدم گنجائش کی وجہ سے میں خلافت ثانیہ کے گذشتہ ۲۹ سالوں کے کارناموں کے عنوانوں پر ہی اکتفار کروں گا۔

آپ کی پیدائش ۱۲ر جنوری ۱۸۸۹ء کو ہوئی۔ آپ کی تعلیم کا آغاز ۱۸۹۵ء میں ہوا۔ اور سب سے پہلے یہ سعادت حضرت پیر منظور محمد صاحب قبلہ کو جو اس خاکسار کے بھی استاد ہیں حاصل ہوئی۔ جون ۱۸۹۷ء میں آپ نے قرآن ختم کیا۔ اور آپ کے ختم قرآن پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بڑی خوشی کی اور ایک منظوم آمین لکھی اور اس میں خدا کی حمد و ثناء کی اور حضرت امیر المومنین کے لئے دعائیں فرمائیں۔

ایک شعر یہ ہے کہ ؎ تو نے یہ دن دکھایا محمود پڑھ کے آیا
دل دیکھکر یہ احساں تیری ثنائیں گایا

۱۸۹۸ء میں مدرسہ تعلیم الاسلام کا افتتاح ہوا۔ حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی قبلہ اس کے پہلے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ اس مدرسہ کے آغاز کے ساتھ آپ بھی مدرسہ تعلیم الاسلام میں داخل ہوئے۔ اور انہی ایام میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی ابتدائی تعلیم کی خدمت حضرت عرفانی کبیر کے سپرد فرما کر انکی عزت افزائی فرمائی۔

مدرسہ تعلیم الاسلام میں داخل ہونے سے قبل کچھ مدت ڈسٹرکٹ بورڈ کے پرائمری سکول میں بھی آپ تعلیم حاصل کرتے رہے۔

۱۸۹۹ء میں جبکہ آپ کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ اور پانچویں کلاس کے طالب علم تھے۔ مدرسہ سے تعلق رکھنے والوں نے ایک انجمن کی بنیاد رکھی جس کا نام انجمن ہمدردانِ اسلام تھا۔ پہلے اس انجمن کے صدر مدرسہ کے ایک استاد تھے۔ اور سکرٹری بھی۔ مگر لڑکوں کو استادوں کے سامنے تقریریں کرنے سے شرم دامنگیر ہوتی تھی اس لئے نیا انتخاب ہوا۔ اس انتخاب میں اس انجمن کے صدر حضرت امیر المومنین ہی تھے۔

تشحیذ الاذہان

۱۹۰۰ء میں آپ نے ایک جدید انجمن کی بنیاد رکھی۔ جس کا نام حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تشحیذ الاذہان تجویز فرمایا۔

۱۹۰۶ء میں آپ کی تعلیم کا ظاہری دور ختم ہوا۔ اور آپ نے ایک رسالہ تشحیذ الاذہان نامی جاری کیا۔

ایک دفعہ یہ تجویز ہوئی کہ مدرسہ تعلیم الاسلام کو توڑ دیا جائے اس وقت حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ اور حضرت امیر المومنین کے سوا مدرسہ کے جاری رہنے کی تائید کرنے والا کوئی نہ تھا۔ چنانچہ آپ کی سعی کے نتیجہ میں مدرسہ تعلیم الاسلام بچ رہا۔ اور آج قوم کے بچوں کے لئے بڑی خدمت سرانجام دے رہا ہے۔

صدر انجمن احمدیہ کی ممبری

۱۹۰۶ء میں صدر انجمن احمدیہ کا قیام ہوا۔ اس کی کارکن کمیٹی کا نام مجلس معتمدین تھا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے صدر انجمن کی کارکن کمیٹی یعنی مجلس معتمدین کے ممبران کی فہرست میں اپنے دست مبارک سے حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا نام تحریر فرمایا ؛

سنہ ۱۹۰۸ء

سنہ ۱۹۰۸ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام وفات پا گئے ۔ خلافت اولیٰ کا انتخاب ہُوا ۔ آپ نے جس قسم کی اطاعت اور وفاداری کا ثبوت خلافتِ اولیٰ میں دیا ۔ اس کی مثال نہیں ملتی ۔ اس کے سوا حضرت امیر المومنین نے ایک حیرت انگیز کام کیا ۔ اور وُہ ایک اقرار اور عہد تھا ۔ جو حضرت اقدس کے جسمِ اطہر کے سامنے کھڑے ہو کر ان الفاظ میں کیا ۔ کہ

"اگر سارے لوگ بھی آپ کو چھوڑ دیں گے اور میں اکیلا رہ جاؤں گا ۔ تو میں اکیلا ساری دنیا کا مقابلہ کرونگا ۔ اور کسی مخالفت اور دشمنی کی پرواہ نہیں کروں گا ۔"

جہاں آپ نے خدا تعالٰے سے حضرت مسیح موعودؑ کے لئے یہ عہدِ وفا باندھا ۔ اور سلسلہ کی اشاعت کا اقرار کیا ۔ وہاں ایک اور عہد بھی کیا ۔ کہ

"ہم سوائے تیرے دروازے کے اور کسی دروازے کی مدد قبول نہ کریں گے ۔"

صادقوں کی روشنی کو کون دُور کر سکتا ہے؟

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات پر مخالفین سلسلہ نے ایک طوفان بے تمیزی برپا کیا ۔ جن میں سب سے پیش پیش ڈاکٹر عبد الحکیم مرتد تھا ۔ اس فتنہ کے سدِ باب کے لئے آپ نے یہ کتاب تصنیف کی ۔ جو ایک بے نظیر تصنیف ہے ؛

۱۹۰۸ء کے جلسہ پر آپ کی تقریر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد جو پہلا سالانہ جلسہ ہوا۔ اُس میں
آپ نے ۲۸ تاریخ کو ایک تقریر فرمائی۔ جس کا موضوع تھا۔ ہم کس طرح کامیاب
ہو سکتے ہیں؟ اس تقریر پر الحکم میں حضرت عرفانی کبیر نے جو نوٹ لکھا۔ اس کا
ایک فقرہ یہ تھا۔

"پلیٹ فارم پر سے صاحبزادہ صاحب اس لب و لہجہ
سے بول رہے تھے جو حضرت امام علیہ السلام کا تھا"

مدرسہ احمدیہ کا نجات دہندہ

اسی ۱۹۰۸ء کے جلسہ پر ایک کانفرنس ہوئی۔ اس کانفرنس میں بعض ارباب
حل و عقد نے مدرسہ احمدیہ کا خاتمہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ جب یہ فیصلہ ہو چکا۔ اس وقت
حضرت امیر المومنین کھڑے ہوئے اور ایک ایسی قوی الدلائل تقریر فرمائی کہ جس سے
وہ سحر پاش پاش ہو کے رہ گیا۔ اور مدرسہ احمدیہ جو آج قوم کی عظیم الشان خدمت کر رہا ہے
بچ گیا۔

حضرت مسیح موعودؑ کے نشانات پر اشتہارات

آپ کا یہ بھی ایک کام تھا کہ جب کوئی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نشان پورا
ہوتا۔ آپ فوراً اشتہار یا کسی مضمون کے ذریعے دنیا کو آگاہ فرماتے۔ کہ دیکھو یہ نشان

پورے جلال اور کامل ظہور کے ساتھ پورا ہوگیا۔ چنانچہ ۷ر فروری ۱۹۰۹ء کو

"تزلزل در ایوان کسریٰ فتاد"

کا الہام پورا ہونے پر آپ نے ایک شاندار اشتہار لکھ کر دنیا پر حجت قائم کی اور اسی طرح ہر ایسی تقریب پر دنیا کو حقائق سے آگاہ کیا اور نور ایمان سے منور کرنے کی سعی فرمائی۔

مدرسہ احمدیہ کی تعلیمی کمیٹی کے صدر

مارچ ۱۹۰۹ء میں مدرسہ احمدیہ کی ایک تعلیمی کمیٹی صدر انجمن احمدیہ کے ایک ریزولیوشن کے ماتحت بنائی گئی۔ اس کمیٹی کے پانچ ممبر تھے اور آپ اس کمیٹی کے صدر بنائے گئے۔

سفر دہلی

اپریل ۱۹۰۹ء میں حضرت ام المومنین مدظلہا العالی کے ساتھ آپ دہلی تشریف گئے۔ اس سفر میں آپ نے احمدیت کی تائید میں متعدد لیکچر دئے۔ اس سفر میں آپ کپور تھلہ اور پھر لاہور آئے۔ اور پھر دہلی تشریف لے گئے۔ پھر قصور کے سالانہ جلسہ پر تشریف لے گئے۔ بالآخر دہلی کی ہدایت کے لئے دعا کر کے آپ واپس قادیان تشریف لے آئے۔ آپ کا یہ سفر نامہ الحکم میں شائع شدہ موجود ہے۔

فیروز پور کا جلسہ

۲۹ر اور ۳۰ر مئی کو فیروز پور کا سالانہ جلسہ تھا۔ آپ بھی حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی کے ارشاد پر وہاں لیکچر دینے کے لئے تشریف لے گئے۔ لیکچر ایسا لیکچر کیا کہ اس کی

تشریح جناب خواجہ کمال الدین صاحب کے الفاظ میں یوں ہے :-

" صاحبزادہ صاحب نے جس قابلیت کے ساتھ اپنے لیکچر کو ختم کیا ہے میں اس پر کچھ کہنے کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ مگر جو حقانیت ان کے دل پر مرتسم ہے وہ بڑے بڑے آدمیوں میں بھی نہیں۔ اگرچہ ہم نے کوئی گدی نہیں بنائی۔ امگر میں اتنا کہتا ہوں۔ کہ آپ نے اور پیروں کے بچے بھی دیکھے ہیں میرے مرشدزادہ اور پیرزادہ کو بھی آپ نے دیکھا ہے کہ وہ قرآن کریم پر کیسا شیدا ہے۔ اور اس کے حقائق و معارف بیان کرنے میں کیسا قابل ہے۔"

(الحکم ۸ رجون ۱۹۰۹ء صد ۳ ک ۲)

انجمن ارشاد

۱۹۰۹ء کے اخیر میں آپ نے ایک انجمن، انجمن ارشاد بنائی - تاکہ اُن اعتراضات کا جواب دیا جاسکے جو دشمنانِ اسلام نے قرآن کریم پر کئے ہیں ؛

درس قرآن کریم

۱۹۱۰ء میں آپ نے نماز مغرب کے بعد درس قرآن کریم کا ایک سلسلہ شروع فرمایا۔ جو بہت مقبول ہوا۔ اسی سال مارچ میں جو احمدیہ کانفرنس ہوئی ۔اس کی صدارت آپ نے فرمائی ؛

امیر جماعت احمدیہ قادیان

۲۴ رجولائی ۱۹۱۰ء کو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کو ملتان ایک شہادت پر جانا پڑا۔ تو حضرت خلیفہ اول رضؓ نے آپ کو اپنی غیر حاضری میں جماعت احمدیہ قادیان کا امیر مقرر فرمایا ؛

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضؓ کی نماز آپ کی اقتداء میں

۲۶ راگست سنہ ۱۹۱۰ء کو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ بیمار تھے۔ تھوک میں خون آگیا۔ اور طبی طور زیادہ بولنا منع تھا۔ اس لئے آپ نے نماز جمعہ کی امامت حضرت امیر المومنین کے سپرد فرمائی اور ان کی اقتداء میں نماز پڑھی۔

مجلس معتمدین کی صدارت

جنوری سنہ ۱۹۱۱ء میں حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے اپنی جگہ مجلس معتمدین کی صدارت حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کے سپرد فرمائی۔ اور اس طرح گویا سلسلہ کا سب سے بڑا دفتری ادارہ ان کے ماتحت کر دیا۔ سنہ ۱۹۱۰ء میں جب حضرت خلیفہ اول رضؓ گھوڑے سے گرے اور چوٹ آئی تو اس وقت آپ نے اپنی جگہ آپ کو ہی مستقل طور پر امام الصلوٰۃ بھی بنا دیا تھا۔

مدرسہ احمدیہ کی نظامت

جنوری سنہ ۱۹۱۱ء میں مدرسہ احمدیہ کو مدرسہ تعلیم الاسلام سے الگ کر دیا اور اس کی نظامت آپ کے سپرد کر دی گئی۔ اور سچ تو یہ ہے کہ آپ کی سعئ بلیغ کا ہی نتیجہ ہے کہ مدرسہ احمدیہ اسوقت اس شان سے چل رہا ہے۔ آپ نے مدرسہ احمدیہ کیلئے ایک عربی لائبریری کا بھی انتظام فرمایا۔ جس میں بہت سی اپنی ذاتی اور قیمتی کتابیں مدرسہ کو دیدی تھیں۔

انجمن انصار اللہ

سنہ ۱۹۱۱ء کے اوائل میں آپ نے ایک تبلیغی انجمن انصار اللہ کے نام سے قائم فرمائی۔ یہ انجمن تبلیغی کاموں میں بڑی منہمک تھی۔ اور اس انجمن نے جناب چوہدری فتح محمد صاحب ایم۔ اے کو پہلی دفعہ لنڈن جانے کے مصارف کا بڑا حصہ دیا تھا۔ یہ انجمن چونکہ آپ کی زیر نگرانی کام کر رہی تھی۔ اس لئے خلافت ثانیہ کے قیام کے موقعہ پر مخالفین خلافت نے اس انجمن کے خلاف بہت بڑا جھوٹا پراپیگنڈہ کیا۔ کہ یہ انجمن خلافت کو حضرت محمود ایدہ اللہ کے واسطے حاصل کرنے کیلئے بنائی گئی تھی۔ مگر انصار اللہ کے بعض ایسے ممبر جو خلافت سے الگ ہو گئے تھے جب انکو قسم دی گئی کہ وہ مؤکد بعذاب قسم کھا کر ایسے راز کو کھول دیں جو ان کے پاس پوشیدہ ہے تو وہ ایسی قسم نہ کھا سکے۔

آپ کی ترقیوں کو دیکھ کر دشمنوں کی ایک جماعت پیدا ہو رہی تھی جو ہر قسم کے غلط پراپیگنڈے آپ کے خلاف کرتے رہتے تھے۔ ان دشمنوں کے متعلق آپ نے ایک نظم کہتے ہوئے فرمایا ؎

میرے دشمن کیوں ہوئے جاتے ہیں لوگ
مجھ سے پہنچا ان کو کیا آزار ہے

مسلمان وہی ہے جو سب ماموروں کو مانے

خواجہ کمال الدین صاحب اور ان کے ہمخیال دوستوں نے سنہ ۱۹۱۱ء میں ایک

عجیب جدت پیدا کی - اور وہ یہ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ماننا کوئی ضروری نہیں
اور اس سے کوئی کفر لازم نہیں آتا - یہ خرمن امن پر پہلی چنگاری تھی اور جماعت کے
اتحاد کو تباہ کرنے کی بڑی سعی - حضرت امیر المومنین اس آگ کو کیسے لگنے دیتے -
آپ نے فوراً ایک مضمون لکھا - کہ "مسلمان وہی ہے جو سب ماموروں کو مانے"
اس ٹریکٹ کا نتیجہ بہت اچھا ہوا - مگر بعد میں یہ مسئلہ بڑا ہی خطرناک حربہ بنا کر
خلافت کی تباہی کے لئے استعمال کیا گیا - لیکن خلافت تو خدا نے خود قائم کی تھی
وہ ایسے حربوں سے کیوں تباہ ہوتی ؟

بٹالہ میں لیکچر

۶ - ۷ رمئی ۱۹۱۱ء میں بٹالہ کی احمدیہ انجمن کا پہلا سالانہ جلسہ تھا - اس جلسہ
پر آپ نے دو لیکچر دئے - ایک لیکچر "حقیقی مذہب کونسا ہے" کے عنوان پر تھا
اور دوسرا ضرورت امام پر :

الحکم کے لئے دس ۱۰ روپیہ فنڈ

۱۹۱۱ء میں الحکم کی اعانت کے لئے آپ نے ایک دس روپیہ فنڈ کی
تحریک فرمائی اور خود سب سے پہلے اس میں حصہ لیا -

انگلش ویر ہاؤس لاہور کا سنگ بنیاد

۱۵ رجون ۱۹۱۲ء کو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ نے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

صاحبزادگان اور عالی جناب نواب محمد علی خان صاحب نے انگلش ویئر ہاؤس لاہور کی بنیادی اینٹیں رکھیں۔ اور اسی سال مدرسہ تعلیم الاسلام کا سنگ بنیاد بھی حضرت خلیفہ اول رضی اللہ تعالٰے عنہ کے ساتھ آپ نے رکھا۔

سفر مصر و حج

ستمبر ۱۹۱۲ء کو آپ مصر اور حج کے سفر کے لئے تشریف لے گئے۔ اور ۱۲ر جنوری ۱۹۱۳ء کو واپس تشریف لائے۔

اخبار الفضل کا اجراء

سفر حج سے واپس آکر ۱۹ر جون ۱۹۱۳ء کو آپ نے سلسلہ احمدیہ کے موجودہ آرگن اخبار الفضل کو جاری فرمایا ؛

حضرت خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ کی وصیّت

۴ر مارچ ۱۹۱۴ء کو حضرت خلیفہ اول رضی نے ایک وصیت لکھی جو حسب ذیل ہے:۔

" بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ؛ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

خاکسار بقائمی ہوش و حواس لکھتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ میرے بچے چھوٹے ہیں۔ ہمارے گھر میں مال نہیں۔ ان کا اللہ حافظ ہے انکی پرورش یتامیٰ اور مساکین سے نہ ہو۔ کچھ قرضہ حسنہ جمع کیا جائے لائق لڑکے اس کو ادا کر دیں۔ یا کتب جائیداد وقف علی الاولاد ہو۔

میرا جانشین

متقی، ہر دلعزیز ہو۔ عالم باعمل ہو حضرت صاحب کے پُرانے اور نئے احباب سے سلوک چشم پوشی درگذر کو کام میں لاوے۔ میں سب کا خیر خواہ رہا تھا۔ وہ بھی خیر خواہ رہے۔ قرآن حدیث کا درس جاری رہے والسلام۔ نورالدین ۴ مارچ سنہ ۱۹۱۴ء

۱۳ مارچ سنہ ۱۹۱۴ء کو ۲ بجکر ۲۰ منٹ پر حضرت خلیفہ اول کی وفات ہوئی اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آپ کی خلافت

۱۴ مارچ سنہ ۱۹۱۴ء کو بروز ہفتہ بعد نماز عصر آپ مسند خلافت پر متمکن ہوئے مگر آپ کا پہلا سال معاندین خلافت کے فتنوں کو مٹانے میں صرف ہو گیا۔ ۱۹۱۵ میں جبکہ اس اندرونی فتنے سے ذرا فراغت ہوئی۔ تو آپ نے قرآن کریم کے انگریزی اور اردو ترجمہ کی طرف توجہ فرمائی۔ اور ایک پارہ اردو اور انگریزی میں فوری طور پر شائع کیا گیا جسے ہندوستان اور ہندوستان سے باہر بڑی قبولیت ہوئی۔

منارۃ المسیح کی تکمیل

سنہ ۱۹۱۵ء میں آپ نے منارۃ المسیح کی تکمیل کا کام شروع کرایا۔ جو سنہ ۱۹۰۳ء میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زندگی میں شروع ہوا تھا۔ مگر بعد میں فنڈز کی کمزوری کی وجہ سے رُک گیا تھا۔ منارۃ المسیح کی تعمیر کے ساتھ بہت سی پیشگوئیاں وابستہ تھیں جو آپ کے عہد سعادت میں پوری ہوئیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ :-

"بخرام کہ وقتِ تو نزدیک رسید و پائے محمدیاں برمنار بلند تر محکم افتاد"

کتاب تحفۃ الملوک

دسمبر ۱۹۱۴ء کے جلسہ کے ایام تین سے چار کر دئے تھے۔ خلافت کے بعد فوراً ہی تبلیغ کا خاص اہتمام کیا گیا۔ اور انہی ایام میں اعلیٰ حضرت نواب صاحب حیدرآباد دکن تک سلسلہ کی تبلیغ پہنچانے کے لئے آپ نے کتاب تحفۃ الملوک تصنیف فرمائی۔ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالےٰ نے جماعت کو ایک مفید اور بابرکت وجود عطا فرمایا اور وُہ وجود تھا حضرت سیٹھ عبداللہ بھائی الٰہ دین

یہاں میں سیٹھ صاحب کا کوئی لمبا تذکرہ نہیں کروں گا۔ مگر اس قدر کہے بغیر نہیں گذر سکتا۔ کہ سیٹھ صاحب کو سلسلہ کے لئے مالی قربانی کا اس قدر موقع ملا ہے جو اور کسی شخص کو کم ملا ہو گا۔ گذشتہ مدت میں ان کی مالی قربانی کا تخمینہ پانچ لاکھ کے قریب قریب ہے۔ ان کی بیعت سے قبل حضرت امیرالمومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ایک رؤیا دیکھا تھا۔ کہ "ایک تخت بچھا ہے اس پر سیٹھ صاحب بیٹھے ہیں۔ اس وقت آسمان کی کھڑکی کھلی اور فرشتے ان پر نور پھینک رہے ہیں۔"

الغرض

ایسا بابرکت وجود اس کتاب تحفۃ الملوک کی اشاعت کے سلسلہ میں احمدیت کے اندر داخل ہوا۔

انجمنوں کی ترقی

پہلے ہی سال آپ کے عہد خلافت میں انجمنوں میں نمایاں ترقی ہوئی۔ پہلے ۱۲۳ انجمنیں تھیں۔ مگر اب ۱۶۴ ہو گئی تھیں۔

جزیرہ مارشس میں احمدیہ مشن

سنہ ۱۹۱۵ء میں آپ نے جزیرہ مارشس میں احمدیہ مشن کھول دیا۔ اور جناب صوفی حافظ غلام محمد صاحب بی۔ اے کو جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی ہیں وہاں کا پہلا مشنری بناکر بھیجا۔ اس سے قبل لنڈن میں جناب چوہدری فتح محمد صاحب ایم۔ اے کے ذریعے مشن کھل چکا تھا۔ صوفی صاحب قادیان سے فروری سنہ ۱۹۱۵ء میں گئے۔ اور پہلے تین ماہ جزیرہ سیلون میں مشن کا کام کرتے رہے۔

دوسرا مشنری

صوفی صاحب کی مدد کے لئے جناب حافظ عبید اللہ صاحب مرحوم کو سنہ ۱۹۱۷ء میں روانہ کیا گیا۔ حافظ صاحب موصوف سنہ ۱۹۲۳ء میں وہیں بیمار ہوئے اور غریب الوطنی میں خدمت سلسلہ کرتے کرتے وہیں شہید ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؛

احمدیہ ہوسٹل

احمدی بچوں کی تربیت کے لئے اور ان کو احمدیت کی فضا میں رکھنے کیلئے حضور نے سنہ ۱۹۱۶ء میں لاہور میں احمدیہ ہوسٹل قائم فرمایا۔ تاکہ وہ کالجوں کی سموم ہوا سے بچے رہ سکیں۔

بمبئی میں تبلیغی مشن

سنہ ۱۹۱۷ء میں آپ نے بمبئی میں ایک تبلیغی مشن روانہ فرمایا جس کے امیر حضرت

میرزا بشیر احمد صاحب ایم - اے تھے - او حضرت میر محمد اسحاق صاحب اور حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی اور حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم اس وفد میں شریک تھے -

وباء انفلوانزا میں جماعت کی خدمت

۱۹۱۸ء میں ایک وباء انفلوانزا ساری دنیا میں پھیل گئی - اس کی تباہی جنگ عظیم سے بھی زیادہ تھی - اس وقت حضور نے جماعت کے سینکڑوں آدمیوں کو اس مرض سے مخلوق خدا کو بچانے کے لئے لگا دیا - لوگوں کو مفت دوائیں دی جاتی تھیں - بیماروں کے گھروں پر جا کر علاج کیا جاتا تھا - اور روپیہ پیسہ اور سامان خور و نوش سے مدد دی جاتی تھی - یہ کام اتنی محنت اور جاں فشانی سے کیا گیا کہ دوست و دشمن سب نے جماعت کی اس انسانی خدمت کا اعتراف کیا -

راعی اور رعایا کی خدمت

۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء ہندوستان میں سیاسی طور پر بہت بڑے ہیجان کے سال تھے - جلیانوالہ باغ امرتسر کا واقعہ اسی سال ہوا تھا - رولٹ ایکٹ کا نفاذ اسی وقت حکومت نے کرنے کی تجویز کی تھی - مارشل لاء لگا ہوا تھا - مسلمان اس لئے جوش میں آئے ہوئے تھے کہ ٹرکی سے حکومت نے اچھا سلوک نہیں کیا - ہندوستان میں عدم تعاون کی تحریک زوروں پر تھی - اس وقت حضرت امیرالمومنین نے ایک کتاب "ترک موالات اور احکام اسلام" لکھ کر ملک پر بہت بڑا احسان فرمایا - نیز اسوقت

حضور نے "معاہدہ ترکیہ اور حکومت کا رویہ" تصنیف فرما کر حکومت کو اس کی غلطیوں سے آگاہ کیا۔ اور ترکوں کے متعلق "ٹرکی کا مستقبل" نامی تصنیف فرمائی۔ اور راعی اور رعایا کو الگ الگ مشورے دے کر اور ان کی غلطیوں سے آگاہ کر کے ملک پر بہت بڑا احسان فرمایا:

تحریکِ ہجرت

سنہ ۱۹۲۱ء میں مسلمانوں میں تحریک ہجرت نے زور پکڑا۔ آپ نے مسلمانوں کو اس تحریک کے بند کر دینے کا مشورہ دیا۔ اور اس کے نقصانات واضح طور پر بتائے۔ یہ الگ بات ہے کہ مسلمانوں نے آپ کی نصیحت سے فائدہ اٹھایا یا نہ۔ مگر آپ کے دردمند دل نے فوراً ان کو اس خطرناک اور نقصان رساں تحریک کے بند کرنے کی تحریک کی۔ اور اپنا فرض ادا کر دیا۔

سِلسلہ کا نظامِ جدید

نظارتوں کا قیام

یکم جنوری سنہ ۱۹۱۹ء کو آپ نے سلسلہ کے دفتری نظام میں بہت سی خامیوں کو محسوس کیا۔ جن کی تفصیلی بحث یہاں نہیں آسکتی۔ مگر ایک نقص یہ تھا کہ سلسلہ کے سارے کام صدر انجمن کے ایک سکرٹری کے سپرد تھے اور یہ اصولِ کار کے بالکل خلاف تھا۔ اس لئے حضور نے سلسلہ کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو مدنظر رکھ کر ایک جدید **نظامِ عمل** قائم کیا جو نظارتوں کے نام سے موسوم ہوا۔ اور ہر صیغہ کا ناظر اپنے اپنے دائرہ عمل میں وسیع اختیارات رکھنے لگا۔ مگر وہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے سامنے کلیۃً جواب دِہ تھا۔ اس وقت مندرجہ ذیل نظارتیں قائم کی گئیں:۔

دعوۃ و تبلیغ۔ تعلیم و تربیت۔ بیت المال۔ ضیافت۔ بہشتی مقبرہ امور خارجہ۔ امور عامہ۔ ان سب نظارتوں پر ایک نظارت علیا نگران مقرر مقرر کی گئی۔ سنہ ۱۹۱۹ء سے لیکر سنہ ۱۹۲۵ء تک یہ نظارتیں الگ الگ کام کرتی رہیں۔ مگر اکتوبر سنہ ۱۹۲۵ء میں پھر حضور نے ان کا الحاق صدر انجمن احمدیہ سے ایسے طریق سے کر دیا۔ کہ وہ باوجود ملحق ہونے کے اپنے طریق کار میں آزاد رہیں۔

محکمہ قضاء و افتاء کا قیام

جس فرمان مبارک کی رُو سے نظارتوں کا قیام عمل میں آیا تھا۔ اسی فرمان کے رُو سے جماعت کے تنازعات کے فیصلوں کے لئے محکمہ قضاء قائم ہوا۔ اور شرعی ضرورتوں کے مطابق فتویٰ لینے کے لئے صیغہ افتاء قائم ہوا۔ اور اس طرح جماعت کی ایک اہم ترین ضرورت پوری ہو گئی۔

امریکہ کا دار التبلیغ

سنہ ۱۹۱۹ء میں حضور نے نئی دنیا یعنی امریکہ میں تبلیغ کے لئے ایک مشن کھول دیا۔ جس کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو بھیجا گیا۔ انہوں نے وہاں سنہ ۱۹۲۳ء تک کام کیا۔

مغربی افریقہ کا مشن

سنہ ۱۹۲۱ء میں حضور نے مغربی افریقہ کی طرف توجہ فرمائی اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کے ایک اور صحابی مولانا عبدالرحیم صاحب نیّر کو وہاں مبلغ بنا کر بھیجا۔ نیّر صاحب کو وہاں سیاہ فام اقوام میں بہت بڑی کامیابی ہوئی۔

مجلس مشاورت کا قیام

مسلمانوں کا دور خلافت راشدہ کا ایک بہت بڑا طرۂ امتیاز یہ تھا۔ کہ وہ شوریٰ سے کام کرتے تھے۔ خلفاء راشدین شاورھم فی الامر کے مطابق مسلمانوں کو اپنے مشوروں میں شامل کرتے تھے۔ اس طرح نہ صرف یہ کہ مختلف دماغوں کی محنت سے ایک چیز بہترین صورت اختیار کر لیتی ہے، بلکہ افراد کو یہ احساس پیدا ہو جاتا ہے کہ وہ قوم کے جسم کا ایک حصہ ہیں۔ اور ان پر بھی کوئی ذمہ واری عائد ہوتی ہے۔ یہ بات اب مسلمانوں میں مٹ چکی تھی۔ اس لئے حضور نے ۱۹۲۲ء سے ایک مجلس مشاورت کو معرض وجود میں لا کر مٹی ہوئی اسلامی خصوصیت کو زندہ فرما دیا۔

زندگی وقف کرنے کی تحریک

۱۹۱۸ء میں آپ نے نوجوانوں میں زندگی وقف کرنے کی تحریک فرمائی۔ جس پر بہت سے نوجوانوں نے اپنے آپ کو پیش کیا۔ اس تحریک کا ذکر بعد میں آئے گا یہ خاکسار مصنف کتاب ہذا بھی ان میں سے ایک تھا۔

مصر میں مشن کا قیام

۱۹۲۲ء میں حضرت کے ارشاد کے ماتحت خاکسار کو مصر جانے کا حکم ہوا میں نے

چونکہ زندگی وقف کی ہوئی تھی۔ اور عہد یہ تھا۔ کہ میں کوئی خرچ سلسلہ سے نہ لوں گا اس لئے ناظر صاحب دعوۃ و تبلیغ (اس وقت جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر تھے) نے حضرت والد صاحب قبلہ کو میرے اخراجات کے لئے تحریک کی انہوں نے ایک ہزار روپیہ شاہ صاحب موصوف کو بھیج دیا۔ میرے فرائض میں تھا کہ تحصیل علم کے ساتھ تبلیغ کا کام بھی کروں۔ چنانچہ میں ۱۹۲۲ء سے لے کر ۱۹۲۶ء تک وہاں رہا ایک جماعت وہاں قائم ہوئی۔ اور مجھے یہ فخر حاصل ہوا۔ کہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اپنے قافلے سمیت قیام مصر کے ایام میں خاکسار کی جائے قیام پر نزول فرما ہوئے۔ اور یہ فخر مجھے ایسا حاصل ہوا کہ جس پر میں زندگی بھر فخر کرتا رہوں گا۔

ارتداد ملکانہ کی روک تھام

۱۹۲۲ء میں ملکانہ مسلمانوں کے علاقہ میں جو یو۔ پی میں آباد تھے۔ آریوں نے شدھی کا سلسلہ شروع کیا۔ اور ملکانہ مسلمانوں کو مرتد کیا جانے لگا۔ حضور کو جب یہ علم ہوا۔ تو حضور نے اپنے سلسلہ کے سینکڑوں فداکاروں کو اس میدان میں تبلیغ کے لئے لگا دیا۔ یہ ہر طبقہ اور ہر پوزیشن کے لوگ تھے۔ حتیٰ کہ حضرت نواب محمد علی خانصاحب جیسے بزرگ بھی اس کام میں لگ گئے۔ اس قدر شدید محنت سے احمدی مجاہدین نے کام کیا کہ تحریک شدھی بالکل بند ہو گئی۔ اور اس طرح آپ نے خدا کے فضل سے سینکڑوں ملکانوں کو ارتداد سے نکال آغوش اسلام میں واپس لے لیا۔

اچھوت اقوام کیطرف توجہ

۱۹۲۳ء میں آپ نے پست اقوام کی طرف توجہ فرمائی۔ اور ان قوموں کو اٹھانے

اور دائرہ اسلام میں شامل کرنے کے لئے زبردست کام شروع فرمایا - یہ کام اب تک ایک دائرے میں ہو رہا ہے - چنانچہ اس سلسلہ میں قادیان کے خاکروب تقریباً سب کے سب مسلمان ہو چکے ہیں اور کئی ایک قرآن کریم اور نماز پڑھنی سیکھ گئے ہیں -

حضرت امیر المومنین کا سفر ولایت

۱۹۲۴ء میں آپ اپنے بارہ خادموں کو لے کر یورپ اور اسلامی ممالک میں اس لئے تشریف لے گئے - تا کہ آپ بچشم خود ان ممالک کو دیکھ کر تبلیغ کے ذرائع تجویز فرما سکیں - نیز وہاں کی نمائش و میلے میں مذہبی کانفرنس میں شرکت کر سکیں - چنانچہ ۲۳ ستمبر ۱۹۲۴ء کو آپ کی طرف سے آنریبل چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے اس مذہبی کانفرنس میں آپ کا مضمون پڑھا -

مسجد فضل لنڈن کی بنیاد

اسی دوران سفر میں آپ نے ۱۹ اکتوبر ۱۹۲۴ء لنڈن میں مسجد احمدیہ کا سنگ بنیاد رکھا - لنڈن سے واپسی پر حضور نے لنڈن مشن کا کام اپنے پرائیویٹ سکرٹری جناب مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم - اے کے سپرد فرمایا - اور مولانا نیر صاحب کو جو پہلے سے وہاں کام کر رہے تھے اپنے ساتھ لے آئے ؛

کابل میں ایک اور شہید

آپ ابھی لنڈن میں تھے کہ حضرت مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کو جو وہاں تبلیغ

کا کام کر رہے تھے ، امیر امان اللہ خاں کے حکم سے شہید کر دیا گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ایران میں مشن

انہی یورپ سے روانگی کے ساتھ ہی آپ نے دو جدید مشن کھولے۔ ایک مشن ایران کا تھا۔ جس کے لئے حضرت شاہزادہ عبد المجید خاں صاحب لدھانوی کو۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پُرانے صحابی اور فدائی بزرگ تھے روانہ فرمایا۔ جہاں وہ چار سال تک خاموشی سے تبلیغی کام آنریری طور پر سر انجام دے کر ۱۹۲۸ء میں وہیں فوت ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

بخارا مشن

انہی ایام میں آپ نے دو مبلغ روس کی طرف روانہ فرمائے۔ جن میں سے ایک کا نام محمد امین خاں صاحب تھا اور دوسرے مولوی ظہور حسین صاحب تھے۔ مولوی ظہور حسین صاحب ملک میں داخل ہوتے ہی گرفتار کر لئے گئے۔ اور حکومت روس کے تشدد اور مظالم کا شکار ہوئے۔ جو اس قدر دُکھ دہ تھے کہ سننے والوں کے رونگٹے کھڑے کر دیتے ہیں

دمشق و فلسطین کا مشن

۱۹۲۵ء میں آپ نے اپنے سفر یورپ سے واپس آکر جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب اور جناب مولوی جلال الدین صاحب شمس کو ملک شام میں مشن کھولنے کے لئے روانہ فرمایا۔ انہوں نے دمشق میں اپنا تبلیغی مرکز کھولا۔ جناب شاہ صاحب

۱۹۲۶ء میں واپس تشریف لے آئے۔ ۱۹۲۸ء میں کسی دشمن احمدیت نے مولوی جلال الدین صاحب پر خنجر سے قاتلانہ حملہ کیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو معجزانہ طور پر بچالیا۔ اسی سال آپ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے ارشاد کے ماتحت دمشق سے نکل کر فلسطین میں آگئے۔ اور حیفا میں اپنا مشن قائم کر لیا۔ دمشق میں جماعت بن چکی تھی۔ اب فلسطین میں تو بہت بڑا مشن موجود ہے۔

جاوا سوماٹرا مشن

۱۹۲۵ء میں حضور نے جاوا سوماٹرا میں مولوی رحمت علی صاحب مولوی فاضل کے ذریعے ایک جدید مشن کا افتتاح فرمایا۔ جو بہت کامیاب ہوا۔

مسجد فضل لنڈن کا افتتاح

لنڈن میں جس مسجد کی بنیاد حضور نے اپنے دستِ مبارک سے رکھی تھی وہ ۱۹۲۶ء میں تیار ہو گئی۔ چنانچہ لنڈن میں اس کا شاندار افتتاح ہوا۔ اور مسجد کا افتتاح کرنے کا فخر سر عبد القادر صاحب کو حاصل ہوا۔ جو ان دنوں لنڈن میں بطور کونسلر موجود تھے۔

سفارتِ عراق

حکومتِ عراق نے تبلیغ احمدیت پر پابندیاں لگا رکھی تھیں۔ جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے دمشق سے واپسی پر حکم دیا کہ وہ عراق میں ٹھہر کر سعی کریں کہ یہ پابندیاں اُٹھ جائیں۔ رستم بے حیدر

وزیر مالیاتِ عراق شاہ صاحب کے بہت پُرانے دوست تھے۔ شاہ صاحب کے اثر و رسوخ اور سعی کی وجہ سے اور رستم بے کی سعی سے خدا نے وہ پابندیاں اٹھا دیں۔ اور اس طرح یہ سعادت شاہ صاحب کو حاصل ہوئی۔

خاکسار محمود احمد عرفانی جب ۱۹۳۰ء میں عراق گیا تھا تو اس خاکسار کو بھی بادشاہ عراق ملک فیصل کے سامنے احمدیت کا ذکر اور اس کی مختصر تاریخ پیش کرنے کا فخر حاصل ہُوا تھا۔

لجنہ اماء اللہ کا قیام

۱۹۲۲ء کے اخیر میں ۱۹۲۳ء کے شروع میں احمدیہ مستورات کو سلسلہ کی خدمات کے لئے تیار کرنے کے لئے آپ نے لجنہ اماء اللہ کو قائم فرمایا۔

مدرسۃ الخواتین

۱۹۲۵ء میں حضور نے مستورات کی علمی ٹریننگ کے لئے مدرسۃ الخواتین قائم کیا جس میں بذات خود حضور تعلیم دیتے رہے۔ بہت سی بچوں کی مائیں اسی مدرسہ میں شریک تھیں۔ مدرسہ میں پردہ کا شدید انتظام تھا۔ اس سعی کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کئی خواتین سلسلہ کے کاموں کے لئے تیار ہو گئیں۔

رسالہ "مصباح" کا اجراء

۱۹۲۶ء میں مستورات کی علمی و مذہبی ترقی کے لئے آپ نے مستورات کے لئے رسالہ مِصباح جاری کروایا۔ نیز گھریلو دستکاریوں کی طرف عورتوں کو متوجہ کیا۔

سالانہ جلسہ پر زنانہ دستکاری کی نمائش کا آغاز کیا جو اب تک برابر جاری ہے۔ مستورات کے سالانہ جلسہ کا الگ انتظام کیا۔ تاکہ ان کی علمی اور روحانی تربیت میں ترقی ہو سکے۔

نصرت گرلز ہائی سکول

لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم کا انتظام فرمایا۔ اور ۱۹۲۹ء میں اس سکول کو مڈل سے ہائی کر دیا گیا۔ ۱۹۳۱ء میں پہلی دفعہ لڑکیاں میٹرک کے امتحان میں شریک ہوئیں۔ اور اب اس سکول کی وجہ سے بہت سی لڑکیاں میٹرک۔ ایف اے۔ بی۔ اے اور بی۔ ٹی تک تعلیم حاصل کر چکی ہیں۔

۱۹۳۶ء میں مڈل کے بعد سکول کے دو حصے کر دئے۔ جو لڑکیاں مروجہ تعلیم حاصل کرنا چاہیں وہ میٹرک کی طرف جائیں۔ اور دوسری مذہبی تعلیم کی طرف جائیں اس کے سیکشن کا نام شاخ دینیات رکھا گیا۔ شاخ دینیات کی تعلیم اب چار سال کی ہے۔ اس شاخ کی وجہ سے احمدی لڑکیاں مذہبی علوم میں غیر معمولی ترقی کر رہی ہیں اور وہ امور دین میں ایک مولوی فاضل کی طرح واقف ہو جاتی ہیں۔

مذہبی پیشواؤں کے احترام کے قیام کیلئے سعی

۱۹۲۴ء سے ۱۹۲۹ء تک ہندوستان میں آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی توہین کا جنون ہندوؤں کی ایک جماعت میں پیدا ہوا۔ اور رنگیلا رسول وغیرہ گندی کتابیں لکھی گئیں۔ اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کے ایک طبقے میں یہ جوش پیدا ہوا۔ کہ ایسے لوگوں کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ متعدد آدمی قتل بھی ہو گئے۔

حضرت امیر المومنین نے اس فتنہ کو ختم کرنے اور حکومت اور مسلمانوں کو صحیح راستہ پر ڈالنے کے لئے ہر ممکن سعی کی۔ آپ کی اس خدمت کو مسلمانوں نے بہت احترام کی نگاہ سے دیکھا۔

مسلمانوں کی اقتصادی حالت کی اصلاح کیلئے سعی

سنہ ۱۹۲۷ء میں آپ نے مسلمانوں کو اپنی اقتصادی حالت درست کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ اور اُن کو ترغیب دی کہ وہ تجارت میں آگے بڑھیں۔

انجمن ترقی اسلام

اس غرض کے لئے اور مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں اتحاد قائم کرنے کے لئے آپ نے سنہ ۱۹۲۷ء میں انجمن ہائے ترقی اسلام قائم کیں۔ جن کے ذریعے مسلمانوں کی عظیم الشان خدمات سرانجام دی گئیں ؛

جلسہ ہائے سیرۃ النبیؐ

سنہ ۱۹۲۸ء میں رسول کریم کی سیرت کی عام اشاعت کے لئے جلسہ ہائے سیرۃ النبیؐ کا انتظام فرمایا۔ جو اب تک جاری ہیں۔ ان جلسوں نے ملک کی فضاء کو درست کرنے میں بڑا کام کیا۔

یوم پیشوایانِ مذاہب

اس سلسلہ میں دوسرا قدم اتحاد اور امن کے قیام کے لئے یہ اٹھایا گیا۔ کہ دیگر پیشوایانِ مذاہب کے لئے بھی آپ نے سنہ ۱۹۳۹ء سے ایک دن مقرر فرما دیا۔ تاکہ اس دن ہم دیگر بانیانِ مذاہب کی بھی سیرتیں بیان کر کے نہ صرف ایک سچائی کا اظہار کریں بلکہ

ملک کی فضاء کو درست کریں۔

قادیان میں ریلوے اور مادی ترقی

آپ کے عہد مبارک میں قادیان کو بہت بڑی مادی ترقی حاصل ہوئی۔ ۱۹۲۸ء میں قادیان میں ریلوے آگئی۔ ۱۹۲۶ء میں تار برقی کا سلسلہ قائم ہوگیا۔ ۱۹۳۵ء میں بجلی آگئی۔ ۳۷ء میں ٹیلیفون کا سلسلہ قائم ہوا۔ جس کے ذریعہ سے یہاں بیٹھ کر ساری دنیا سے گفتگو ہو سکتی ہے۔

نئے محلے آباد ہو گئے ہیں۔ جن میں بڑی بڑی سڑکیں رکھی گئی ہیں۔ ہر محلے میں جدید مساجد بنائی گئیں۔ ٹون کمیٹی بن گئی اور اب محکمہ چونگی بھی قائم ہو گیا ہے۔

سائمن کمیشن اور گول میز کانفرنس

۱۹۲۸ء سے لے کر ۱۹۳۰ء تک ہندوستان میں ایک سیاسی تلاطم برپا رہا۔ پہلے حکومت نے سائمن کمیشن کا انتظام کیا اور پھر گول میز کانفرنس کا۔ ان دونوں موقعوں پر حضور نے حکومت اور پبلک کو نہایت قیمتی مشورے دئے۔

کشمیر کمیٹی

۱۹۳۱ء و ۱۹۳۲ء میں حضور نے کشمیر ایجی ٹیشن کے سلسلہ میں مسلمانان کشمیر کی بے نظیر خدمت سر انجام دی۔ خود کشمیر کمیٹی کے صدر رہے۔ جماعت احمدیہ نے آپ کے ارشاد پر ہزارہا روپیہ اس تحریک پر خرچ کیا۔ اس کام کی تفصیل اس مختصر کتاب میں نہیں آسکتی۔ اس لئے اس کے بھی صرف عنوان پر ہی اکتفاء کرنے پر مجبور ہوں ؎

فتنہ احرار

۱۹۳۴ء میں احرار نے احمدیت کے خلاف ایک شدید محاذ قائم کیا۔ اور ہر ممکن سعی کی۔ کہ احمدیت کو نقصان پہنچا کر رہیں گے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان وعدوں کے مطابق جو حضور سے کئے گئے تھے۔ احرار کے فتنہ کو کچل کر رکھ دیا۔

آل انڈیا نیشنل لیگ کا قیام

۱۹۳۴ء میں کچھ نوجوانوں کی درخواست پر حضور نے آل انڈیا نیشنل لیگ کے قیام کی اجازت دی۔ اور اس سلسلہ میں لیگ نے احرار کی شرارتوں کا ایک بڑی حد تک مقابلہ کیا ۔۔۔ جنگ کی وجہ سے چونکہ سیاسی سرگرمیاں پسندیدہ نہ خیال کی گئیں۔ اس لئے لیگ نے اپنے کام کو کسی دوسرے وقت کے لئے ملتوی کر دیا۔

تحریکِ جدید

۱۹۳۴ء میں حضور نے ایک اور تحریک، تحریک جدید کے نام سے شروع کی۔ جو نہایت اہم تحریک ہے۔ اس تحریک کے ماتحت جماعت نے ہر قسم کی قربانیاں کیں۔ اور جماعت سے حضور نے متعدد مطالبات کئے۔ جو جماعت نے بخوشی اپنے اوپر فرض کر لئے جن میں سے چند مطالبات یہ تھے۔ بیکار نہ رہو۔ سادہ زندگی اختیار کرو۔ ایک کھانا کھاؤ۔ ممالک غیر میں تبلیغ کے لئے جاؤ۔ سینما نہ دیکھو۔ وغیرہ وغیرہ

تحریکِ جدید کے ماتحت مبلغین

آپ نے اس تحریک کے ماتحت "وقف زندگی" کی تحریک کی اور وقف شدہ لوگوں کو مندرجہ ذیل ممالک میں تبلیغ کے لئے بھیجا۔

۱۹۳۵ء میں سنگاپور۔ ہانگ کانگ، چین۔

۱۹۳۶ء میں۔ جاپان۔ سپین۔ ہنگری۔ یوگوسلاویہ۔ جنوبی امریکہ۔ اٹلی

۱۹۳۷ء میں۔ پولینڈ۔

اس سلسلہ میں غیر ملکوں میں نکلنے والے لوگوں میں سے ایک مولوی رفیق احمد صاحب شہید بھی ہیں۔ جو پیدل چل کر چینی ترکستان میں گئے۔ اور وہاں احمدیت کا جھنڈا گاڑنے میں کامیاب ہوئے۔ اس کے نتیجہ میں کاشغر سے ایک خاندان ہجرت کر کے قادیان میں سکونت پذیر ہو چکا ہے۔

خدام الاحمدیہ

نوجوانوں کی اصلاح وتربیت اور سلسلہ کے کاموں میں اُن کی قوت کو صرف کرنے کے لئے حضور نے ۱۹۳۸ء میں خدام الاحمدیہ کو قائم کیا۔ خدام الاحمدیہ کی زمام حضرت صاحبزادہ میرزا ناصر احمد صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کے جنرل سکرٹری ایک مخلص نوجوان چودھری خلیل احمد صاحب ناصر۔ بی۔ اے ہیں۔ حضور کی ہدایات کے ماتحت مجلس خدام الاحمدیہ بہت شاندار کام سر انجام دے رہی ہے۔

خلافت جوبلی

آپ کو مسند خلافت پر متمکن ہوئے ۱۹۳۹ء کو ۲۵ سال ہو گئے تھے۔ اس عرصہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام دنیا کے کناروں تک پہنچ گیا۔ جماعت کی

صدہائے شاخیں کھل گئیں۔ لاکھوں انسان دامن احمدیت سے وابستہ ہو گئے۔ اس لئے جماعت کی طرف سے خدا تعالےٰ کا شکر ادا کرنے کے لئے دسمبر ۳۹ء میں خلافت جوبلی منائی گئی

احمدیہ جھنڈا

خلافت جوبلی کی تقریب پر حضرت نے ایک جھنڈا جماعت کو عطا کیا۔ اور ایک جھنڈا خدام الاحمدیہ کو :

موجودہ عالمگیر جنگ

اس موجودہ عالمگیر جنگ میں حضور نے حکومت کو ہزارہا آدمیوں سے اور مال سے مدد دی :

تفسیر کبیر

۱۹۴۰ء کے سالانہ جلسہ پر حضور نے دن رات کی محنت سے قوم کو تفسیر کبیر جیسی پاکیزہ نعمت عطا فرمائی۔

سندھ میں احمدی نو آبادیات

تحریک جدید کے روپے سے سندھ میں سلسلہ احمدیہ کیلئے حضور نے کئی نو آبادیاں قائم کیں۔ نیز اس جنگ کے ایام میں قادیان میں کئی فیکٹریاں آپ کے عہد میں جاری ہوئیں مہاراجہ صاحب پٹیالہ قادیان تشریف لائے۔ یہ اس بحر ذخار میں سے یعنی آپکے اعمال جلیلہ کے سمندر میں سے ایک چھوٹا سا چلو ہے جو میں نے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔

جامعہ احمدیہ

میں یہ لکھنا بھول ہی گیا۔ کہ حضور کی توجہ نے مدرسہ احمدیہ کو ۱۹۲۸ء میں ترقی دیکر ایک کالج بنا دیا۔ جو جامعہ احمدیہ کے نام سے موسوم ہے۔ اسمیں تعلیم کے چار درجے ہیں درجہ اولیٰ و ثانیہ مولوی فاضل کلاس۔ اور درجہ ثالثہ و رابعہ مبلغین کلاس۔ اس کے پہلے پرنسپل حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب تھے۔ اور اب انکے ریٹائر ہونے پر حضرت صاحبزادہ میرزا ناصر احمد صاحب ہیں۔

فتنے

آپ کے اس زمانے میں بہت سے فتنے پیدا ہوئے۔ پہلا فتنہ منکرین خلافت کا تھا۔ پھر مستریوں کا فتنہ ہوا۔ پھر بہائیوں کی طرف سے ایک اندرونی سازش ہوئی۔ پھر مصری صاحب کا فتنہ ہوا۔ اور پھر احرار کا فتنہ ہوا۔ نیز حکومت کے بعض حکام کی طرف سے بھی فتنے ہوئے جس کی آخری کڑی صاحبزادہ میرزا خلیل احمد صاحب کے خلاف ایک سازش تھی۔ اور اس سلسلہ میں ڈلہوزی کے مقام پر وہاں کی پولیس کی طرف سے بدترین قسم کا مظاہرہ کیا گیا۔ مگر خدا تعالیٰ نے ان سب فتنوں کو پاش پاش کر دیا۔ اور حق کا سر بلند اور بالا رہا۔

یہ بالکل مختصر سا نقشہ ہے۔ ایک کامیاب اور مظفر و منصور انسان کی زندگی کا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کی زندگی اور صحت میں بہت بڑی برکت رکھ دے۔

اب خدا کے لئے اس کتاب کو پڑھنے والے غور فرمائیں۔ کہ سلسلہ احمدیہ کس بیکسی کی حالت میں اٹھا۔ اور اس نے آہستہ آہستہ ناموافق حالات میں کیسی ترقی کی۔ اور خلافت ثانیہ میں وہ کتنا تناور درخت بن گیا۔ الحمد للہ علیٰ ذالک

ان فتنوں پر اگر غائر نظر ڈالی جائے۔ جو ابتدائے ایام سے سلسلہ کے ساتھ ہی شروع ہو گئے تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جب دعویٰ فرمایا۔ اس وقت اس کی مثال ایک لو کی سی تھی۔ جو ایک بیج میں سے نکلتی ہے۔ کیا کوئی تصور کر سکتا ہے کہ ایک بیج میں سے جب ایک لو نکلے اور اسی وقت اس پر ہر قسم کی آندھی۔ جھکڑ۔ ژالہ باری ہونی شروع ہو جائے اور اس قدر شدت سے حملے ہوں کہ وہ دیکھنے والوں کے سامنے مٹ جائے۔ اور اس کا نشان بھی باقی نہ رہے۔ تو کیا کوئی خیال کر سکتا ہے کہ وہ لو کبھی بڑھتے بڑھتے ایک تناور درخت بن جائیگا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعوے کے ساتھ ہی علماء کی طرف سے

کفر کے فتوے لگے۔ عوام الناس نے مخالفت کا طوفان بے تمیزی برپا کیا۔ حکومت کے نزدیک ہر قسم کی نمامی اور چغلخوریاں کی گئیں۔ جھوٹے مقدمات بنائے گئے۔ قتل کے منصوبے سوچے گئے۔ بائیکاٹ کئے گئے۔ گھروں سے نکالا گیا۔ اور اس قدر سختی کی کہ زمین بالکل تنگ کر دی گئی۔ اس غرض کے لئے دنیا بھر کی طاقتیں متحد تھیں مسلمان سب سے اول نمبر پر تھے۔ عیسائی بھی شامل تھے ہندو سکھ۔ آریہ سماجی وغیرہ ساری قومیں شریک تھیں۔ حتیٰ کہ حکومت بھی (مسلمانوں کے اس عقیدہ کی وجہ سے جو وہ مہدی کے متعلق رکھتے ہیں کہ وہ جب آئے گا تو کفار کو قتل کر کے زمین کو پاک وصاف کر دے گا۔) حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کو مشکوک نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ کیونکہ مہدی سوڈانی کی جنگیں حکومت برطانیہ کے سامنے ہی تھیں۔ حکومت دیکھ چکی تھی۔ کہ محمد مہدی سوڈانی نے اس عقیدہ کی وجہ سے اپنے ارد گرد کتنی بڑی طاقت جمع کر لی تھی۔ اور سالہا سال تک اس نے اور اس کے ساتھیوں نے سوڈان کی سرزمین پر نہایت زبردست خونیں جنگیں لڑی تھیں۔ اس حکومت کو خیال تھا کہ جہاں بھی مہدویت کے خیال کو لے کوئی شخص اُٹھے گا۔ وہاں ہی خونریزی ہوگی۔

اس لئے ہر طبقہ سے مخالفت کا سیلاب اُمنڈ رہا تھا۔ قادیان میں ہر آنے جانے والے کا نام و پتہ لکھا جاتا تھا۔ اور بسا اوقات ان لوگوں سے لمبے چوڑے بیانات بھی لئے جاتے کہ تم قادیان کیوں گئے تھے۔

اس طوفان بے تمیزی کی حالت میں کوئی شخص نہیں کہہ سکتا تھا۔ کہ سلسلہ بڑھے گا۔ مگر سلسلہ بڑھا۔ اور اس قدر بڑھا۔ کہ وہ خدا کے وعدوں کے مطابق

دنیا کے کناروں تک پھیل گیا

الحمد للہ ثم الحمد للہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کے
گذرے ہوئے صحابہؓ کا ذکر

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے گذرے ہوئے زمانہ کا ذکر

اک زمانہ تھا کہ میرا نام بھی مستور تھا
قادیاں بھی تھی نہاں ایسی کہ گویا زیر غار
کوئی بھی واقف نہ تھا مجھ سے نہ میرا معتقد
لیکن اب دیکھو کہ چرچا کس قدر ہے ہر کنار

اک قطرہ اس کے فضل نے دریا بنا دیا
میں خاک تھا اُسی نے ثریا بنا دیا
میں تھا غریب و بیکس و گمنام و بے ہنر
کوئی نہ جانتا تھا کہ ہے قادیاں کدھر
لوگوں کی اس طرف کو ذرا بھی نظر نہ تھی
میرے وجود کی بھی کسی کو خبر نہ تھی
اب دیکھتے ہو کیسا رجوعِ جہاں ہوا
اک مرجعِ خواص یہی قادیاں ہوا

اللہ تعالےٰ کے نشانوں میں سے یہ بھی اک نشان ہے کہ قادیان جو کہ ایک گمنام بستی تھی۔ جسے کوئی جانتا نہ تھا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی لوگوں کی آنکھوں سے پوشیدہ تھے۔ اس وقت خدا تعالےٰ نے اپنے بندے کو یہ اطلاع دی۔ کہ لوگ تیرے پاس کثرت سے آویں گے۔ تو گھبرانہ جانا۔ اپنے مکان کو وسیع کر۔ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ تیرا نام دنیا کے کناروں تک پھیل جائے گا۔ اور تیرا نام قیامت تک باقی رہے گا۔ اس زمانے میں سننے والے ممکن ہے کہ ان باتوں کو ایک بڑے سے زیادہ وقعت نہ دیتے ہوں۔ مگر خدا تعالےٰ کی تائید اور نصرت نے ثابت کر دیا۔ کہ یہ سب

آسمانی باتیں تھیں۔ جو اپنے وقت پر پوری ہو کر رہیں۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ لوگ پروانہ وار اُڑکر قادیان پہنچ جائیں گے۔ وہ اپنے گھروں کو، اپنے رشتہ داروں کو اور اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑ چھاڑ کر قادیان کی سرزمین میں آکر آباد ہو جائیں گے۔ ان آنیوالوں کے متعلق خداتعالےٰ نے خود اپنے عرش سے تعریف کی اور فرمایا:۔

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنَّ لَھُمْ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَاتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ وَلَا تُصَعِّرْ لِخَلْقِ اللّٰہِ وَلَا تَسْئَمْ مِنَ النَّاسِ۔ اَصْحٰبُ الصُّفَّۃِ وَمَآ اَدْرٰکَ مَآ اَصْحٰبُ الصُّفَّۃِ تَرٰٓی اَعْیُنَھُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ یُصَلُّوْنَ عَلَیْکَ۔ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ۔ دَاعِیًا اِلَی اللّٰہِ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ اٰمِنُوْا۔

ترجمہ:۔ اور تو اُن لوگوں کو جو ایمان لائے یہ خوشخبری سُنا کہ اُن کا قدم خدا کے نزدیک صدق کا قدم ہے۔ سو اُن کو وہ وحی سُنا دے۔ جو تیری طرف تیرے رب سے ہوئی۔ اور یاد رکھ کہ وہ زمانہ آتا ہے کہ لوگ کثرت سے تیری طرف رجوع کرینگے۔ سو تیرے پر واجب ہے کہ تو اُن سے بدخلقی نہ کرے۔ اور تجھے لازم ہے کہ اُن کی کثرت کو دیکھکر تھک نہ جائے اور ایسے لوگ بھی ہوں گے۔ جو اپنے وطنوں سے ہجرت کر کے تیرے حجروں میں آکر آباد ہوں گے۔ وہی ہیں جو خدا کے نزدیک اصحاب الصفہ کہلاتے ہیں۔ اور تو کیا جانتا ہے کہ وہ کس شان اور ایمان کے لوگ ہوں گے جو اصحاب صفہ کے نام سے موسوم ہیں وہ بہت قوی الایمان ہوں گے تو دیکھیگا۔ کہ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوں گے وہ تیرے پر درود بھیجیں گے۔ اور کہیں گے اے خدا ہم نے ایک آواز دینے والے کی آواز سُنی جو ایمان کی طرف بلاتا ہے۔ اور ایک چمکتا ہوا چراغ ہے۔ سو ہم ایمان لائے۔ ان تمام

پیشگوئیوں کو تم لکھ لو کہ وقت پر واقع ہوں گی۔ (تذکرہ صفحہ ۵۱ و ۵۲)

ان صحابہ کی عُلُوِّ شان

جن صحابہ کو اللہ تعالےٰ اصحاب صفہ کہا اور اُن کے ایمان کی تعریف کی۔ ان کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:—

"خدا تعالےٰ نے انہی اصحاب صفّہ کو تمام جماعت میں سے پسند کیا ہے۔ اور جو شخص سب کچھ چھوڑ کر اس جگہ آ کر آباد نہیں ہوتا۔ اور کم سے کم یہ کہ یہ تمنّا دل میں نہیں رکھتا۔ اس کی حالت کی نسبت مجھ کو بڑا اندیشہ ہے کہ وہ پاک کرنے والے تعلقات میں ناقص نہ رہے۔ اور یہ ایک پیشگوئی عظیم الشان ہے اور ان لوگوں کی عظمت کو ظاہر کرتی ہے کہ جو خدا تعالےٰ کے علم میں تھے کہ وہ اپنے گھروں اور وطنوں اور املاک کو چھوڑیں گے۔ اور میری ہمسائیگی کے لئے قادیان میں بود و باش کریں گے۔"

(تریاق القلوب صفحہ ۶)

پس

قادیان کی عظمت اس ایک شہادتِ ربّانی اور شہادت نبوی سے معلوم ہو جاتی ہے کہ اصحاب الصفہ کی تعریف خود خدا نے فرمائی۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص یہاں آ کر آباد ہونے کی تمنّا نہیں رکھتا۔ اس کی حالت کی نسبت مجھ کو بڑا اندیشہ ہے کہ وہ پاک کرنے والے تعلقات میں ناقص نہ رہے۔ اس بیان کے بعد صحابہ کی عظمت کے لئے مجھے کچھ اور نہیں کہنا۔ بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں بیٹھنے والوں کو صحابہ کیوں کہتے ہو۔ سو واضح رہے۔ کہ حضرت اقدس خود

فرماتے ہیں ؎

مسیح وقت اب دنیا میں آیا ۔ خدا نے عہد کا دن ہے دکھایا

مبارک وہ جو اب ایمان لایا ۔ صحابہ سے ملا جب مجھ کو پایا

وہی مے اُن کو ساقی نے پلا دی

فسبحان الذی اخزی الاعادی

پس

ان خدا کے برگزیدوں کا میں یہاں ذکر کرتا ہوں ۔ جن کو خدا نے وہی مے پلا دی ۔ جو محمدؐ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کو پلائی گئی تھی ۔ جو ایمان سے لبریز تھے ۔ اور روحانیت کے عطر سے معطر تھے ۔ جنہوں نے دنیا کی **لعنتوں** ۔ **ملامتوں** ۔ **ذلتوں** ۔ **مخالفتوں** کی کوئی پرواہ نہ کی ۔ اور پروانہ وار اڑ کر آئے اور شمع ہدایت پر قربان ہو گئے ۔ اے خدا تیرے ان بندوں پر **مشرق و مغرب** ۔ **شمال و جنوب** اور **زمین و آسمان** کی پاکباز مخلوق کی طرف سے ہزاروں ہزار سلام ہوں ۔

اب میں اُن چند بزرگوں کا یہاں ذکر کرتا ہوں ۔ جو عہدِ وفا کے ساتھ اپنی زندگی ختم کر گئے اور منزل مقصود کو پا گئے ۔ رَضِيَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ وَ رَضُوْا عَنْہُ ۔

(۱)

حضرت سیّدنا و مولانا مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ

اوّل درجہ کے باوقار ۔ علم کے سمندر ۔ حکمت کے آفتاب ۔ مجسم خاکساری ۔ رحم و کرم کے پیکر ۔ اول المومنین ۔ خدا کی رضاء کے لئے ہر قسم کی مالی ۔ جانی ۔ حالی قربانی دینے والے دریا پر ایک دفعہ جو دھونی رما دی ، تو پھر زندگی بھر بھول کر بھی کسی جگہ کو وطن نہ کہا ۔ اور نہ اس طرف کا رخ کیا ۔ دنیا کی ساری ۔ قیمتوں اور عزتوں کو محض خدا کے نام پر لات مار دی

اور قادیان کی سرزمین میں کچے مکانوں میں ساری عمر گذار دی۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے انہی کی شان میں فرمایا:۔

چہ خوش بودے اگر ہر یک زامّت نوردیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پُر از نورِ یقیں بودے

قرآن آپ کی غذا۔ قرآن آپ کی ردا تھی۔ اور قرآن ہی میں آپ زندگی تھی۔ مقام عشق میں وہ اپنے وقت کے امام تھے اور کوئی اُن کے پائے کو نہ پہنچ سکتا تھا۔ اپنے آقا کی مجلس میں جب آتے، ادب سے زانو تہ کرکے گردن جھکا کر بیٹھ جاتے اور یوں کھوئے رہتے کہ گویا آپ اس جہان میں نہیں ہیں۔ ایمان ایسا پختہ کہ جو حضرت نے فرما دیا، خواہ وہ اُن کے علم اور خیال سے مختلف ہی ہو، اُسی پر اٰمنّا کہہ دیا۔ اور پھر اس کو ایسا اپنایا کہ اس سے جدا نہ ہوئے۔ اسی اطاعت کامل نے آپ کو حضرت اقدس کے وصال کے بعد آپ کا جانشین بنا دیا۔ اور مرنے کے بعد بھی ایسے قریب ہوئے کہ کوئی جدائی نہ رہی اور گویا کہ اسی قبر میں جا سوئے۔ اے خدا اُن کی تربت پر انوار کی بارش برسا۔ اور اپنی رضا کے اس مقام پر انکو کھڑا کر جو تیرے خاص الخاص مقربین کو حاصل ہے۔ آمین ؏

(۲)

حضرت مولوی عبد الکریم صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

خدا تعالیٰ کی وحی میں ان کا نام مسلمانوں کا لیڈر عبد الکریم رکھا گیا۔ بڑا بہادر دلیر۔ مقام صدق میں سب سے پہلے قربانی کرنے والا انسان۔ قرآن کریم کا فدائی اور شیدائی۔ قرآن جب پڑھتا تھا۔ تو راہ چلتے انسان رُک کر کھڑے ہو جاتے۔ گویا کسی نے اُن کے پاؤں باندھ لئے ہیں۔ اور وہ خود زور سے کہتے تھے ؏

میری طرف تو دیکھو پڑھتا ہے قرآن احمدی

مجلسِ مسیح موعودؑ میں جب بیٹھتے تو کلماتِ مسیح سُن کر زندہ ہو جاتے۔ ان کا قلب رقصاں ہوتا۔ سرمستی و بیخودی میں جھوم جاتا۔ باوجود اس کے صدہا باوقاروں سے بڑھکر باوقار تھے۔ مگر کلامِ مسیح کو سُنکر تڑپ اُٹھتے اور بول اُٹھتے۔ "ہا! حضور نے زندہ کر دیا۔ حضور نے کیسی سچائی بیان فرمائی۔ بس جان ہی ڈال دی۔ اس قسم کے فقرات سے ان قلب کی لگی ہوئی آگ محبت کا پتہ دوسروں کو بھی مل جایا کرتا تھا۔ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ایک ایک ادا پر قربان تھے۔ ان کی وفات کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کا ایک مرثیہ لکھا۔ اور یہ فخر صرف اور صرف انہی کو حاصل ہوا۔ اس مرثیہ کا ایک شعر یہ ہے:۔

کے تواں کردن شمارِ خوبیٔ عبدالکریم
آنکہ جاں داد از شجاعت بر صراطِ مستقیم

ان کی وفات پر خدا تعالےٰ نے اپنے عرش سے اظہار افسوس کیا اور الہام ہوا۔ "سینتالیس سال کی عمر اِنّا للہ و اِنّا الیہ راجعون"۔ اور پھر الہام ہوا۔ مَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ۔

بڑے نازک مزاج۔ بڑے باوقار۔ مدتوں سر سید احمد خان کے ہم خیال رہے مگر جب حقیقت آشکار ہوئی۔ در احمدؑ پر ایسی دھونی رمائی کہ مر کر اُٹھے۔ اور بہشتی مقبرہ کا افتتاح ان کے وجود سے ہوا۔

(۳)

حضرت حکیم فضل الدین صاحب بھیروی

عالم باعمل تھے۔ متقی اور پرہیزگار تھے۔ حضرت مسیح موعودؑ نے انکی نسبت فرمایا۔ کہ "انہیں دین اسلام کی حقانیت کے پھیلانے میں اسی عشق کا وافر حصہ ملا ہے جو تقسیم ازلی سے میرے بھائی مولوی حکیم نورالدین صاحب کو دیا گیا ہے۔"

(۴)

حضرت میر حامد شاہ صاحب سیالکوٹی

صوفی منش - عشاق احمد میں سے ایک عاشق - کم گو - کم سخن - مگر جب بولتے پورا تول کر بولتے - صدق و صفاء کے مقام پر کھڑے تھے - خدا نے قوت شعر دی تھی اور شعر گوئی کو خدمتِ اسلام اور خدمت خلق کے لئے وقف کر رکھا تھا - حضرت اقدس ان کی نسبت فرماتے ہیں -

"اُن کا جوش سے بھرا ہوا اخلاص اور ان کی محبتِ صافی جس حد تک مجھے معلوم ہوتی ہے میں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا"

(۵)

حضرت مولوی محمد احسن صاحب امروہی

بھوپال میں مہتمم مصارف ریاست تھے حضرت مسیح موعود علیہ السلام پر ایمان لانیکی وجہ سے بہت بڑی ملازمت جاتی رہی - حضرت نے ان کے حق میں فرمایا ؎

از برائش محمد احسن را + تارک روزگار مے بینم

تائید حق میں متعدد کتابیں لکھیں - اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے کمال درجہ اخلاص اور محبت کا تعلق رکھتے تھے - خلافت ثانیہ میں پہلے حق کے قبول کرنیکی نعمت ملی - اور بعد میں بڑھاپے اور فالج کی کمزوری کے اثرات کے ماتحت کچھ پھسلے - مگر کچھ دوستوں کی شہادت ہے - کہ وہ آخری وقت میں پھر اپنی اس کمزوری پر نادم تھے - اے خدا تو اُن کی ندامت کو قبول فرما - اور اپنے مسیح موعود علیہ السلام کے مقربین میں ہی انہیں رکھیو - آمین

(۶)

حضرت صوفی احمد جان صاحبؓ

ایک بڑی جماعت کے پیشوا تھے۔ اور باکمال متقی اور باخدا انسان تھے۔ سچائی کی قبولیت کے لئے انہوں نے کسی کی پرواہ نہ کی۔ ان کو یہ فخر بھی حاصل ہے۔ کہ حضرت اقدس کی طرف سے ایک مناجات خانہ کعبہ میں انہوں نے پڑھی۔ غالباً اسی مناجات کے متعلق یہ الہام ہوا تھا ؎

دلم مے بلرزد چو یاد آورم ✦ مناجات شوریدہ اندر حرم (تذکرہ صفحہ ۳۹۲)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ازالہ اوہام میں آپ کی بڑی تعریف فرمائی۔ اور اُن کی وفات پر لکھا۔ وَاَنَا بِفِرَاقِہٖ لَمَحْزُوْنُوْن۔ ملاحظہ ہو ازالہ اوہام (تقطیع خورد صفحہ ۷۹۱)

(۷)

حضرت قاضی خواجہ علی صاحب

حضرت اقدس نے ان کی نسبت تحریر فرمایا :-

"قاضی صاحب موصوف اس عاجز کے ایک منتخب دوستوں سے ہیں۔ محبت و خلوص و وفا و صدق کے آثار اُن کے چہرہ پر نمایاں ہیں۔ خدمت گذاری میں ہر وقت کھڑے ہیں"

(۸)

حضرت میاں عبداللہ صاحب سنوری

ہوشیار پور کی خلوت گزینی میں حضرت کے ساتھ رہنے والے وفادار خادم۔

سرخی کے چھینٹوں والے نشان میں حصہ دار۔ حضرت کے سرخی کے نشان والے کرتے کے امین۔ جن کی نسبت حضرت اقدس نے تحریر فرمایا :۔

"یہ جوان صالح اپنی فطرتی مناسبت کی وجہ سے میری طرف کھینچا گیا ہے میں یقین رکھتا ہوں کہ وہ ان وفادار دوستوں میں سے ہے جن پر کوئی ابتلاء جنبش نہیں لا سکتا۔" (ازالہ اوہام ص۷۹۶)

(۹)

حضرت سیّد فضل شاہ صاحب

جن کی نسبت حضرت اقدس نے فرمایا :۔

"نہایت صاف باطن اور محبت واخلاص سے بھرے ہوئے اور کامل اعتقاد کے نور سے منور ہیں۔ اور مال وجان سے حاضر ہیں۔ اور ادب اور حسن ظن جو اس راہ میں ضروریات سے ہے۔ ایک عجیب انکسار کے ساتھ ان میں پایا جاتا ہے۔" (ازالہ اوہام ص۷۹۷)

(۱۰)

حضرت منشی اروڑے خاں صاحب مرحوم تحصیلدار کپورتھلہ

حضرت منشی صاحب کے مقام کا اس سے پتہ لگ سکتا ہے کہ حضرت اقدس نے اُن کی نسبت لکھا ہے۔ کہ :۔

"اُن کو اس عاجز سے ایک نسبتِ عشق ہے۔" (ازالہ اوہام ص۷۹۸)

پس اس سے بڑھ کر اور کون سا فخر اُن کے لئے رہ جاتا ہے کہ خدا کے برگزیدہ نے ان کے عشق صادق کو خود تسلیم کر لیا۔

(۱۱)

حضرت خان محمد خان صاحب مرحوم افسر بگھی خانہ کپورتھلہ

حضرت اقدس نے ان کی نسبت تحریر فرمایا :- "جس قدر انہیں میری نسبت عقیدت و ارادت و محبت و نیک ظن ہے۔ میں اس کا اندازہ نہیں کر سکتا۔ مجھے ان کی نسبت یہ تردد نہیں۔ کہ ان کے اس درجہ ارادت میں کچھ خلل پیدا ہو۔ بلکہ اندیشہ ہے کہ حد سے نہ بڑھ جائے۔" (ازالہ اوہام ۷۹۹)

(۱۲)

حضرت منشی ظفر احمد صاحب مرحوم رجسٹرار ہائی کورٹ کپورتھلہ

حضرت اقدس ان کی نسبت خود یوں فرماتے ہیں :- "یہ جوان صالح۔ کم گو۔ اور خلوص سے پُر۔ دقیق فہم آدمی ہے۔ استقامت کے آثار و انوار اس میں ظاہر ہیں۔ وفاداری کی علامات و امارات اس میں پیدا ہیں۔ ثابت شدہ صداقتوں کو خوب سمجھتا ہے۔ اور ان سے لذت اٹھاتا ہے۔ اللہ اور رسول سے سچی محبت رکھتا ہے۔" (ازالہ اوہام ۸۰۲)

(۱۳)

حضرت پیر سراج الحق صاحب مرحوم

لوگوں میں ملبے پیر کے نام سے مشہور تھے۔ خود پیر طریقت تھے۔ حضرت قطب الاقطاب شیخ جمال الدین احمد ہانسوی کی اولاد سے تھے۔ سب کچھ چھوڑ کر پروانہ وار حضرت مسیح موعود ؑ پر قربان ہو گئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کو اکابر مخلصین میں سے صاف باطن یکرنگ کا خطاب دیا ہے۔

(۱۴)

حضرت میر ناصر نواب صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خسر۔ اور خسر بھی ایسے کہ جن کے گھر کو خدا تعالیٰ نے خود منتخب فرمایا۔ اور ان کو یہ شرف عظیم بخشا۔ کہ وہ اس زمانہ کے نبی احمد مرسل کے خسر کہلائیں۔ اور خدا نے ان کو ایسی بیٹی دی۔ جسے دنیا کی تمام مستورات پر ایک شرف عظیم اور عزت حاصل ہے۔ اور خدا نے اس کے بطن سے وہ اولاد پیدا فرمائی۔ جو آج آسمانی نور دین کی حامل ہے اس سے بڑھ کر انسان کو اور کیا شرف حاصل ہو سکتا ہے۔ حضرت اقدس ان کی نسبت فرماتے ہیں:-

"نہایت یکرنگ اور صاف باطن اور خدا تعالےٰ کا خوف دل میں رکھتے ہیں اور اللہ اور رسول کی اتباع سب چیزوں سے مقدم سمجھتے ہیں۔ اور کسی سچائی کے کھلنے پر پھر اس کو شجاعت قلبی سے بلا توقف قبول کر لیتے ہیں۔ الحبّ للہ اور بغض للہ کا مومنانہ شیوہ ان پر غالب ہے۔" (ازالہ اوہام صفحہ ۸۰۵)

(۱۵)

حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم

ایک نہایت نیک اور پاک باطن بزرگ تھے سلسلہ کے لئے بڑی بڑی قربانیاں کیں۔ پنشن کے بعد سلسلہ کے اہم کاموں پر فائز رہے۔ اور ان کو یہ فخر حاصل ہوا۔ کہ باوجود اس کے کہ آپ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان میں سے نہ تھے۔ مگر خاندان میں شامل ہوئے۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کے صدق وفا کو دیکھ کر ان کی صاحبزادی کا رشتہ اپنے پیارے لخت جگر جو پیشگوئیوں کے مطابق موعود فرزند

ہیں کے تھے مانگا۔ اور اس طرح اُن کو اس مصلح عظیم کا خسر ہونے کا فخر حاصل ہوا جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نہ صرف جانشین ہے بلکہ بیسیوں پیشگوئیوں کو پورا کرنیوالے ہیں۔

(۱۶)

حضرت چودھری رستم علی خاں صاحب مرحوم

خدا کی وحی نے ان کو آسمان سے "چودھری رستم علی" کہا۔ نہایت پاکباز مخلص تھے۔ اور عشق و محبت کے اس سمندر کو عبور کر کے ابدی زندگی پا گئے ؛

(۱۷)

حضرت ڈاکٹر سیّد عبد السّتار شاہ صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک باخدا۔ ولی اللہ۔ کامل بزرگ۔ جو اپنی نیکی کی وجہ سے ایک ممتاز رنگ کے باندا انسان تھے۔ ان کو بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے خاندان میں شامل فرمایا۔ اور حضرت صاحبزادہ مبارک احمد صاحب سے نہایت چھوٹی عمر میں ان کی صاحبزادی حضرت سیّدہ مریم بیگم صاحبہ کا رشتہ کیا۔ اور صاحبزادہ مبارک احمد صاحب کی وفات کے بعد حضور نے اس خواہش کا اظہار فرمایا۔ کہ یہ رشتہ ہمارے ہی گھر میں رہنا چاہیئے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی نے حضور کی اس خواہش کے مطابق اسی جگہ اپنی تیسری شادی فرمائی اور خدا نے اس تعلق کو ہر طرح بابرکت فرمایا۔

(۱۸)

حضرت قاضی سیّد امیر حسین رضی صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ایک نہایت ہی پاکباز اور نیک دل۔ صاف گو۔ عالم باعمل بزرگ تھے۔ حدیث کا ذوق

تھا۔نہایت فدائیت کے ساتھ دریا پہ دُھونی رما کر بیٹھے اور وہیں فوت ہو گئے۔

اس طرح کی ایک طویل فہرست دینی چونکہ میرے احاطۂ امکان میں نہیں۔ کیونکہ یہ لوگ صدہا کی تعداد میں نہیں بلکہ ہزارہا کی تعداد میں ہیں۔جن کے اسماء سے حضرت کی کتابیں اخبارات الحکم و بدر بھرے پڑے ہیں۔ اور جو اس عاشقانہ زندگی کو ختم کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ مقبرہ کی زمین میں سوئے پڑے ہیں اور وہ بھی اب کئی سو تک پہنچ گئے ہیں۔اس لئے میں صرف چند اور اسماء کے ذکر پر ہی اکتفاء کرتا ہوں۔

(۱۹) حضرت حافظ روشن علی صاحب (۲۰) حضرت مولوی عبداللہ صاحب (۲۱) حضرت حافظ منشی نبی بخش صاحب (۲۲) حضرت صوفی مولا بخش صاحب لاہوری (۲۳) حضرت میاں چراغدین صاحب لاہوری (۲۴) حضرت میاں معراج الدین صاحب لاہوری (۲۵) حضرت حکیم محمد حسین صاحب قریشی لاہوری (۲۶) حضرت حافظ رحیم بخش صاحب (۲۷) حضرت سید ناصر شاہ صاحب۔ (۲۸) حضرت خلیفہ نور الدین صاحب جموئی (۲۹) حضرت مستری فیض احمد صاحب جموئی (۳۰) حضرت چوہدری نصر اللہ خاں صاحب سیالکوٹی (۳۱) حضرت حاجی عبد المجید صاحب لدھانوی (۳۲) حضرت شیخ نور احمد صاحب امرتسری (۳۳) حضرت بابو فیروز علی صاحب (۳۴) حضرت سیٹھی غلام نبی صاحب (۳۵) حضرت میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی۔(۳۶) حضرت میاں امام الدین صاحب سیکھوانی (۳۷) حضرت منشی امام الدین صاحب ساکن لوہ چپ (۳۸) حضرت چوہدری حاکم علی صاحب (۳۹) حضرت حافظ حامد علی صاحب (۴۰) حضرت ڈاکٹر محمد اسمٰعیل صاحب گوڑیانی (۴۱) حضرت شیخ نور احمد صاحب مختار (۴۲) حضرت حکیم محمد زمان صاحب (۴۳) حضرت میرزا محمد اسمٰعیل صاحب (۴۴) حضرت میرزا غلام اللہ صاحب۔ (۴۵) حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب فاضل (۴۶) حضرت حافظ نور احمد صاحب لدھانوی (۴۷) حضرت میر شفیع احمد صاحب دہلوی۔(۴۸) حضرت میر قاسم علی صاحب ایڈیٹر فاروق۔ (۴۹) حضرت محمد خاں صاحب گل منج (۵۰) حضرت میرزا دین محمد صاحب لنگروال۔

(۵۱) حضرت شیخ غلام حسین صاحب لدھانوی (۵۲) حضرت ماسٹر ہدایت اللہ صاحب گجرات۔
(۵۳) حضرت صوفی محمد علی صاحب لاہوری (۵۴) حضرت مولوی محمد علی صاحب بدوملہوی (۵۵)
حضرت مولوی غلام حسین صاحب ڈنگوی (۵۶) حضرت ماسٹر عبدالرؤف صاحب بھیروی۔
(۵۷) حضرت میاں نجم الدین صاحب بھیروی (۵۸) حضرت شیخ عبدالرحمٰن صاحب مسکین
فرید آبادی (۵۹) حضرت ماسٹر احمد حسین صاحب فرید آبادی (۶۰) حضرت مفتی فضل الرحمٰن صاحب۔
(۶۱) حضرت مولوی امام الدین صاحب گولیکی (۶۲) حضرت قاضی ضیاء الدین صاحب (۶۳)
حضرت مولوی فخرالدین صاحب پنشنر (۶۴) حضرت ماسٹر اللہ دتا صاحب پنشنر (۶۵) حضرت مرزا
ایوب بیگ صاحب (۶۶) حضرت سید خصیلت شاہ صاحب (۶۷) حضرت میرزا محمد یوسف
بیگ صاحب سامانوی (۶۸) حضرت منشی عبدالرحمٰن صاحب کپورتھلوی (۶۹) حضرت فیاض علی
صاحب (۷۰) حضرت میاں عبدالحق صاحب (۷۱) حضرت بابو کرم الٰہی صاحب (۷۲) حضرت
مولوی عبدالقادر صاحب جمالپوری (۷۳) حضرت محمد اکبر صاحب بٹالوی ٹھیکیدار (۷۴) حضرت
مہر حامد صاحب قادیان (۷۵) حضرت میاں جان محمد صاحب قادیان (۷۶) حضرت میر الٰہ بخش
صاحب کیروی (۷۷) حضرت محمد اکبر خاں صاحب سنوری (۷۸) حضرت حافظ قدرت اللہ
خانصاحب شاہجہانپوری (۷۹) حضرت شیخ غلام احمد صاحب واعظ (۸۰) حضرت سید
عزیزالرحمٰن صاحب بریلوی (۸۱) حضرت میر مہدی حسین صاحب موج (۸۲) حضرت صوفی
تصور حسین صاحب بریلوی (۸۳) حضرت سید عبدالستار شاہ عرف بزرگ صاحب (۸۴) حضرت
ملا محمد میرو صاحب (۸۵) حضرت عبدالغفار خاں صاحب افغان (۸۶) حضرت سید صاحب نور
صاحب مہاجر افغانی (۸۷) حضرت مولوی عبدالصمد صاحب پٹیالوی مبلغ (۸۸) حضرت حاجی
فضل حسین صاحب شاہجہانپوری (۸۹) حضرت میاں کریم بخش صاحب باورچی (۹۰) حضرت شیخ
مسیح اللہ صاحب شاہجہانپوری (۹۱) حضرت قاضی محمد یوسف صاحب ضلع حصار (۹۲)
حضرت میاں امام الدین صاحب عرف ماٹا (۹۳) حضرت سید محمد علی شاہ صاحب رئیس قادیان۔

(۹۴) حضرت حافظ احمد اللہ صاحب ناگپوری (۹۵) حضرت احمد جان صاحب پشاوری۔ (۹۶) حضرت منشی شادیخاں صاحب سیالکوٹی (۹۷) حضرت حافظ عبدالرحیم صاحب مالیر کوٹلوی (۹۸) حضرت حافظ معین الدین صاحب عرف حافظ مانا (۹۹) حضرت مولوی محمد الدین صاحب تاجر آرد (۱۰۰) حضرت مولوی عمر الدین صاحب والد غلام محمد صاحب اختر لاہور (۱۰۱) حضرت میاں محمد بخش صاحب والد مولوی محمد حسین صاحب مبلغ (۱۰۲) حضرت مستری قادر بخش صاحب (۱۰۳) حضرت بابو وزیر خاں صاحب (۱۰۴) منشی قاضی نور محمد صاحب (۱۰۵) میاں نظام الدین صاحب جہلمی (۱۰۶) محمد یحییٰ خانصاحب (۱۰۷) حضرت قاری غلام یٰسین صاحب (۱۰۸) حضرت قاری غلام محمد صاحب پنشنر (۱۰۹) حضرت مولوی حکیم عبید اللہ صاحب بسمل (۱۱۰) حضرت بابا رحیم بخش صاحب سنوری (۱۱۱) میاں مہر الدین صاحب ارائیں (۱۱۲) حافظ محی الدین صاحب بھیروی (۱۱۳) حضرت منشی نعمت اللہ خانصاحب انور بدایونی (۱۱۴) حضرت شیخ علی احمد صاحب ڈنگوی (۱۱۵) حضرت بابو نور الدین صاحب ڈرافٹسمین راولپنڈی (۱۱۶) حضرت بابو اللہ دتا خاں صاحب ہیڈ کلرک ریویو (۱۱۷) حضرت بابو محمد افضل صاحب ایڈیٹر بدر (۱۱۸) بابا اللہ رکھا شاہدرہ (۱۱۹) کرم داد صاحب جلد ساز (۱۲۰) حضرت منشی گلزار حسین صاحب کاتب (۱۲۱) حضرت مولوی غلام دین صاحب والد چودھری علی محمد صاحب (۱۲۲) حضرت منشی جھنڈے خاں صاحب بتے ہالوی۔ (۱۲۳) حضرت مولوی فتح الدین صاحب دھر مکوٹ بگہ۔ حضرت میاں رحمت اللہ صاحب باغانوالے بنگہ۔

یہ اور انکے ساتھ سینکڑوں راستباز قادیان کی سرزمین میں پروانہ وار آئے اور رہے اور اپنی زندگی تمام دنیاوی علائق سے توڑ کر یہاں ہی کیلئے بنالی۔ انہوں نے گھر بار۔ عزیز و اقارب۔ جائیداد۔ رشتہ دار۔ دوست سب کے سب خدا کی رضاء کیلئے چھوڑ دئے اور ایسے چھوڑے کہ پھر ان کا نام تک نہ لیا۔ اکثر اور بیشتر حصہ ان ناموں کا ہی جو یہاں ہجرت کرکے آئے اور اصحاب الصفہ میں سے قرار دئے گئے۔ لیکن چند نام ایسے بھی ہوں گے جو ہجرت کرکے تو نہیں آئے۔ مگر ان کا اخلاص موت کے بعد انکو یہاں لے آیا۔ اور اب وہ دائمی نیند میں حضرت مسیح موعود ؑ کے ساتھ مقبرہ بہشتی کی زمین میں آرام کر رہے ہیں۔ یہ سب لوگ صدق و وفا میں یکتا تھے۔ اور انکی زندگی میں کسی قسم کی تیرگی باقی نہ رہی تھی۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کے

کچھ موجودہ صحابہ کا تذکرہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کچھ موجودہ صحابہ کا تذکرہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے صحابہ کی نسبت فرماتے ہیں :۔

پر وہ سعید جو کہ نشانوں کو پاتے ہیں — وہ اُس سے مل کے دلکو اُسی سے ملاتے ہیں
وہ اُس کے ہو گئے ہیں اُسی سے وہ جیتے ہیں — ہر دم اُسی کے ہاتھ سے اک جام پیتے ہیں
جس مے کو پی لیا وہ اُسی مے سے مست ہیں — سب دشمن اُنکے۔ اُنکے مقابل پہ پست ہیں
کچھ ایسے مست ہیں وہ رُخِ خوب یار سے — ڈرتے کبھی نہیں ہیں وہ دشمن کے وار سے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابہ کی ایک وہ جماعت ہے۔ جس کا میں تذکرہ کر چکا ہوں ۔ وہ اپنی زندگی نہایت عشق و محبت سے گذار کر اپنے مولیٰ کے حضور چلے گئے۔ مگر ایک جماعت ایسی ہے جو اب تک ہم میں موجود ہے اور ہم ان کے وجود سے کئی قسم برکات حاصل کر رہے ہیں۔ اب میں ان میں سے کچھ صحابہ کا تذکرہ کروں گا :۔

(۱)

حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمدؓ صاحب ایم۔ اے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لختِ جگر۔ جن کو اللہ تعالےٰ نے قمر الانبیاء کا معزز اور مفتخر خطاب عطا فرمایا۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے لئے ہمہ تن فدا ہیں۔ دن اور رات

سلسلہ کی بھلائی کے لئے کوشاں ہیں۔ ان کی وجہ سے سلسلہ کے لٹریچر میں بہت بڑے قیمتی لٹریچر کا اضافہ ہوا۔ سلسلہ کے متعدد صیغہ جات میں اصلاحات رُو نما ہوئیں۔ مجسم حیا۔ مجسم تواضع اور نہایت معاملہ فہم اور نکتہ رس انسان ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے بہت بڑی بڑی دعائیں فرمائی ہیں۔ حضرت میاں صاحب ان دعاؤں کی برکات کو پانے والے بزرگ ہیں۔ ان کا مقام میرے نزدیک سلسلہ عالیہ احمدیہ میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے بعد بہت بڑا مقام ہے۔ وہ خود آیت اللہ ہیں۔ اور اُن نوروں کے حامل ہیں جن کی تخم ریزی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ذریعے ہوئی۔ ان کو حضرت امیر المومنین کے بعض سفروں میں آپ کی جگہ امیر ہونے کا فخر بھی حاصل ہوا۔

حضور کے سفر یورپ کے موقع پر حضور کے امیر کے نائب کے طور پر مقرر ہوئے تھے۔ نظارت علیا۔ نظارت امور عامہ و نظارت خارجہ تعلیم و تربیت۔ نظارت تالیف و تصنیف جیسے اہم ترین صیغہ جات کی نگرانی پر آپ مامور رہے۔ نیز سلسلہ کے لئے اہم ترین تصنیفات آپ کے قلم کی رہینِ منت ہیں۔

(۲)

حضرت مولوی شیر علی صاحب

مجسم نیکی۔ تقویٰ کی زندہ اور جیتی جاگتی تصویر۔ سابقون الاولون میں سے۔ نہایت کم گو۔ سادگی پسند۔ بلند اخلاق کے حامل۔ سارا وقت خدمت قرآن میں گزرتا ہے۔ آپ کی قلم کے ذریعے یورپ و امریکہ میں اور انگریزی دان طبقہ میں سلسلہ کا پیغام بکثرت پہنچا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے سفروں میں علی العموم آپ ہی امیر مقرر کئے جاتے ہیں۔ حضور نے سفر یورپ کو جاتے ہوئے جب آپکو امیر مقرر فرمایا۔ تو آپ کی

نسبت فرمایا:-

"مولوی شیر علی صاحب نہایت مخلص لوگوں میں سے ہیں۔ اور حیا والے آدمی ہیں انتظام کے لئے سختی کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔ مگر میں دیکھتا ہوں کہ وہ ان میں نہیں۔ باوجود اس کے میں سمجھتا ہوں۔ خلیفہ کی عدم موجودگی میں ایسے ہی آدمی کی ضرورت ہے کہ جو لوگوں کے دلوں کو رکھ سکے۔ خلیفہ بطور باپ کے ہوتا ہے۔ اور اگر ایک باپ مر جاتا ہے تو خدا تعالیٰ روحانی بچوں کو دوسرا باپ دیتا ہے۔ لیکن جب باپ ہو اور موجود نہ ہو۔ تو دل بہت نازک ہوتے ہیں۔ اس لئے نرم آدمی کی ہی ضرورت ہوتی ہے۔" (الفضل ۲۳ر جولائی ۱۹۲۴ء)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذات سے آپ کو ایک عشق ہے اور یہ وہ عشق ہے جو نور ایمان اور نور فراست سے لبریز ہے۔

(۳)

حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب

حضرت ام المومنین کے بھائی۔ خدا تعالیٰ نے آپ کو علم الابدان اور علم الادیان دونوں علموں سے حصہ وافر دیا ہے۔ انہیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ اور جس طرح انہوں نے دیکھا۔ اس طرح بہت کم لوگوں نے دیکھا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے متعلق ان کی روایات نہایت اعلیٰ اور نہایت عمدہ، اور بہت سے علوم اپنے اندر رکھتی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھی آپ سے بہت محبت تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے ان کی نسبت فرمایا:-

"ان کے دل میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی محبت بلکہ عشق خاص طور پر پایا جاتا ہے۔ اس محبت کی وجہ سے روحانیت کا ایک خاص رنگ ان میں پیدا

ہوگیا ہے - اس سے میں سمجھتا ہوں - ایسی ٹھوکر دل سے وہ جو دوسروں کو لگ جاتی ہیں یا لگ سکتی ہیں، خدا نے ان کو محفوظ کیا ہوا ہے - اور میں امید کرتا ہوں کہ اس تعلق کی وجہ سے جو برکات ان پر نازل ہوتی ہیں - ان کے اور جماعت کے لئے بہت مفید ثابت ہوں گی " (الفضل ۲۳ر جولائی ۱۹۲۴ء)

(۴)

حضرت نواب محمد علی خاں صاحب

ان کو سابقون الاولون میں سے ہونے کا فخر حاصل ہے - خدا تعالیٰ نے ان کو حجۃ اللہ کہہ کر پکارا بڑے لوگوں میں سے وہ سب سے پہلے بزرگ ہیں جنکو حق کی قبولیت کا شرف ملا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کو اپنی دامادی کا فخر بخشا سلسلہ کے لئے انہوں نے بڑی بڑی مالی قربانیاں کیں - مدرسہ تعلیم الاسلام کے ڈائرکٹر رہے - صدر انجمن احمدیہ کے سکرٹری مجلس معتمدین کے ممبر اور سلسلہ کے کاموں میں بیش از بیش حصہ لیتے رہے - حتیٰ کہ ارتداد ملکانہ کے زمانہ میں ہر قسم کے آرام اور راحت کو چھوڑ کر ملکانہ کے علاقہ میں جگہ بہ جگہ خدمت دین کر کے اُمراء کیلئے ایک مثال قائم کردی - حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے جب اخبار الفضل جاری کیا تو اس وقت بہت سی مالی مشکلات تھیں - حضرت امیر المومنین کا ہاتھ بٹانے والی جو ہستیاں تھیں - اُن میں سے ایک حضرت نواب صاحب کی ہستی تھی - چنانچہ حضرت امیر المومنین فرماتے ہیں :-

"تیسرے شخص جن کے دل میں اللہ تعالےٰ نے تحریک کی - وہ مکرمی خان محمد علی خان صاحب ہیں - آپ نے کچھ روپیہ نقد اور کچھ زمین اس کام کے لئے دی - جس وہ بھی اس رَو کے پیدا کرنے میں جو اللہ تعالیٰ نے الفضل

کے ذریعے جلائی حصہ دار ہیں۔ اور سابقون الاوّلون میں سے ہونے کے سبب سے اس امر کے اہل ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ان سے اس قسم کے کام لے۔ اللہ تعالیٰ انکو ہر قسم کے مصائب سے محفوظ و مامون رکھ کر اپنے فضل کے دروازے اُنپر کھولے"

(الفضل ۱۴ جولائی ۱۹۲۴ء)

حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی نسبت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتاب ازالہ اوہام میں حسب ذیل تحریر رقم فرمائی۔ فرمایا:۔

"حبی فی اللہ نواب محمد علی خان صاحب رئیس خاندان ریاست مالیر کوٹلہ"

یہ نواب صاحب ایک معزز خاندان کے نامی رئیس ہیں۔ مورثِ اعلیٰ نواب صاحب موصوف شیخ صدر جہان ایک باخدا بزرگ تھے۔ جو اصل باشندہ جلال آباد۔ مروانی قوم کے پٹھان تھے۔ ۱۴۶۹ء میں عہد سلطنت بہلول لودھی میں اپنے وطن سے اس ملک میں آئے۔ شاہ وقت کا ان پر اس قدر اعتقاد ہو گیا۔ کہ اپنی بیٹی کا نکاح شیخ موصوف سے کر دیا۔ اور چند گاؤں جہیز میں دیدئے۔ چنانچہ ایک گاؤں کی جگہ میں یہ قصبہ شیخ صاحب نے جس کا نام مالیر ہے۔ شیخ صاحب کے پوتے بایزید خاں نامی نے مالیر کے متصل قصبہ کوٹلہ کو تقریباً ۱۵۷۳ء میں آباد کیا۔ جس کے نام سے اب یہ ریاست مشہور ہے۔ بایزید خان کے پانچ بیٹوں میں سے ایک کا نام فیروز خان تھا۔ اور فیروز خان کے بیٹے کا نام شیر محمد خان اور شیر محمد خان کے بیٹے کا نام جمال خان تھا۔ جس کی نسل باقی رہی۔ یعنی بہادر خاں اور عطاء اللہ خاں۔ بہادر خان کی نسل میں سے یہ جوان صالح خلف رشید نواب غلام محمد خان صاحب مرحوم ہے۔ جس کا نام عنوان میں ہم نے لکھا ہے۔ خدا اس کو ایمانی امور میں بہادر کرے اور اپنے جد شیخ بزرگوار صدر جہان کے رنگ میں لاوے۔ سردار محمد علی خاں صاحب نے گورنمنٹ برطانیہ کی توجہ

اور مہربانی سے ایک شائستگی بخش تعلیم پائی۔ جس کا اثر دماغی اور دلی قوی پر نمایاں ہے ان کی خداداد فطرت بہت سلیم اور معتدل ہے۔ اور باوجود عین شباب کے کسی قسم کی حدت اور تندی اور جذبات نفسانی ان کے نزدیک آئی معلوم نہیں ہوتی۔ میں قادیان میں جبکہ وہ ملنے کے لئے آئے اور کئی دن رہے پوشیدہ نظر سے دیکھتا رہا ہوں۔ کہ التزام ادائے نماز میں ان کو خوب اہتمام ہے۔ اور صلحاء کی طرح توجہ اور شوق سے نماز پڑھتے ہیں۔ اور منکرات اور مکروہات سے بکلی مجتنب ہیں۔ مجھے ایسے شخص کی خوش قسمتی پر رشک ہے جس کا ایسا صالح بیٹا ہو۔ کہ باوجود بہم پہنچنے تمام اسباب اور وسائل غفلت اور عیاشی کے اپنے عنفوان جوانی میں ایسا پرہیزگار ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے بتوفیقہ تعالیٰ خود اپنی اصلاح پر آپ زور دے کر رئیسوں کے طریقوں اور چلنوں سے نفرت پیدا کرلی ہے۔ اور نہ صرف اسی قدر بلکہ جو کچھ ناجائز خیالات اور اوہام اور بے اصل بدعات شیعہ مذہب میں پائی گئی ہیں۔ اور جس قدر تہذیب اور صلاحیت اور پاک باطنی کے مخالف ان کا عمل درآمد ہے۔ ان سب باتوں سے بھی اپنے نور قلب سے فیصلہ کرکے انہوں نے علیحدگی اختیار کرلی ہے۔"

(۵)

حضرت مفتی محمد صادق صاحب

انگریزی۔ عربی۔ عبرانی وغیرہ زبانوں کے عالم ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بہت پیارے تھے۔ ایک زمانہ میں جبکہ مفتی صاحب لاہور میں مقیم تھے۔ حضرت اقدس لاہور تشریف لے گئے تو مفتی صاحب بیمار تھے۔ حضرت اقدس خود ان کے مکان پر عیادت کیلئے تشریف لے گئے۔ مدرسہ تعلیم الاسلام کے ہیڈ ماسٹر بھی رہے ہیں۔ بدر کے ایڈیٹر بھی۔

ناظر امور عامہ اور خارجہ بھی رہے ہیں۔ صدر انجمن احمدیہ کے سکرٹری بھی رہے ہیں۔ امریکہ کے مشنری بھی رہے ہیں۔ نہایت فصیح اللسان لیکچرار ہیں۔ بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں۔ جماعت میں ہر دلعزیز اور محبوب ہیں۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے پرائیویٹ سکرٹری بھی رہے۔ سابقون الاولون میں سے ہیں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ان کی نسبت یوں فرمایا۔

"مفتی محمد صادق صاحب بھی پرانے مخلصین میں سے ہیں۔ اور سلسلہ کی خدمات میں انہوں نے بہت حصہ لیا ہے۔ حضرت مسیح موعود کو ان سے خصوصیت سے محبت تھی۔ وہ حضرت مسیح موعود کے ایسے خدام میں سے تھے جو ناز بھی کر لیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں بھی خدا تعالیٰ نے ان کو تبلیغ کی خدمتوں کا موقع دیا ہے۔" (الفضل ۲۲ جولائی ۳۲ء)

(۶)

حضرت میر محمد اسحاق صاحب

بڑے عالم۔ بڑے فاضل۔ بہترین لیکچرار۔ معاملہ فہم۔ انتظامی امور میں غیر معمولی قابلیت کے مالک۔ حدیث کا بڑا شغف۔ ہماری جماعت کے شیخ الحدیث ہیں۔ خلافت اولیٰ میں بعض دبے ہوئے فتنے آپ کی وجہ سے باہر نکلے۔ اور پاش پاش ہوئے۔ زندہ دل۔ اور حاضر جواب۔ جماعت احمدیہ کے چوٹی کے علماء میں سے ایک۔ صدر انجمن احمدیہ کے سکرٹری رہ چکے۔ مجلس معتمدین کے ممبر۔ نظارت ضیافت کے ناظر۔ جامعہ احمدیہ میں پروفیسر بھی رہ چکے۔ اب مدرسہ احمدیہ کے ہیڈ ماسٹر ہیں۔ دارالشیوخ کا صیغہ آپ کی توجہ کا رہین منت ہے۔ یتیموں۔ بیکسوں۔ بیواؤں اور پریشان حال لوگوں کا خاص خیال رکھنے والے بزرگ ہیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے۔ کہ حضرت ام المومنین کے بھائی ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو آپ کے ساتھ ویسا ہی انس و پیار تھا۔ جیسے اپنے بچوں سے۔ چنانچہ حضرت امیر المومنین

ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ان کی نسبت فرماتے ہیں :-

"میر محمد اسحاق صاحب نے تو حضرت مسیح موعود کے سایہ میں عمر بسر کی ہے۔ انکی حالت ایسی ہی تھی جیسے مسیح موعود کے باقی بچوں کی۔ وہ ہماری طرح ہی مسیح موعود کے گھر میں رہے۔ باتیں سنتے رہے اور حالات کا مطالعہ کرتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ذہن رسا بھی دیا ہے۔ سلسلہ کے کاموں کے متعلق ان میں غیرت بھی ہے اللہ تعالےٰ سے امید ہے کہ ان کو توفیق دے گا کہ سلسلہ کیلئے مفید ہو سکیں"!

(الفضل ۲۲ جولائی ۱۹۲۴ء)

(۷)

حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی

سلسلہ کے بہت پرانے خادم۔ بالکل غنفوان شباب میں لودھیانہ کے مقام پر بیعت اولیٰ کے دنوں میں بیعت کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ سلسلہ کا سب سے پہلا اخبار ۱۸۹۷ء میں امرتسر کے مقام سے جاری کیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ کسی کو اس طرف خیال بھی نہ تھا سلسلہ کے بہت بڑے ریکارڈ۔ بہت بڑی تاریخ کو الحکم کے ذریعے آپ نے محفوظ کیا۔ حضرت اقدس کے ملفوظات وخطبات اور وحی کے محفوظ اور جمع اور شائع کرنے کا فخر آپ کو حاصل ہوا۔ حضور کے اکثر سفروں میں ساتھ رہے۔ اور بہت سے معاملات جو میرزا نظام الدین صاحب و میرزا امام الدین صاحب سے طے کرنے کے قابل ہوتے تھے آپ کے ذریعے طے ہوتے رہے۔ مدرسہ تعلیم الاسلام کے پہلے ہیڈ ماسٹر مقرر ہوئے۔ سلسلہ کی انجمنوں کے سلسلہ میں سب سے پہلی انجمن کی بنیاد آپ نے امرت سر میں "انجمن فرقانیہ" کے نام سے رکھی۔ عورتوں کے مدرسہ کی بنیاد سب سے پہلے آپ نے رکھی۔ ایک سال تک یہ مدرسہ

اپنے خرچ سے چلایا۔ اور اپنا مکان مدت تک مدرسہ کو مفت دئیے رکھا۔ سب سے پہلے تفسیر القرآن کا کام جماعت میں آپ نے شروع کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ڈائری نویسی کا کام بھی سب سے پہلے آپ نے شروع کیا۔ صدر انجمن کے اسسٹنٹ سکرٹری بھی رہے۔ صدقات کمیٹی کے سکرٹری رہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپکے سپرد حضرت امیر المومنین کی بچپن میں تعلیم کی خدمت بھی سپرد فرمائی تھی اور کچھ عرصہ آپکو پڑھانے کا شرف بھی حاصل کیا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحفہ ندوہ بھیجنے کیلئے اپنے جن مرسلوں کا ذکر فرمایا ہے اُن میں سے ایک آپ ہیں۔

اعجاز احمدی کو مولوی ثناء اللہ کے پاس لے کر جو وفد جانے والا تھا۔ اس کے ایک رُکن آپ ہیں۔

مدرسہ تعلیم الاسلام کے لئے اراضیات کی خرید آپ کے توسط سے ہوئی۔ اس سلسلہ میں پانچ گھماؤں اراضی میرزا فضل بیگ صاحب نے آپ کو دینی چاہی۔ مگر آپ نے انکو کہا کہ مجھے نہیں بلکہ یہ زمین بھی انجمن کو ہبہ کر دیں۔ چنانچہ یہ زمین جو اس وقت کے لحاظ سے پچیس تیس ہزار روپیہ کی ہے انجمن کو ہبہ کرا دی۔

ایک عرصہ دراز تک تمام مقامی امور آپ کے ذریعہ سے طے ہُوا کرتے تھے اور خدا تعالےٰ کے فضل سے کبھی کسی کام میں ان کو ناکامی نہیں ہوئی۔ اور اس سلسلہ میں بعض بعض بڑے کام بھی سر انجام ہوئے۔ مثلاً جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب جب ٹرکی سے سیاسی نظر بند کی حیثیت سے لائے گئے۔ حکومت کو ان کی نسبت بڑی غلط فہمی تھی۔ حضرت امیر المومنین نے حضرت والد صاحب اور حضرت مولوی شیر علی صاحب کو مقرر فرمایا کہ ان کو لے کر آئیں۔ اور حکم دیا کہ لائے بغیر آنا نہیں چنانچہ خدا تعالےٰ نے اس امر میں کامیاب فرمایا۔ اور جناب شاہ صاحب کو وہ اپنے ساتھ لیکر آئے۔

اسی طرح مولوی غلام رسول صاحب وزیرآبادی کو حکومت نے ۱۹۱۹ء کے مارشل لاء میں ایک تقریر کی بناء پر جو دراصل حکومت کی تائید میں تھی، مگر رپورٹروں کی غلطی سے گرفتار کر لیا۔ بہت کوشش کی گئی۔ مگر ان کو رہائی نہ ہوئی۔ تب حضرت امیرالمومنین نے ان کو حکم دیا۔ آپ گئے اور فوراً رہائی کا حکم لے لیا۔ اور جلد حافظ صاحب رہا ہو کر آ گئے۔

۱۹۱۹ء میں حضرت اقدس نے ان کو افغانوں کی ایک جماعت کا امیر بنا کر بھیجا۔ اور فرمایا **ان کا حکم میرا حکم ہوگا**۔ اس مشن میں بھی آپ کو کامیابی ہوئی تھی۔

مقدمات کے سلسلہ میں مولوی کرم دین ساکن بھیں کو آپ کے مقدمہ میں سزا ہوئی تھی جس سے وہ بری نہ ہو سکا۔ ان مقدمات کے سلسلہ میں حضرت کو الہام ہوا تھا۔ **ان اللہ مع الذین اتقوا وھم محسنون**۔ اس الہام میں حضرت والد صاحب شامل تھے اور یہ آسمانی شہادت اُن کے متقی اور محسن ہونیکی نازل ہوئی تھی۔

الغرض

ان کو سلسلہ کی صدہا قسم کی خدمات سرانجام دینے کے مواقع میسر آئے۔ جنکی تفصیل یہاں میں نہیں آسکتی۔ وہ سلسلہ کے **مؤرخ** بھی ہیں۔ انہوں نے حضرت مسیح موعودؑ کی سیرت اور سوانح پر بہت کچھ لکھا ہے۔ اور لکھ رہے ہیں۔ الحکم کے ذریعے ان کو بڑی خدمت کا موقع ملا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی خدمات کی بناء پر جو الحکم کے ذریعہ سے ہوئیں **الحکم کو اپنا ایک بازو قرار دیا تھا**۔

اللہ تعالےٰ نے ان کی ان خدمات کی وجہ سے اس قدر نوازا۔ کہ ایک وقت میں سلطنت آصفیہ کی ایک شہزادی لیڈی وقار الامراء بہادر نے ساڑھے بائیس سو روپیہ ماہوار پر ان کی خدمات کو حاصل کیا۔ اس طرح ان کو سلسلہ کے لئے مالی قربانیاں کرنے کا موقع بھی میسر آیا۔

۱۹۲۴ء میں حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ بنصرہ العزیز سفر یورپ میں اپنے ہمراہ لے کر گئے۔ افتتاح مسجد لنڈن کے موقع پر بھی آپ وہیں موجود تھے۔ یہ مختصر خلاصہ ہے اُن کاموں کا جو آپ کو کرنے کی توفیق ملی۔ اللہ تعالےٰ سے دعا ہے۔ کہ وہ ان کی عمر اور صحت میں بڑی برکت رکھ دے۔ اور جو کام نامکمل ہیں انکو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

اُن کی سیرت کا خلاصہ یہ ہے

مفلسی میں مستغنی۔ اور حالتِ غناء میں درویش۔ جو کچھ خدمت کی اسے فضل ربی جانا۔ اور اس پر کوئی فخر نہیں۔ اور ان کا سب سے بڑا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ اُن کی خاندان حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے محبت کو دیکھ کر اہل پیغام نے سلسلہ میں رفض کی بنیاد رکھنے والا قرار دیا۔ اور ان کا مذہب یہ ہے جو انہوں نے بارہا بطور وصیت مجھے بتلایا۔ کہ اختلافات میں اس اصل کو پکڑے رکھنا۔ جدھر اہل بیت ہوں اسی طرف تم ہونا۔ کیونکہ خدا نے ان کو اپنی معیت کا وعدہ دے رکھا ہے جیسے فرمایا انی معك و مع اهلك۔

سلسلہ کی تاریخ میں ان کا ذکر متعدد جگہ آئے گا۔ اس لئے میں بھی چند سطریں زیادہ لکھنے پر مجبور ہوا ہوں ؛

(۸)

حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب

سلسلہ عالیہ احمدیہ میں ۱۸۹۳ء میں داخل ہوئے۔ اس وقت سلسلہ میں سب سے بڑے عالم ہیں۔ مباحثہ مُد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی طرف سے آپ بھیجے گئے تھے۔ اور حضرت اقدس نے عربی قصیدہ میں ان کی تعریف بھی فرمائی ہے۔ ایک

تفسیر القرآن آپ نے لکھنی شروع کی تھی۔ جو بہت مفصل تھی۔ چھ پاروں کی تفسیر لکھی اور طبع ہوئی۔ اس کا نام تفسیر سروری ہے۔ سلسلہ کے بیشتر علماء حضرت مولوی صاحب کے شاگرد ہیں۔ اور اس طرح اُن کے ذریعہ سے بہت بڑا علمی فیض لوگوں تک پہنچا۔ جامعہ احمدیہ کے پرنسپل رہے ہیں۔ اور اب بھی مجاہدین تحریک جدید کے استاد ہیں۔ حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ان کی نسبت فرمایا:-

"مولوی سید سرور شاہ صاحب علماء جماعت احمدیہ میں سے سب سے بڑے عالم ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں بہت مخلص آدمی ہیں۔" (الفضل ۲۲ جولائی ۲۴ء)

حضرت مولوی صاحب موصوف کو حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز اور آپکے بھائیوں کی بھی علمی خدمت کا شرف حاصل ہے۔

حضرت امیر المؤمنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے بعض سفروں میں آپکو امیر جماعت احمدیہ قادیان بننے کا شرف بھی حاصل ہوا ہے۔

(۹)

حضرت پیر افتخار احمد صاحب

عام طور پر لوگ ان کو نہیں جانتے۔ وہ ایک گوشہ نشین بزرگ ہیں۔ اور انتہا درجے کی سادہ زندگی بسر کرنے والے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کے متعلق ازالہ اوہام کے صفحہ ۲۱۲ پر تحریر فرمایا ہے:-

"یہ جوان صالح میرے مخلص اور محب صادق حاجی حرمین شریفین منشی احمد جان صاحب مرحوم و مغفور کے خلف الرشید ہیں اور بمقتضائے الولد سرٌ لابیہ تمام محاسن اپنے والد بزرگوار کے اپنے اندر جمع رکھتے ہیں۔ اور وہ مادہ ان میں پایا جاتا ہے جو ترقی کرتا کرتا فانیوں

کی جماعت میں انسان کو داخل کر دیتا ہے - خدا تعالیٰ روحانی غذاؤں سے ان کو حصہ وافر بخشے - اور اپنے عاشقانہ ذوق و شوق سے سرمست کرے - آمین ثم آمین ؟

پھر سنہ ۹۳ء میں حضرت صوفی احمد جان صاحب کے متعلق لکھتے ہوئے تحریر فرمایا :-

"آپ کا صاحبزادہ کلاں حاجی افتخار احمد صاحب آپ کے قدم پر اس عاجز سے کمال درجہ کا اخلاص رکھتے ہیں - اور آثار رشد و صلاح و تقویٰ ان کے چہرہ پر ظاہر ہیں - وہ باوجود متوکلانہ گذارہ کے اول درجہ کی خدمت کرتے رہیا اور دل و جان کے ساتھ اس راہ میں حاضر ہیں - خدا تعالےٰ ان کو ظاہری اور باطنی برکتوں سے متمتع کرے"

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان تحریروں کے لکھ دینے کے بعد مجھے ان کے متعلق کوئی مزید بات لکھنے کی حاجت نہیں رہتی - البتہ اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے - کہ پیر صاحب موصوف حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی ڈاک کی خدمت اپنی عمر کے بہت بڑے حصے میں بجالاتے رہے - اور اسی سے ریٹائر ہوئے ؟

(۱۰)

حضرت پیر منظور محمدؐ صاحب

حضرت پیر منظور محمد صاحب بھی ایک بڑے باخدا بزرگ ہیں - اور حضرت صوفی احمد جان صاحب رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دوسرے صاحبزادے ہیں - پیر صاحب موصوف کا ذکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعض الہامات میں بھی آیا ہے - حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے ایک بیٹے کی پیشگوئی کو پیر صاحب کے گھر میں کسی لڑکے کے

پیدا ہو کر پورا ہونے کا خیال فرمایا تھا۔ مگر بعد میں ہونے والے واقعات نے بتلا
دیا۔ کہ اس سے مراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود ہی ہیں۔ اور حضور خود ہی منظورِ محمد ہیں۔

پیر صاحب کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ذریت طیبہ کو قرآن کریم پڑھانے
کا شرف حاصل ہے۔ آپ نے یسرنا القرآن کا سہل اور آسان قاعدہ
ایجاد کر کے ہندوستان کے ملک پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ اس قاعدہ کے ذریعہ
بچے چھ ماہ کے قلیل عرصہ میں قرآن کریم باسانی پڑھ سکتے ہیں۔ اور اس طریق سے
ہزار ہا نہیں بلکہ لاکھوں ان پڑھ لوگوں کو ہندوستان کے طول و عرض میں قرآن کریم
پڑھنے کا موقع میسر آگیا۔ پیر صاحب موصوف ایک لمبے عرصہ سے بوجہ مرض گٹھیا چلنے
پھرنے سے معذور ہیں۔ مگر اس کے باوجود وُہ خدمت قرآن کریم میں شب و روز سرگرم ہیں۔

خلافت ثانیہ کے قیام کے وقت انہوں نے مصلح موعود۔ پسر موعود اور
خلافت ثانیہ کے متعلق نہایت اہم مضامین تشحیذ الاذہان رسالہ میں لکھے۔ جو ان
مباحث میں ایک بنیادی تحقیقات کا کام دے رہے ہیں۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء

پیر صاحب موصوف نے مجھ خاکسار کو بھی ساڑھے چار سال کی عمر میں قرآن کریم
کی دولت سے مالا مال کر دیا تھا۔ مجھے یاد ہے کہ حضرت پیر صاحب نے میری تعلیم کیلئے
گتے کے ٹکٹ بنائے تھے۔ جن پر اپنے دستِ مبارک سے حروف ہجا لکھ دیئے تھے
اور پہلے ایک ایک حرف یاد کراتے پھر ان حرفوں کو بہت سے حرفوں میں ملا دیتے۔ اور
فرماتے کہ فلاں حرف تلاش کرو۔ اس طرح نہایت آسانی سے انہوں نے میری حروف
شناسی کرا دی تھی۔

میری دعا ہے کہ اللہ تعالےٰ ان کی عمر میں برکت دے اور اپنی برکات
کا وارث بنائے۔ آمین ؎

(۱۱)

جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل

قاضی صاحب بہت پُرانے بزرگ ہیں سلسلہ کی خدمت کے ان کو بہت سے موقع میسر آئے ہیں۔ انہوں نے اپنی قلم اور اپنے شعر سے بڑی خدمت کی ہے۔ متعدد کتابیں تصنیف کیں۔ عمر کا بڑا حصہ قلمی جہاد میں صرف کیا۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز ان کی نسبت فرماتے ہیں:۔

"قاضی اکمل صاحب بھی نہایت مخلص لوگوں میں سے ہیں۔ اور میں سمجھتا ہوں کام کے لحاظ سے بہتوں سے زیادہ قابلیت رکھتے ہیں۔ اور باوجود بیمار رہنے کے زیادہ کام کر سکتے ہیں۔ اور جلدی کر سکتے ہیں۔ اس لحاظ سے سلسلہ کی بہت سی خدمات کا انہیں ایسا موقع مل جاتا ہے۔ جو اوروں کو حاصل نہیں ہوتا۔ اور یہ قابل قدر بات ہے" (الفضل ۲۲ جولائی ۲۴ء)

اسی طرح دوسری جگہ حضور نے فرمایا ہے:۔

الفضل کی اشاعت کا ایک خاص معاون

"جب الفضل نکلا ہے اس وقت ایک شخص جس نے اس اخبار کی اشاعت میں شاید مجھ سے بھی بڑھ کر حصہ لیا۔ وہ قاضی ظہور الدین صاحب اکمل ہیں اصل میں سارے کام وہی کرتے تھے۔ اگر اُن کی مدد نہ ہوتی۔ تو مجھ سے اخبار چلانا مشکل ہوتا۔ رات دن انہوں نے ایک کر دیا تھا"

(الفضل ۴ جولائی ۲۴ء)

ان دو گراں قدر سارٹیفکیٹوں کے بعد قاضی صاحب کی ذات کی نسبت کوئی اور کیا لکھ سکتا ہے۔ اس لئے اسی پر اکتفا کرتا ہوں ؛

(۱۲)

حضرت سیٹھ ابوبکر یوسف صاحب

حضرت سیٹھ صاحب کو سلسلہ کی مالی خدمت کرنے کا بہت بڑا موقع خدا نے دیا۔ ایک دفعہ خلافت میں ۱۷ ہزار روپیہ کی رقم یکمشت پیش کرنے کا خدا نے موقع دیا۔ ان کو بعض بہت بڑے ابتلاء آئے۔ مگر سب میں ثابت قدم رہے۔ امور دین کے لئے ان کی طبیعت میں بڑی غیرت ہے۔ اور سختی بھی۔

(۱۳)

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی

آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عشق شدید ہے۔ آپ کا نام آپ کی غذا اور دوا ہے۔ ۱۸۹۳ء میں آپ ہندوؤں میں سے اسلام قبول کر کے قادیان آئے اس سلسلہ میں آپ کے والد صاحب نے اور رشتہ داروں نے آپ کو طرح طرح کے دکھ اور عذاب دئے۔ مگر یہ سب نہایت محبت اور شوق سے برداشت کرتے رہے۔ قادیان میں جب وہ رہتے تھے تو ان کے والد صاحب لینے کے لئے آئے۔ یہ جانا نہیں چاہتے تھے۔ مگر حضرت نے جانے کا حکم دے دیا۔ اور فرمایا کہ "ہمارا ہے تو آجائیگا"۔ ان الفاظ میں ایک ایسا جادو تھا۔ کہ کئی سال کی اشد ترین پابندیوں کے باوجود جس وقت موقعہ میسر آیا، سب بندھن توڑ کر حضرت بھائی جی قادیان پہنچ گئے۔ سلسلہ کے لئے ان کو بڑی غیرت ہے باوجود ۷۰ سال کے قریب عمر ہونے کے اپنی قوت ایمانی کی وجہ سے بالکل نوجوان ہیں۔ اور نوجوانوں سے بڑھ کر کام کرنے کو تیار ہیں۔ سلسلہ میں ان کو کبھی اور کسی مرحلہ پر ٹھوکر نہیں لگی۔ وہ ہمیشہ مضبوط چٹان کی طرح کھڑے رہے اور غیر متزلزل رہے۔ گویا کہ وہ

ایک پہاڑ ہیں۔ ان کے اسلام قبول کرنے کے مفصل حالات الحکم کے دو نمبروں میں چھپے ہوئے ہیں۔ ان کی تحریر کا دائرہ ہمیشہ حضرت مسیح موعودؑ کے گرد گھومتا ہے۔ اور ان کی تحریر میں عشق کا رنگ غالب رہتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاندان کے ایک ایک بچے سے محبت ہے اور وہ ان سب پر پروانہ وار فدا ہیں۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ان کو اپنے سفر یورپ میں ساتھ لے کر گئے تھے بسلسلہ کے کئی اخبارات اور رسالوں کے وہ پرنٹر اور پبلشر ہیں۔ ان کو مسیح سے بڑا پیار ہے۔ انہوں نے اسلام کو سچائی جان کر قبول کیا۔ اور اس پر اپنی جان و دل سے فدا ہیں۔

۱۴

حضرت بھائی عبد الرحیم صاحب

۱۸۹۴ء میں سکھوں سے اسلام میں آئے۔ مگر اسلام اُن کی غذائے روح بن گیا عارف باللہ اور ایک باخدا انسان ہیں طبیب بھی ہیں عالم بھی ہیں صوفی بھی ہیں الذکر نامی کتاب اسماء الٰہی پر انہوں نے لکھی تھی۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صفات الٰہیہ پر غور اور ذکر الٰہی کا تکرار ان کی بہت بڑی دلچسپی ہے۔ ان کا وجود بھی ایسا وجود ہے۔ کہ کبھی بھی ان کے لئے کوئی بات ٹھوکر کا پتھر ثابت نہیں ہوئی۔ اسلام کو سمجھا اور خوب سمجھا۔ اطمینان قلب حاصل ہوا اور خوب حاصل ہوا۔ صاحب کشف والہام بزرگ ہیں۔ حقانیت اسلام ان کی روح کی گہرائیوں میں داخل ہو چکی ہے۔

(۱۵)

جناب شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی

۹۴ء میں قادیان میں آئے۔ ایسے آئے کہ اٹھنے کا نام نہ لیا۔ درویش صفت

انسان ہیں۔ بڑی دعائیں کرنے والے۔ ان کی دعائیں قبول بھی ہوتی ہیں۔ خدا تعالیٰ نے
قبل از وقت اطلاع بھی دے دیتا ہے۔ چنانچہ خلافت اولیٰ میں ہی ان کو حضرت امیر المومنین
ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے متعلق اللہ تعالیٰ نے علم دے دیا تھا۔ اور انہوں نے اس
علم کے بعد اسی وقت اپنا ہاتھ حضرت کے ہاتھ میں دے دیا۔ اس لئے کہ معلوم نہیں کہ
میں زندہ رہوں یا نہ رہوں۔ میں خدا تعالیٰ کے دئے ہوئے علم کے مطابق اول المومنین
میں سے ہو جاؤں۔

قبولیت احمدیت ان کو پیر سراج الحق صاحب سرساوی کے ذریعے سے ہوئی
اور اس کا بھی عجیب واقعہ ہے جب آپ کو حضرت کے دعوے کا علم ہوا۔ تو آپ نے
حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے معجزات یا دعوے کے دلائل نہیں پوچھے بلکہ یہ پوچھا
کہ آپ کے اخلاق کیسے ہیں؟ اور جب حضور کے حسن اخلاق کا ذکر سنا۔ تو آپ بیر
ایمان لے آئے۔ ایک دفعہ قادیان آئے اور پھر کبھی نہ گئے۔ جب پیر صاحب ہجرت کر کے
آنے لگے۔ تو شیخ صاحب کو وہاں ہی چھوڑ آئے۔ اس خیال سے کہ وہ اپنے باپ کے
اکلوتے تھے مبادا اُن کے باپ کو صدمہ ہو۔ مگر جب شیخ صاحب کو پتہ لگا تو گھر سے
ایک چادر لے کر نکل آئے اور اسٹیشن پر پیر جی کو آملے۔ اس کے بعد پھر قادیان
سے نہیں گئے۔

کسی کے سامنے دست سوال پھیلانا ان کی فطرت ہی میں نہیں۔ سخت
غیور اور سخت وفادار اور کبھی کسی شخصیت سے مرعوب نہ ہونے والے بزرگ ہیں
کبھی اور کسی قسم کا ابتلا ان کو نہیں آیا۔ مضبوط ایمان اور عقیدے کے انسان ہیں

(۱۶)

حافظ نور محمد صاحب ساکن فیض اللہ چک

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں بہت ابتدائی زمانے سے آنیوالے بزرگ ہیں۔ درویش صفت - باخدا اور متدین بزرگ ہیں - بڑے جوان ہمت ہیں۔ باوجود اس کے کہ عمر ۸۰ سال سے متجاوز ہے - مگر اب تک قادیان بڑی آسانی سے آتے اور جاتے ہیں۔ قرآن شریف پڑھنے اور پڑھانے کا بڑا شغف ہے۔

عام احباب کو یہ معلوم نہیں۔ کہ ایسے ایسے بزرگ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ساتھ رہنے والے لوگ اب تک ہم میں موجود ہیں اور ہم ان کی برکات سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ حافظ صاحب موصوف کے ساتھی سب صدق و وفا سے زندگی گذار کر آگے جا چکے ہیں۔ اللہ تعالےٰ آپ کی زندگی میں برکت دے۔

شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر مدیر معاون الفضل آپ کے ہی صاحبزادے ہیں :۔

(۱۷)

جناب ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب نو مُسلم

سکھوں میں سے اسلام میں آئے تبلیغ کا ان کو بڑا جوش ہے۔ سکھ قوم میں تبلیغ کی غرض سے انہوں نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ان کی نسبت تحریر فرمایا ہے :۔

"ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب کار آمد کارکن ہیں۔ تبلیغ کا انہیں ایسا جوش ہے۔ کہ بعض لوگوں کی نظروں میں جنون کی حد تک پہنچا ہوا ہے۔ ایسے آدمی سُست لوگوں کو ہوشیار کرنے کے لئے بہت مفید کام کرتے ہیں۔

(۱۸)

جناب سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر "نور"

سکھوں میں سے اسلام میں آئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں میں سکھ مذہب کے متعلق جو بحثیں ہیں، ان میں آپ کو بھی حوالے وغیرہ نکالنے کی عزت حاصل ہوئی۔ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ قرآن شریف کے گورمکھی اور ہندی میں ترجمہ کرنے کا ان کو فخر حاصل ہے۔ اور اسی طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بھی گورمکھی اور ہندی میں ترجمہ کرنے کا ان کو فخر ملا۔ اب وہ احادیث نبوی کا ترجمہ کر رہے ہیں۔

وہ ایک قابل لیکچرار اور مناظر بھی ہیں۔ آریوں اور سکھوں سے بارہا ان کے کامیاب مناظرے ہوئے۔ اور اپنے ٹور کے ذریعے سکھوں اور آریوں میں مستقل طور پر تبلیغ اسلام کا کام ایک لمبے عرصہ سے کرتے چلے آرہے ہیں۔ غرض اس طرح ان کو خدمت اسلام کا بہت بڑا موقعہ میسر آیا۔

(۱۹)

جناب مولوی عبد الرحیم صاحب نیرؔ

حضرت مسیح موعود کا ذکر جب کرتے ہیں، آنکھیں آنسوؤں سے لبریز ہو جاتی ہیں۔ رقت طاری ہو جاتی ہے۔ اور بات گلوگیر ہو جاتی ہے۔ سلسلہ کی خدمات کے بڑے مواقع ان کو ملے۔ لینٹرن کے ذریعے سب سے پہلے سلسلہ کا پیغام انہوں نے ہی دنیا کو پہنچایا۔ لنڈن اور افریقہ میں تبلیغ کے بڑے مواقع میسر آئے۔ افریقہ میں ہزارہا آدمی انکے ذریعے سلسلہ میں داخل ہوئے۔ بادشاہوں کو پیغام پہنچانے کا شرف حاصل ہوا۔ حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز جب لنڈن تشریف لے گئے۔ اس وقت لنڈن مشن کے انچارج مشنری یہی تھے۔ نیر صاحب کی زندگی کی سب سے مرغوب ترین چیز تبلیغ ہو۔ مدتوں پرائیویٹ سکرٹری کی اہم خدمت پر فائز رہے ؎

۲۰

جناب مولانا مولوی غلام رسول صاحب راجیکی

۱۸۹۷ء میں سلسلہ میں داخل ہوئے۔ سلسلہ کے پرانے خادموں میں سے ہیں اور پرانے مبلغین میں سے ہیں۔ عالم ہیں۔ صوفی ہیں۔ مناظر ہیں۔ جب تقریر کرتے ہیں تو جس طرح دریا اپنی موجوں پر ہوتا ہے تو اس کی لہریں دُور دُور تک پہنچتی ہیں۔ اسی طرح مولانا کا دریائے عرفان امڈتا چلا آتا ہے اور اس کی لہریں سامعین کے قلوب کی گہرائیوں تک اثر انداز ہوتی ہیں۔ نہایت منکسر المزاج۔ متواضع اور کریم النفس انسان ہیں۔ مجھے اپنی زندگی میں مولانا موصوف کے ساتھ ایک دفعہ ۱۹۱۹ء میں ملیبار اور مدراس وغیرہ کا تبلیغی سفر کرنے کا موقعہ ملا۔ اس سفر کو یاد رکھ کر مولانا موصوف آج تک میرے ساتھ محبت اور لطف و کرم سے پیش آتے ہیں۔ مولانا پنجابی۔ اُردو۔ عربی اور فارسی زبانوں کے شاعر بھی ہیں۔ پنجابی زبان میں مولانا نے ایک کتاب "جھوک" لکھی ہے۔ یہ کتاب مولانا کے اس عشق و محبت کی آئینہ دار ہے۔ جو آپ کے قلب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے موجزن تھی، اور ہے۔ مولانا کی ساری عمر خدمت دین میں گذری اور گذر رہی ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کی عمر میں بہت برکت دے۔ آمین۔

کتاب کی تنگی صفحات کی وجہ سے میں مجبور ہوں کہ اس سلسلہ کو لمبا نہ کروں۔ ورنہ اس سلسلہ میں سینکڑوں مردان خدا۔ ایک سے ایک بڑا اور اپنے اخلاص و محبت میں بڑھا ہوا نظر آتا ہے۔ اب میں یہاں کچھ "اصحاب" مسیح موعودؑ کے صرف ناموں پر ہی اکتفا کروں گا۔ اور ان کے نام لکھ دینا ان کے مقام اور بزرگی میں کچھ کم نہیں کرتا۔ یہ صرف مجبوری اور تنگی صفحات کی وجہ سے ہے۔ ورنہ میں ہر ایک کی خدمات کی تفصیل پوری وضاحت سے کرنی پسند کرتا ۔

(۱) مکرمی ڈاکٹر میرزا محمد افضل بیگ صاحب سنہ ۱۸۹۸ء (۲) چوہدری خدا بخش صاحب سنہ ۱۸۹۸ء
(۳) منشی عبدالعزیز صاحب پٹواری سنہ ۱۸۹۲ء (۴) مولوی حکیم قطب الدین صاحب سنہ ۱۸۹۲ء
(۵) شیخ احمد دین صاحب ڈنگوی سنہ ۱۸۹۸ء (۶) جناب مولوی محمد جی صاحب سنہ ۱۹۰۰ء
(۷) خان بہادر مولوی غلام محمد صاحب آف گلگت سنہ (۸) مکرمی مولوی مدد خاں صاحب سنہ ۱۸۹۶ء
(۹) شیخ غلام قادر صاحب کارکن لنگر خانہ سنہ ۱۸۹۲ء (۱۰) جناب صوفی نبی بخش صاحب سنہ ۱۸۹۲ء
(۱۱) قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی سنہ ۱۹۰۰ء (۱۲) جناب قاضی محمد عبداللہ صاحب بھٹی بی اے بی ٹی
(۱۳) مستری گوہر دین صاحب سنہ ۱۸۹۴ء (۱۴) میاں قطب الدین صاحب ارائیں سنہ ۱۸۹۴ء
(۱۵) محمد حیات صاحب پنشنر سنہ ۱۸۹۳ء (۱۶) میاں صدر الدین صاحب تاجر آرد سنہ ۱۸۹۴ء
(۱۷) منشی محمد اسمٰعیل صاحب سیالکوٹی سنہ ۱۹۰۰ء (۱۸) بھائی غلام قادر صاحب سیالکوٹی سنہ ۱۹۰۰ء
(۱۹) حافظ محمد ابراہیم صاحب سنہ ۱۹۰۲ء (۲۰) میرزا قدرت اللہ صاحب کارکن دفتر ڈاک سنہ ۱۹۰۲ء
(۲۱) منشی سکندر علی صاحب ساکن بھینی سنہ ۱۹۰۲ء (۲۲) منشی غلام محمد صاحب مدرس سنہ ۱۹۰۲ء
(۲۳) میاں محمد الدین صاحب آف کھاریاں سنہ ۱۸۹۹ء (۲۴) میرزا محمد اشرف صاحب سابق محاسب سنہ ۱۸۹۵ء
(۲۵) شیخ نور الدین صاحب دوکاندار سنہ ۱۸۹۸ء (۲۶) پیر منظور حق صاحب سنہ ۱۸۸۸ء پیدائشی احمدی
(۲۷) چوہدری برکت علی خان صاحب فنانشل سکرٹری تحریک جدید سنہ ۱۹۰۲ء (۲۸) منشی
کظیم الرحمٰن صاحب سنہ ۱۸۹۳ء پیدائشی احمدی (۲۹) خاکسار محمود احمد عرفانی سنہ ۱۸۹۷ء پیدائشی احمدی
(۳۰) شیخ محمد ابراہیم علی صاحب عرفانی سنہ ۱۹۰۰ء پیدائشی احمدی (۳۱) منشی عبدالسمیع صاحب کپورتھلوی سنہ ۱۸۹۸ء
(۳۲) ڈاکٹر غلام غوث صاحب سنہ ۱۹۰۰ء (۳۳) ملک غلام حسین صاحب رہتاسی سنہ ۱۸۹۰-۹۱ء
(۳۴) بابا محمد حسن صاحب واعظ سنہ ۱۸۹۵ء (۳۵) شیخ غلام مرتضیٰ صاحب وڈالہ بانگر سنہ ۱۹۰۰ء۔
(۳۶) مولوی غلام نبی صاحب فاضل سنہ ۱۸۹۸ء (۳۷) صوفی غلام محمد صاحب بی۔ایس۔سی۔بی سنہ ۱۸۹۸ء
(۳۸) ملک نادر خاں صاحب پنشنر سنہ ۱۸۹۷ء (۳۹) صوفی غلام محمد صاحب بی اے مبلغ ماریشس سنہ ۱۸۹۵ء پیدائشی
(۴۰) جناب مولوی محمد الدین صاحب بی اے سابق مبلغ امریکہ و ریٹائرڈ ہیڈ ماسٹر مدرسہ تعلیم الاسلام۔

(۴۱) مولوی فضل محمد صاحب ہرسیاں والے سنہ ۱۸۹۶ء (۴۲) میاں الہ یار صاحب ٹھیکیدار سنہ ۱۸۸۹ء

(۴۳) حافظ محمد امین صاحب سنہ ۱۸۹۷ء (۴۴) مولوی عبداللہ صاحب بوتالوی سنہ ۱۹۰۰ء۔

(۴۵) سید محمد اشرف صاحب سنہ (۴۶) چودھری کریم الدین صاحب سنہ ۱۸۹۶ء۔

(۴۷) منشی کرم علی صاحب کاتب سنہ ۱۸۹۷ء (۴۸) مرزا محمد حسین صاحب ٹیلر ماسٹر سنہ ۱۸۹۷ء۔

(۴۹) مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ مولوی فاضل سنہ ۱۸۹۳ء پیدائشی (۵۰) مولوی حافظ غلام رسول صاحب وزیرآبادی سنہ

(۵۱) ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب سنہ ۱۹۰۱ء (۵۲) میرزا محمد شفیع صاحب محاسب سنہ ۱۹۰۱ء۔

(۵۳) میرزا مہتاب بیگ صاحب سنہ ۱۹۰۱ء (۵۴) قریشی حکیم میر احمد صاحب سنہ ۱۹۰۱ء۔

(۵۵) خانصاحب منشی برکت علی صاحب سنہ ۱۹۰۱ء (۵۶) سید محمد اسمٰعیل صاحب آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ سنہ ۱۹۰۱ء

(۵۷) حکیم عطا محمد صاحب سنہ ۱۹۰۱ء (۵۸) چوہدری غلام حسین صاحب ریٹائرڈ انسپکٹر مدارس سنہ ۱۹۰۱ء

(۵۹) ڈاکٹر محمد طفیل خانصاحب سنہ ۱۹۰۱ء (۶۰) شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر سنہ ۱۹۰۱ء پیدائشی احمدی۔

(۶۱) ملک مولابخش صاحب پنشنر سنہ ۱۹۰۱ء (۶۲) مولوی قمرالدین صاحب مولوی فاضل سنہ ۱۹۰۰ء پیدائشی۔

(۶۳) سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب سنہ ۱۹۰۳ء (۶۴) مولوی غلام رسول صاحب افغان سنہ ۱۹۰۲ء

(۶۵) عبداللہ خانصاحب افغان سنہ ۱۹۰۲ء (۶۶) مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری سنہ ۱۹۰۵ء

(۶۷) بابو محمد ایوب صاحب ریٹائرڈ سٹیشن ماسٹر سنہ ۱۹۰۲ء (۶۸) چوہدری نور احمد خانصاحب سنہ ۱۹۰۲-۰۳ء

(۶۹) چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم-اے ناظر اعلیٰ صدر انجمن احمدیہ سنہ ۱۹۰۲ء (۷۰)

ڈاکٹر بھائی محمود احمد صاحب سنہ ۱۹۰۲ء (۷۱) بھائی میرزا برکت علی صاحب سنہ ۱۹۰۲ء

(۷۲) چوہدری عبدالحکیم صاحب ریٹائرڈ سٹیشن ماسٹر سنہ ۱۹۰۲ء (۷۳) منشی محمد حسین صاحب کاتب سنہ

(۷۴) چوہدری امیر محمد خاں صاحب سنہ ۱۹۰۳ء۔ (۷۵) سید محمود عالم صاحب سنہ ۱۹۰۷ء (۷۶)

سید محبوب عالم صاحب سنہ (۷۷) میاں عبدالرحیم صاحب باورچی سنہ ۱۹۰۳ء۔

(۷۸) مولوی غلام احمد صاحب مولوی فاضل بدوملہوی سنہ ۱۹۰۲ء پیدائشی (۷۹) مستری لال دین صاحب سنہ ۱۹۰۳ء

(۸۰) ملک حسن محمد صاحب سمبڑیالوی سنہ ۱۹۰۳ء (۸۱) سید محمد علی شاہ صاحب انسپکٹر بیت المال سنہ ۱۹۰۳ء

(۸۲) محمد عبد اللہ صاحب تاجر کتب جلد ساز سنہ ۱۹۰۲ء (۸۳) خواجہ عبد اللہ صاحب کشمیری سنہ ۱۹۰۱ء
(۸۴) مولوی محمد حسین صاحب مبلغ سنہ ۱۸۹۳ء پیدائشی (۸۵) بھائی احمد الدین صاحب زرگر سنہ
(۸۶) منشی عبد الخالق صاحب کارکن لنگرخانہ سنہ ۱۹۰۲ء (۸۷) شیخ محمد نصیب صاحب سنہ
(۸۸) سردار کریم داد خاں صاحب افسر پہرہ سنہ ۱۹۰۲ء (۸۹) ماسٹر ماموں خانصاحب سنہ ۱۹۰۶ء
(۹۰) شیخ فضل احمد صاحب سنہ ۱۹۰۴ء (۹۱) چوہدری بدرالدین صاحب سنہ ۱۹۰۵ء (۹۲) قاری
غلام مجتبیٰ صاحب سنہ ۱۹۰۶ء (۹۳) شیخ الہ بخش صاحب سنہ ۱۹۰۵ء (۹۴) بابو فقیر علی صاحب سنہ ۱۹۰۵ء
(۹۵) ماسٹر مولا بخش صاحب سنہ ۱۹۰۴ء (۹۶) میاں فضل الدین صاحب حجام سنہ ۱۹۰۴ء
(۹۷) جناب بابو اکبر علی صاحب سنہ ۱۹۰۶ء (۹۸) جناب مولوی فضل الدین صاحب وکیل سنہ
(۹۹) سید حسن شاہ صاحب سنہ ۱۹۰۷ء (۱۰۰) منشی جان محمد صاحب چٹھی رسان سنہ ۱۸۹۸ء
(۱۰۱) ماسٹر نور الٰہی صاحب سنہ ۱۹۰۶ء (۱۰۲) حاجی ممتاز علی خاں صاحب سنہ ۱۹۰۵ء
(۱۰۳) حشمت اللہ خاں صاحب سنہ ۱۹۰۵ء (۱۰۴) ماسٹر علی محمد صاحب بی۔ اے بی ٹی سنہ ۱۹۰۵ء
(۱۰۵) میاں عبد اللہ صاحب ٹوپی ساز سنہ ۱۹۰۵ء (۱۰۶) سید احمد علی صاحب مولوی فاضل سنہ ۱۹۰۷ء
(۱۰۷) حکیم فیروز الدین صاحب سیکرٹری بیت المال سنہ (۱۰۸) ملک غلام فرید صاحب ایم۔ اے سنہ ۱۹۰۵ء
(۱۰۹) حکیم نظام جان صاحب سنہ (۱۱۰) میاں فضل الدین صاحب معمار سنہ
(۱۱۱) میاں محمد چراغ چپراسی سنہ (۱۱۲) مولوی عطا محمد صاحب کارکن دفتر مقبرہ بہشتی سنہ ۱۹۰۵ء
(۱۱۳) سید ولایت شاہ صاحب سنہ ۱۹۰۶ء (۱۱۴) خان عبد العزیز صاحب مالک طبیہ عجائب گھر سنہ ۱۹۰۵ء
(۱۱۵) ماسٹر محمد علی صاحب اظہر سنہ ۱۹۰۷ء (۱۱۶) حکیم عبد الصمد صاحب میرٹھی سنہ ۱۹۰۵ء
(۱۱۷) چوہدری غلام محمد صاحب بی۔ اے سابق ہیڈ ماسٹر نصرت گرلز سکول سنہ ۱۹۰۵ء۔
(۱۱۸) جناب حافظ مختار احمد صاحب شاہجہانپوری سنہ (۱۱۹) منشی حامد حسین خانصاحب
میرٹھی سنہ (۱۲۰) چوہدری حاکم دین صاحب دکاندار سنہ ۱۹۰۸ء (۱۲۱) میاں عبد الرحمٰن صاحب
ٹھیکیدار بھینی سنہ (۱۲۲) بابا کریم بخش صاحب سیالکوٹی (۱۲۳) پیرزادہ رشید احمد صاحب قریشی الہاشمی سنہ ۱۹۰۸ء ۔

ایک غلطی کی اِصلاح

میں نے اس کتاب کے صفحہ ۱۶۰ پر لکھا ہے۔ کہ جب ڈپٹی کمشنر لدھیانہ نے مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی کو لودھیانہ سے نکل جانے کیلئے حکم دیا۔ تو حضرت اقدس بطور خود امرتسر تشریف لے آئے۔ اور وہاں سے ڈپٹی کمشنر صاحب لودھیانہ کو چٹھی۔ مگر حضرت عرفانی کبیر نے میری کتاب کے اس پروف کو دیکھکر مجھے لکھا ہے۔ کہ یہ واقعہ درست نہیں۔ حضرت اقدس لدھیانے سے اپنے طور پر بھی نہیں آئے تھے۔

حضرت اقدس نے اس واقعہ کو خود ازالہ اوہام حصہ دوم کے آخری صفحہ پر یوں درج فرمایا ہے۔

اطلاع

"بعض دوستوں کے خط پہنچے کہ جب مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی بعد مباحثہ شہر لودہانہ سے حکماً نکالے گئے ہیں۔ یہی حکم اس عاجز کی نسبت ہوا ہے۔ سو واضح رہے۔ کہ یہ افواہ سراسر غلط ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ مولوی محمد حسین صاحب بٹالوی اپنی وحشیانہ طرز بحث کی شامت سے لودہانہ سے شہر بدر کئے گئے۔ لیکن عاجز کی نسبت کوئی حکم اخراج صادر نہیں ہوا۔ چنانچہ ذیل میں نقل مراسلہ صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر لودہانہ لکھی جاتی ہے:۔

"از پیشگاہ مسٹر ڈبلیو چیوس صاحب بہادر ڈپٹی کمشنر لودھانہ

میرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان سلامت۔ چٹھی آپ کی مورخہ دیروزہ موصول ملاحظہ و ملاحظت ہوا۔ بجوابش تحریر ہے۔ کہ آپ کو بمتابعت و ملحوظیت قانون سرکاری لودھانہ میں ٹھہرنے کے وہی حقوق حاصل ہیں۔ جیسے کہ دیگر رعایا تابع قانون سرکار انگریزی کو حاصل ہیں۔

المرقوم ۱۶ ر اگست ۱۸۹۱ء

دستخط صاحب ڈپٹی کمشنر بہادر

سلسلہ احمدیہ کی مستورات کی ترقی

سلسلہ احمدیہ کی مستورات کی ترقی

کسی قوم کے تمدنی اور ذہنی ارتقاء کو دیکھنا ہو تو اس قوم کی مستورات کی حالت کو دیکھنا چاہیئے۔ اگر اس قوم کی مائیں پست حالت میں ہوں۔ تو وہ قوم یقیناً پست ہوگی چنانچہ اسلام سے قبل جو جاہلیت کا زمانہ تھا۔ اس میں عورت کی حالت اس قدر ذلیل تھی۔ کہ وہ جانوروں کی طرح فروخت ہوتی تھی۔ جوئے پر لگائی جاتی تھی عورت کو ایک ذلیل ہستی جانا جاتا تھا۔ اسی لئے اُسے زندہ درگور کر دیا جاتا تھا۔ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی جب بعثت ہوئی۔ تو آپ نے عورت کا مقام بہت بلند کر دیا۔ عورت کو دین میں برابر کا شریک کیا۔ اور حکم دیا کہ خیرُکم خیرُکم لِاَھْلِہٖ۔ لڑکیوں کا مارنا ممنوع قرار دیا۔ شادی کی حد بندی کر دی گئی۔ طلاق۔ خلع۔ میراث۔ حیض و نفاس۔ غرضیکہ ہر ایک مسئلہ کے متعلق مکمل آئین اور قوانین بنا دئے۔ عورت کی جائیداد بنانے کے لئے مہر مقرر کر دیا۔ ترکہ میں سے حصہ دیا۔ عورتوں کو تعلیم دئے جانے کا حکم دیا فرمایا۔ طلبُ العلم فریضۃ علیٰ کل مسلمٍ و مسلمۃٍ۔ اس کا نتیجہ یہ ہُوا۔ کہ اسلام میں بڑی بڑی عالمہ فاضلہ عورتیں پیدا ہوئیں۔ اور ذہنی قیود اُٹھ جانے سے عورتوں میں بہت بڑا فکری ارتقاء پیدا ہو گیا۔ خود حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذریعہ سے دین کا بہت بڑا حصہ مسلمانوں تک پہنچا۔ عورتوں نے ابتدائے اسلام میں جنگوں میں نمایاں حصہ لیا۔ اور مسلمانوں کی ہر میدان میں مدد کی۔ یہ اس

فکری اور ذہنی ترقی کا نتیجہ ہی تھا جو اسلام کی وجہ سے ان کو حاصل ہوا تھا۔

بدنصیبی سے مسلمانوں میں اس زمانے میں پھر وہی جہالت لوٹ آئی تھی۔ عورتوں کو تعلیم دینا مسلمانوں میں شرافت کے منافی خیال کیا جاتا تھا۔ بعض جگہ اور بعض قوموں میں لڑکیوں کو قتل کیا جاتا تھا۔ عورتوں کو ورثہ نہیں دیا جاتا تھا۔ مہر صرف دکھانے کے لئے ہوتا تھا۔ عورتوں کو گندے اور غلیظ رہنے کی ہدایت ہوتی تھی۔ ان کو جانوروں کی طرح سے مارا پیٹا جاتا تھا۔ اور وہی جاہلیت کا زمانہ جو رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے قبل تھا، وہی زمانہ پھر لوٹ آیا تھا۔ چونکہ انسانیت کی گاڑی مرد اور عورت دونوں کے سہارے سے چلتی ہے اس لئے انبیاء کے فیضان سے دونوں کو برابر کا حصہ ملتا ہے۔ اسی لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام جب مبعوث ہوئے۔ تو آپ نے عورتوں کو وہ تمام حقوق جو اسلام نے دئے تھے۔ از سر نو واپس دلا دئے۔ اور عورت کا درجہ بہت بلند کر دیا۔ آپ کے وجود کی برکت سے عورت ماں اور بہن اور بیٹی کی حیثیت سے اپنے سارے حقوق کی پھر مالک ہو گئی۔ اس غرض کے لئے سب سے بڑی ضرورت اس امر کی تھی کہ کوئی عورت آپ کے پاس ایسی ہوتی جو آپ کے کام میں آپ کی مددگار ہوتی اور اس کا وجود عورتوں کے لئے ایک نمونہ ہوتا۔ سو اس غرض کو پورا کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک **خدیجہ** مرحمت فرمائی۔ اور یہ اس لئے ہوا۔ تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی مماثلت پوری ہو۔ یہ خدیجہ ایک ایسی بابرکت خاتون تھیں جنکو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے **علم** - **عمل** - **نیکی** - **تقویٰ** - **پرہیز گاری** سے ایسا حصہ وافر دیا تھا۔ کہ ان خوبیوں کی وجہ سے وہ اس امر کی مستحق تھیں کہ وہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جسم کا ایک حصہ بنتیں۔ چنانچہ حضرت ام المومنین کے پاک نمونے کی وجہ سے عورتوں کو دین کی طرف بڑی راہنمائی ہوئی۔ ایک جماعت ایسی صحابیات کی حضرت ام المومنین کے گرد جمع رہتی۔ اور آپ کے ذریعہ نہ صرف دین کی بہت سی باتوں سے واقف ہوتی۔

بلکہ حضرت ام المومنین کی وجہ سے وہ بہت قریب سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو دیکھ سکتی تھی۔ اس طرز عمل کا یہ نتیجہ ہوا۔ کہ مستورات کو خود بخود مردوں کی طرف سے اُن کے حقوق ملنے لگے۔ اور اس سے ان کا ذہنی اور فکری ارتقاء شروع ہو گیا جس کا نتیجہ یہ ہے۔ کہ آج جماعت میں بکثرت تعلیم یافتہ اور عالمہ فاضلہ عورتیں موجود ہیں۔ اس چیز کی ابتداء حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہوئی۔ اور تکمیل حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کے ذریعے ہوئی۔ یہاں میں چند اُن صحابیات کا نام درج کرنے پر اکتفاء کروں گا۔ جن کو حضرت مسیح موعودؑ کا زمانہ ملا۔ اور آپ کی برکات سے حصہ لیا۔ حضور کی تقریریں سنیں۔ اور ان باتوں کی وجہ سے ان پر تقویٰ کا ایک خاص رنگ چڑھ گیا۔ ان مستورات نے اپنے مردوں کے ساتھ اپنے خاندانوں۔ رشتہ داروں۔ عزیزوں اور وطنوں کو خدا کے لئے ترک کر دیا تھا۔ مردوں میں تو ایسے امور کے متعلق قوت برداشت زیادہ ہوتی ہے لیکن عورتوں کا دل نازک ہوتا ہے۔ مگر ان عورتوں نے مردانہ وار سب کچھ قربان کر دیا۔ اور قادیان میں آکر ایسی بیٹھیں کہ پھر اُٹھنے کا نام نہ لیا۔ ان میں سے بہت سی صدق و وفا کے ساتھ اپنی زندگی کا دَور ختم کر کے اپنے خالق حقیقی کے حضور چلی گئیں۔ اور کچھ باقی ہیں جو اس خوشگوار زمانے کی برکات کی حامل ہیں۔ میں پہلے ان بزرگ اور واجب الاحترام ماؤں کا ذکر کروں گا۔ جو اپنا وقت گذار چکی ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان کی تربتوں پر رحمتوں اور فضلوں کی بارشیں نازل فرمائے۔ آمین۔

صحابیات

(۱) حرم حضرت مولوی شیر علی صاحب (۲) حرم حضرت مفتی محمد صادق صاحب (۳) مجید النساء صاحبہ حرم شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی۔ (۴) دادی صاحبہ والدہ منشی شادیخان صاحب مرحوم (۵) اہلیہ صاحبہ حافظ قدرت اللہ صاحب شاہجہانپوری (۶) اہلیہ صاحبہ " " " (۷) مائی تجو صاحبہ خادمہ (۸) اہلیہ صاحبہ حضرت پیر منظور محمد صاحب (۹)

اہلیہ صاحبہ حضرت پیر افتخار احمد صاحب (۱۰) حفصہ بیگم صاحبہ اہلیہ مفتی فضل الرحمن صاحب مرحوم ا
بنت حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ (۱۱) ہاجرہ بیگم صاحبہ اہلیہ چودھری فتح محمد صاحب سیال ایم اے۔
(۱۲) محترمہ حضرت والدہ صاحبہ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب و اہلیہ حضرت ڈاکٹر
سید عبد الستار شاہ صاحب مرحوم و مغفور۔ (۱۳) اہلیہ صاحبہ میر مہدی حسین صاحب مرحوم
(۱۴) اہلیہ صاحبہ اکبر خاں صاحب سنوری (۱۵) حضرت نانی اماں صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا
(۱۶) والدہ صاحبہ قاضی شیخ محمد صاحب چٹھی رساں (۱۷) حضرت والدہ صاحبہ سر چوہدری محمد ظفر اللہ خاں

ان میں سے بعض کو حضرت اقدس کے گھر کی خدمت کرنے کا موقع میسر آیا۔ اور
باقی بہت سی صحابیات اپنی نیکی اور بزرگی کی وجہ سے ممتاز تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی تربتوں
پر اپنی رحمتوں کی بارشیں برسائے۔ آمین

بعض ایسی صحابیات کا ذکر جو خدا کے فضل سے زندہ موجود ہیں

ان بزرگ خواتین میں سے کچھ اب تک ہم میں زندہ موجود ہیں۔ انہوں نے اس
بابرکت زمانہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس لئے ان کا وجود بھی بابرکت ہے اور وہ خدا
کے فضل سے اپنے ایمان کی مضبوطی کی وجہ سے ایک درجہ امتیاز رکھتی ہیں۔

(۱)

میری والدہ صاحبہ

یہ ۱۸۹۸ء میں حضرت والد صاحب کے ساتھ قادیان آئیں۔ اور اس
وقت سے قادیان کو اپنا گھر بنا کر رہیں۔ اور کبھی یہاں سے جانے کی خواہش نہیں
کی۔ بڑی بابرکت اور نیک اور بزرگ خاتون ہیں۔ حضرت ام المومنین کی ان پر
بڑی نظر عنایت ہے۔ جب سے قادیان میں آئیں۔ اس وقت سے آج تک ان کو
"بہو" کے لقب سے یاد فرمایا ؎

۲
امّاں جی صاحبہ

حضرت خلیفۃ المسیح اول رضؓ کی اہلیہ ہیں۔ صاحبزادگان میاں عبدالحی صاحب مرحوم وصاحبزادہ عبدالسلام صاحب عمر بی۔اے۔ایل۔ایل۔بی وصاحبزادہ حکیم عبدالوہاب صاحب عمر وصاحبزادہ عبدالمنان صاحب عمر ایم۔اے اور صاحبزادی امۃ الحی صاحبہ مرحومہ کی والدہ ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام حضرت خلیفۃ المسیح اول کی برات میں ان کو بیاہنے کے لئے بنفس نفیس خود تشریف لے گئے تھے۔ بچوں اور عورتوں کی امراض کے معالجہ میں بھی دسترس رکھتی ہیں۔ علم دین سے بھی کافی واقفیت ہے۔ نہایت بااخلاق اور غریب پرور خاتون ہیں۔

(۳)
اہلیہ صاحبہ ڈاکٹر خلیفہ رشیدالدین صاحب

نہایت باوقار۔ منتظم۔ تعلیم یافتہ اور نیک خاتون ہیں۔ سلسلہ کے کاموں میں ان کو بڑا انہاک ہے۔ ہر قسم کی خدمت دین کرنے میں پیش پیش رہتی ہیں۔

(۴) اہلیہ صاحبہ ڈاکٹر غلام غوث صاحب

مردانہ صفات کی خاتون ہیں۔ جلسوں اور تقریروں کے سننے کا از حد شوق ہے۔ دین کے لئے اگر کوئی بڑی محنت بھی برداشت کرنی پڑے تو کر سکتی ہیں۔

(۵) والدہ صاحبہ مولانا دردؔ صاحب

ایک مخلص۔ نیک اور بزرگ خاتون ہیں سلسلہ کیلئے ہر قسم کی قربانی کرنے کیلئے تیار

ہیں۔ خاندان مسیح موعود سے از حد محبت رکھتی ہیں۔

(۶) مائی امیر بی بی المعروف کاکو صاحبہ

سیکھوانی اخوان کی بہن ہیں۔ مولانا جلال الدین صاحب شمس مبلغ لنڈن کی پھوپھی ہیں۔ دو دفعہ حج کر چکی ہیں۔ لنڈن براڈ کاسٹنگ سٹیشن سے مولانا جلال الدین صاحب نے کئی دفعہ ان کو سلام بھیجا ہے۔ حضرت ام المومنین کی خادمہ ہیں۔ اور الدار کے اس کمرہ میں رہتی ہیں۔ جس کمرے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آٹھ نو ماہ کے روزے رکھنے کا مجاہدہ فرمایا تھا۔ مردانہ صفات کی خاتون ہیں۔ نوجوانی میں بیوہ ہو گئیں۔ مگر نہایت پاکیزہ زندگی بسر کی۔

حضرت میرزا بشیر احمد صاحب نے سیرۃ المہدی میں ان کی بعض روایات بھی درج کی ہیں۔ پردہ نہیں کرتیں مگر خوب ایمان سے لبریز ہیں۔

(۷) استانی سکینۃ النساء صاحبہ

جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل کی اہلیہ ہیں۔ یہ اُن خواتین میں سے ایک ہیں۔ جو ابتدائے سلسلہ میں تعلیم یافتہ تھیں۔ نہایت اعلیٰ درجہ کی خوشخط ہیں۔ کسی زمانہ میں بدر اور الحکم میں مضامین بھی لکھا کرتی تھیں۔ نصرت گرلز سکول کے حصہ پرائمری کی ایک لمبے عرصہ تک ہیڈ معلمہ رہی ہیں۔

ان کے سوا اور بہت سی صحابیات ہیں۔ جیسے (۸) اہلیہ صاحبہ مولوی سرور شاہ صاحب۔ (۹) اہلیہ صاحبہ مولوی مدد خاں صاحب (۱۰) اہلیہ صاحبہ ملک غلام حسین صاحب (۱۱) مائی امام بی بی صاحبہ (۱۲) والدہ صاحبہ خواجہ علی صاحب (۱۳) اہلیہ صاحبہ حکیم مولوی قطب الدین صاحب (۱۴) اہلیہ مستری قطب الدین صاحب مرحوم (۱۵) اہلیہ ثانی شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی۔

(۱۶) اہلیہ صاحبہ منشی عبدالعزیز صاحب پٹواری (۱۷) اہلیہ صاحبہ حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانی
ان کے علاوہ اور بہت سی صحابیات ہیں جن کو میں نہیں جانتا یا وہ میرے حافظے سے باہر ہیں۔ اللہ تعالےٰ ان سب کو عمر طویل دے۔ اور اپنے فضلوں کے ساتھ مُدتوں قائم رکھے۔ آمین۔

احمدی خواتین کی علمی ترقی

جماعت احمدیہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ مستورات کی علمی ترقی ہوتی چلی گئی۔ وہ زیورِ علم سے مالا مال ہوگئیں۔ اس وقت قادیان کی آبادی میں ۹۰ فی صدی مستورات پڑھ اور لکھ سکتی ہیں۔ سینکڑوں خواتین قرآن کریم باترجمہ جانتی ہیں۔

اس وقت قادیان کی احمدی آبادی دس ہزار کے قریب ہے دس ہزار میں سے کم از کم چار ہزار کی آبادی مستورات کی ہوگی۔ ان میں سے نوّے فیصدی تعلیم یافتہ اور کم از کم پچاس فیصدی قرآن کریم کے معانی اور معارف کو جانتی اور سمجھتی ہیں۔ کیونکہ ان کو قرآن شریف پڑھانے کا خاص اہتمام ہے۔

لجنہ اماء اللہ

ان کی اپنی انجمنیں ہیں۔ جن کے باقاعدہ اجلاس ہوتے ہیں اور ان کے جلسے ہوتے ہیں۔ عورتوں کی ایسی مجلس کا نام "لجنہ اماءاللہ" ہے۔ جس کی تفصیل دوسری جگہ آسکے گی۔ ان جلسوں میں بالعموم خواتین خود لیکچر دیتی ہیں۔ اور پردے کی رعایت کے ساتھ مردوں کے لیکچر بھی کرائے جاتے ہیں۔

عورتوں کو حقّ تصویت

بڑے بڑے آزاد ملکوں کی پارلیمنٹوں میں بھی عورتوں کو حق رائے دہندگی ابتک نہیں ملا۔ مگر سلسلہ احمدیہ نے عورتوں کے اس حق کو بھی تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی قومی و ملی مجلس شوریٰ کا ایجنڈا عورتوں کی مجالس کو بھی بھیجا جاتا ہے۔ اور وہاں سے تحریری طور پر ان کی آراء سکرٹری صاحب مجلس شوریٰ کے پاس آجاتی ہیں جو رائے شماری کے وقت شمار کر لی جاتی ہیں۔

مستورات کی ذات کے متعلق جو امور مجلس شوریٰ میں پیش کئے جاتے ہیں۔ اُن کے متعلق مجلس شوریٰ میں پردے کے پیچھے سے خواتین کو تقریری طور پر اپنے خیالات کے اظہار کا موقع بھی دیا جاتا ہے۔

مجلس شوریٰ میں عورتیں اسی طرح نمائندہ بن کر آتی ہیں، جس طرح مرد آتے ہیں۔ مگر شوریٰ کے کمرے میں اُن کے بیٹھنے کا انتظام الگ پردے کے پیچھے ہوتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی بیویاں بھی اس شوریٰ میں شرکت کرتی ہیں۔ اور سارا سارا دن اسی طرح دلچسپی سے حصہ لیتی ہیں جس طرح مرد حصہ لیتے ہیں۔ وہ سوسائٹی اور جماعت اور قوم کا ایک اہم اور کارآمد جزو بن گئی ہیں۔ اور یہ ایسی بات ہے جو ہندوستان کی کسی بھی مذہبی جماعت نے اپنی مستورات کو نہیں دی۔

تعلیم

مستورات کی تعلیم کے لئے اسوقت ایک ہائی سکول "نصرت گرلز ہائی سکول" کے نام سے جاری ہے۔ جس کے ذریعہ سے اس وقت تعلیم عام ہو گئی ہے۔ اس وقت تک

سینکڑوں لڑکیاں میٹرک پاس کر چکی ہیں اور کر رہی ہیں۔

دینی تعلیم اس سکول کے ساتھ ایک دینیات کی شاخ بھی ہے۔ جن لڑکیوں نے کالج کی طرف نہ جانا ہو۔ اور ان کو دین کا شغف ہو۔ ان کے لئے اعلیٰ درجہ کی مذہبی تعلیم کا انتظام ہے۔ جو پانچ سال کا کورس ہے۔ دینیات سے فارغ ہونے والی طالبات باقاعدہ علمِ دین کی واقف اور عالمہ ہو جاتی ہیں۔ ان کو ساتھ ساتھ انگریزی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔

درس قرآن کریم قادیان میں کئی ایسی تقریبات ہیں جو مستورات میں علمِ دین کے جذبہ کو بڑھانے کے لئے بڑا شاندار کام کرتی رہتی ہیں۔ اس سلسلہ میں پہلی چیز قرآن کریم کا درس ہے، جو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز خود ہفتہ کے دن صبح کو دیتے ہیں۔ یہ درس صرف خواتین کے لئے ہوتا ہے اور تمام احمدی خواتین اس میں حصہ لیتی ہیں۔

دوسرا درس سال میں ایک دفعہ رمضان المبارک میں قرآن کریم کا ایک درس علمائے سلسلہ دیا کرتے ہیں۔ یہ درس مردوں کے لئے ہوتا ہے مگر مسجد میں قناتیں لگا کر مستورات کے لئے پردہ کا انتظام کر دیا جاتا ہے۔ جس سے وہ پورے اہتمام سے شریک ہوتی ہیں۔ اور قرآن کا مکمل درس ایک ماہ میں سُن لیتی ہیں۔

تیسرا درس رمضان شریف کے مہینہ میں تراویح کی نماز میں عورتیں اپنی اپنی مساجد میں حصہ لیتی ہیں۔ اور اس طرح قرآن کریم سننے کا ان کو تیسرا موقع مل جاتا ہے۔

درس حدیث شریف فجر کی نماز کے بعد حضرت میر محمد اسحاق صاحب شیخ الحدیث بخاری شریف کا درس دیتے ہیں۔ اس درس میں بھی علم دوست مستورات کا ایک حصہ باقاعدہ شریک ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی کتابوں کا امتحان

نظارت تعلیم و تربیت اور خدام الاحمدیہ کی طرف سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں کے سال میں دو تین مرتبہ امتحان ہوتے ہیں۔ ان امتحانوں میں خواتین اور ہماری بچیاں کثرت سے شریک ہوتی ہیں۔ اور بہت اعلیٰ نمبروں پر پاس ہوتی ہیں بعض اوقات ۷۰۔ ۸۰ اور ۹۰ فی صدی تک بھی نمبر حاصل کرتی ہیں۔

اُمّ المومنین گولڈ میڈل

نصرت گرلز ہائی سکول میں سال میں ایک دفعہ علمی تحریری مقابلہ ہوتا ہے۔ بچیوں کو ایک مضمون دیا جاتا ہے جس کی وہ پوری تحقیقات کرتی ہیں۔ اور پھر وہ مضمون لکھتی ہیں۔ مضمون ایک کمیٹی کے پاس نمبروں کے لئے بھیجا جاتا ہے۔ جو بچی اول نمبر پر آتی ہے اُسے اُمّ المومنین گولڈ میڈل دیا جاتا ہے۔

مستورات کا اخبار

ہمارے سلسلہ میں مستورات کا ایک اپنا اخبار بھی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلا رسالہ ہمارے والد صاحب حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی نے "احمدی خاتون" کے نام سے جاری کیا تھا۔ جو کئی سال تک شائع ہوتا رہا۔ بعد میں اس کا نام تادیب النساء کر دیا گیا تھا۔ اب یہ رسالہ بند ہے۔ مگر سلسلہ کی طرف سے احمدی خواتین کی علمی ضرورت

کو پورا کرنے کے لئے "مصباح" نامی اخبار جاری ہے۔

سلسلہ کی خواتین کی علمی ترقی کے ساتھ ان کی جسمانی نشوونما کے لئے بھی انتظام ہے۔ عام خواتین سیر کا انتظام رکھتی ہیں۔ شہر کے باہر کی سمت کھلی ہوا میں کچھ دور تک چہل قدمی کر لیتی ہیں۔ اور طالبات علم اپنے مدرسہ میں جسمانی ورزش کر لیتی ہیں۔ ان کیلئے تیراکی سیکھنے کا انتظام بھی ہے۔ جہاں پردے کا پورا پورا اہتمام ہے۔

مستورات کی کاروباری زندگی

قادیان میں بعض مستورات اپنے مکانوں کے اندر تجارت کرتی ہیں اور ان کی تجارت بہت کامیاب ہے۔ کیونکہ پردہ نشین خواتین حسب منشاء آزادی کے ساتھ ضروریاتِ زندگی خرید لیتی ہیں۔ اور اسی طرح بہت سی خواتین ہوزری کے کارخانہ کی وجہ سے صنعتی کاموں میں بھی اپنے گھروں میں بیٹھ کر حصہ لیتی ہیں۔

مستورات کو پبلک کاموں میں جائز حد تک شرکت کی آزادی ہے۔ مثلاً ہر وہ تحریک جو قومی رنگ میں مرد منارہے ہیں مستورات ایک علیحدہ جانب پردہ کی پابندی کے ساتھ اُسے دیکھ سکتی ہیں۔

ان سب باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کی خواتین کی ایک ایسی ٹریننگ ہوگئی ہے۔ کہ جس سے وہ قوم اور سلسلہ کے ہر کام کو سمجھنے لگی ہیں۔ اور ان حقوق کو جو مردوں کے عورتوں پر ہوتے ہیں اور عورتوں کے مردوں پر ہیں۔ بخوبی جانتی ہیں۔ ان میں علم عام ہو رہا ہے۔ حتی کہ اب بہت سی خواتین گریجوایٹ بھی ہو چکی ہیں۔

جیسے محترمہ امۃ الرحمٰن صاحبہ بی۔اے۔بی ٹی ہیڈ مسٹرس نصرت گرلز سکول۔ آپ حضرت مولوی شیر علی صاحب کی صاحبزادی اور جناب مولوی عبد المنان صاحب عمر ایم۔اے کی حرم محترم ہیں۔

اُستانی امۃ العزیز صاحبہ بی۔اے۔بی ٹی۔ اُستانی سیدہ بیگم صاحبہ بنت حضرت میر مہدی حسین صاحب موج مرحوم۔ مولوی محمد الدین صاحب سابق ہیڈ ماسٹر کی صاحبزادی بھی بی۔اے۔بی ٹی ہیں۔سید محمود اللہ شاہ صاحب کی حرم محترم بھی بی۔اے۔بی ٹی ہیں۔جناب مفتی فضل الرحمٰن صاحب کی ایک صاحبزادی بی۔اے۔بی ٹی ہیں۔اور اسی طرح بہت سی خواتین گریجوایٹ ہیں۔خود حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی حرم رابع سیدہ مریم صدیقہ صاحبہ بی۔اے ہیں۔

افسوس کہ اس سلسلہ میں خاندان نبوت کی ایک نیک دل اور بڑی پلک شہزادی سیدہ امۃ الودود صاحبہ کا ذکر میں دلی رنج سے کرنے پر مجبور ہوں۔جو بی۔اے میں کامیاب ہونے کے دوسرے دن بعد دماغ کی ایک رگ کے پھٹ جانے سے فوت ہو گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کئی بچیاں ڈاکٹری کے امتحان میں پاس ہوئیں۔جیسے لیڈی ڈاکٹر غلام فاطمہ صاحبہ بنت چودھری غلام محمد صاحب بی۔اے۔ ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب نومسلم کی دو لڑکیاں۔بھائی احمد الدین صاحب ڈنگوی کی ایک بیٹی۔مفتی فضل الرحمٰن صاحب مرحوم کی ایک بچی۔ میں یہ صرف قادیان کا ذکر کر رہا ہوں۔

شاعرہ خواتین

مستورات کے علمی ذوق و شوق کے سلسلہ میں بہت سی خواتین شعرو شاعری میں بھی حصہ لے رہی ہیں۔ ان میں چوٹی کی دو شاعرہ خواتین کا ذکر بیان کرتا ہوں۔

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ

آپکی شاعری اس بلند پایہ کی ہے کہ ہمارے ایک یو۔پی کے شاعر جو خود بلند پایہ

کلام کہنے والوں میں سے ہیں۔ انہوں نے نواب مبارکہ بیگم صاحبہ کی شاعری کا درجہ ہزار ہا مردوں کو بہتر بتلایا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ آپ کا کلام واقعی بہت بلند پایا کا کلام ہے۔ اس کا ایک ذرا سا نمونہ یہاں بھی پیش کر دیتا ہوں۔ آپ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مدح کرتی ہوئی فرماتی ہیں ؎

رکھ پیش نظر وہ وقت بہن جب زندہ گاڑی جاتی تھی
گھر کی دیواریں روتی تھیں جب دنیا میں تُو آتی تھی

جب باپ کی جھوٹی غیرت کا خُوں جوش میں آنے لگتا تھا
جس طرح جنا ہے سانپ کوئی یوں ماں تیری گھبراتی تھی

یہ خونِ جگر سے پالنے والے تیرا خون بہاتے تھے
جو نفرت تیری ذات سے تھی فطرت پر غالب آتی تھی

کیا تیری قدر و قیمت تھی؟ کچھ سوچ! تری کیا عزت تھی
تھا موت سے بدتر وہ جینا قسمت سے اگر بچ جاتی تھی

عورت ہونا تھی سخت خطا تھے تجھ پر سارے جبر روا
یہ جرم نہ بخشا جاتا تھا۔ تا مرگ سزائیں پاتی تھی

گویا تو کنکر پتھر تھی۔ احساس نہ تھا جذبات نہ تھے
توہین وہ اپنی یاد تو کر! ترکہ میں بانٹی جاتی تھی

وہ رحمتِ عالم آتا ہے۔ تیرا حامی ہو جاتا ہے
تو بھی انساں کہلاتی ہے۔ سب تیرے حق دلواتا ہے
ان ظلموں سے چھڑواتا ہے

بھیج درُود اس محسن پر تُو دن میں سَو سَو بار
پاک محمدؐ مصطفٰے نبیوں کا سردار

اس ایک ٹکڑے سے اس روحِ فیاضی - اس فکرِ ممتاز - اس بلند محبت کا بخوبی پتہ ملتا ہے - جو آپ کے اندر موجزن ہے -

بہن امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ مانڈلے

ہماری دوسری بہن امۃ الحفیظ بیگم صاحبہ ہیں - جو حضرت خلیفۃ المسیح اول رضی کی نواسی ہیں - ان کا کلام بھی بڑا پُر معنی اور پُر سوز و رقت ہوتا ہے -

اسی طرح اور بہت سی بچیاں شاعری کے میدان میں قدم زن ہیں - افسوس ہے کہ ان کے خیالات کی نشوونما اور اصلاح کا ابھی تک کوئی خاص اہتمام نہیں ہو سکا -

عورتوں کا مذہبی کاموں میں حصّہ

ہمارے سلسلہ کی خواتین مذہبی کاموں میں مردوں کے ساتھ برابر کی شریک ہیں چنانچہ لنڈن کی ہماری شاندار مسجد ہماری خواتین کا ایک شاندار شاہکار ہے - تحریکِ جدید کے چندوں میں وہ برابر کی حصہ دار - بہشتی مقبرہ کی وصایا میں وہ برابر کی حصہ دار - ماہواری چندوں میں وہ برابر کی حصہ دار - مجلس شوریٰ میں وہ برابر کی حصہ دار - سالانہ جلسہ میں ان کے لئے الگ جلسہ کا انتظام ہوتا ہے - اس لئے اس میں وہ برابر کی حصہ دار ہیں - اس جلسہ کا سارا انتظام خود مستورات کے ہاتھ میں ہوتا ہے - آنے والی خواتین کے لئے کھانے پینے - رہنے وغیرہ تمام ضروریات کا انتظام انہی کے ہاتھ میں ہوتا ہے ؎

مستورات کے لئے انصاف

مرد اُن پر کسی قسم کی ناجائز سختی اور تعدی جو جاہلیت کا ایک شعبہ ہی نہیں کر سکتے -

اگر مرد مہر ہضم کرے ۔ رشتہ دار ترکہ نہ دیں ۔ خاوند معلقہ بنا رکھے ۔ اور اسی قسم کے دیگر امور میں ان کی حق تلفی ہو ۔ تو سلسلہ کے صیغہ جات قضاء وغیرہ فوراً انکی دادرسی کرنے کے لئے کھلے ہیں ۔

الغرض

یہ مختصر خاکہ ہے کہ احمدی عورت میدان عمل میں میدانِ جہاد میں میدان علم میں مردوں کے پہلو بہ پہلو کھڑی ہیں ۔

آج احمدی خاتون کو

اس علم ۔ ادراک ۔ وجدان اور عرفان کی وجہ سے اپنے اکلوتے بیٹے کی قربانی دینی کوئی مشکل نہیں ۔ اپنے مال اور اپنے زیور کو قربان کر دینا کچھ مشکل نہیں یہ ساری تربیت حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے انفاس طیبہ کی وجہ سے ہے ۔

ہر ایک شہر میں لجنہ اماء اللہ

قائم ہے اور عورتیں ہی اس میں کام کر رہی ہیں ۔

احمدی خواتین کی قربانیاں

احمدی خواتین کی قربانیاں

میں کوتاہی کروں گا۔ اگر میں بعض احمدی خواتین کی ان قربانیوں کا ذکر نہ کروں۔ جو انہوں نے سلسلہ کی اشاعت کے لئے کی ہیں۔ ان قربانیوں میں ان مبلغین کی بیگمات کا ذکر سب سے اول آنا چاہیئے۔ جو سالہا سال سلسلہ کے مرکز سے باہر رہ کر سلسلہ کی تبلیغ کا کام کرتے رہتے ہیں۔

ایک عورت کے قلب کی دنیا کو کوئی مرد ٹٹول ہی نہیں سکتا۔ مگر اس کا کسی قدر ادراک اُسے اس لئے ہوسکتا ہے کہ وہ خود عورت کے پیٹ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے اُسے اپنی ماں کو قریب سے ہوکر دیکھنے کا موقع ملتا ہے۔ وہ اپنی بہن کی گود میں پرورش پاتا ہے۔ چونکہ بہن بھی ایک عورت ہی ہوتی ہے۔ اس لئے اس کے احساسات کا بھی اُسے علم ہوتا ہے۔ اور بالآخر وہ اپنی بیوی کے ذریعہ سے ان مخفی احساسات کو جاننے لگ جاتا ہے جو وہ جذبات کی دنیا میں رکھتی ہے۔ مگر عورت جب اپنے خاوند سے جدا ہوتی ہے۔ اس وقت اس کے سینے میں کس قسم کے خیالات موجزن ہوتے ہیں، اُن سے کوئی آگاہ نہیں ہوسکتا۔ اس سلسلہ میں جو کچھ ہمارے علم میں آتا ہے، وہ اس چیز کا عشر عشیر بھی نہیں ہوتا۔ جو اس کے قلب کی گہرائیوں میں موجود ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے جذبات احساسات کی قربانی کوئی معمولی قربانی نہیں ہوتی۔ ہم اس کا اندازہ لگا ہی نہیں سکتے۔ اس کے ساتھ ساتھ بچوں کی پرورش اور ان کی نگہداشت کی ذمہ داریاں مزید برآں ہوتی ہیں۔

اس قسم کی قربانی میں احمدی خواتین کا قدم بہت بلند ہے۔ اور میں چند خواتین کا اس سلسلہ میں ذکر کئے بغیر رہ نہیں سکتا۔

(۱)

مرحومہ حمیدہ خاتون عرفانی

میری دوسری ہمشیرہ مرحومہ حمیدہ خاتون عرفانی اہلیہ مولوی مطیع الرحمٰن صاحب بنگالی مبلغ امریکہ۔ کی قربانی مجھے سب سے ممتاز نظر آتی ہے۔ مرحومہ سخت بیمار تھیں اور مرض کے شدید دورے ہوتے تھے۔ جن کی وجہ سے وہ ہر وقت موت کے قریب ہو جاتی تھیں درد اس شدت سے اٹھتی تھی کہ چیخیں دُور دُور تک سنائی دیتی تھیں۔ اس حالت میں مولوی صاحب موصوف کو امریکہ جانے کا حکم ہوا۔ مولوی صاحب موصوف نے اپنی اہلیہ کی اس شدید تکلیف کی حالت کو دیکھ کر کہا۔ حمیدہ! اگر تم کہو تو میں حضرت صاحب کو کہہ کر اپنے سفر کو منسوخ کرا لوں؟ مگر بستر مرگ پر لیٹی ہوئی حمیدہ خاتون نے کہا کہ نہیں **آپ جائیں اور مجھے خدا کے حوالہ کر دیں۔ خدمت سلسلہ کے اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیں!**

ایک عورت، ایک کمزور عورت کی یہ قربانی کوئی معمولی قربانی نہیں۔ خود تو وہ بستر مرگ پر لیٹی ہوئی ہے۔ اس کے بچے نہایت چھوٹے چھوٹے ہیں۔ اور ایک رُوح امروز فردا میں اس دنیا میں آنے کی منتظر تھی۔ مگر اس بہادر اور احمدی خاتون نے اس نازک ترین حالت میں اپنے خاوند کو بہت دُور سمندر پار میدان جہاد میں بھیجدیا۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف ابھی لنڈن پہنچے ہی تھے۔ کہ حمیدہ بیگم ایک تین دن کی بچی چھوڑ کر جنت کو سدھار گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان کی تین نشانیاں ہیں۔ ایک بچہ جس کا نام لطف الرحمٰن ہے اور اب کالج میں پڑھتا ہے۔ اور ایک لڑکی امۃ النصیر ہے۔ جو اپنے تایا صاحب کے پاس قادیان میں

رہتی ہے۔ اور وہ تین دن کی چھوٹی بچی امۃ الحمید جس کی پرورش اس کی چھوٹی ممانی اہلیہ شیخ یوسف علی صاحب عرفانی نے اور اس کی نانی یعنی میری والدہ صاحبہ نے کی۔ اب وہ اپنے اباکے ساتھ امریکہ میں ہے۔ اللہ تعالےٰ مرحومہ کی تربت پر اپنے فضلوں کی بارش نازل فرمائے۔ اور اس کے بچوں کو ہر قسم کی دینی اور دنیوی برکتوں کا وارث کرے۔ آمین

(۲)

بہن عائشہ صاحبہ

جناب مولوی رحمت علی صاحب مبلغ جاوا سوماٹرا کی اہلیہ ہیں۔ اور منشی عبدالعزیز صاحب پٹواری ایک پرانے صحابی کی بیٹی ہیں۔ اور بابا محمد حسن صاحب واعظ ایک پرانے صحابی کی بہو ہیں۔ مولوی صاحب کی زندگی کا بہت بڑا حصہ جاوا سوماٹرا وغیرہ میں تبلیغ میں گزرا ہے۔ اور اب جنگ کی وجہ سے چونکہ ڈاک وغیرہ کا کوئی سلسلہ نہیں رہا۔ اور یہ جزائر جاپانیوں کے قبضہ میں چلے گئے ہیں وہ علدم پتہ ہیں۔ ان کو نہ کوئی خرچ بھیجا جا سکتا ہے۔ اور نہ کوئی ان کی خبر آسکتی ہے۔ بہن عائشہ صاحبہ نے جوانی کی عمر کا بہترین حصہ نہایت پاکبازی کے ساتھ گذارا ہے۔ اور اپنے خاوند کو خدا تعالےٰ کے دین کی خدمت کیلئے ہمیشہ بہادری اور دینی وفاداری کے ساتھ بھیجا۔ اس کے سوا بھی بہن صاحبہ سلسلہ کے کاموں میں بڑی دلچسپی لیتی ہیں۔ چندوں کا جمع کرنا اور سلسلہ کی تحریکوں میں حصہ لینا ان کا خاص خاصہ ہے۔

(۳)

اہلیہ صاحبہ مولوی جلال الدین صاحب شمس

مولوی جلال الدین صاحب شمس لنڈن میں آٹھ سال سے تبلیغی خدمت کے لئے گئے ہوئے ہیں۔ ان کی بیگم صاحبہ جو خواجہ عبیداللہ صاحب ایس۔ ڈی۔ او امالار سرحد

کی صاحبزادی ہیں۔ اپنے میاں سے اتنے لمبے عرصے سے الگ ہیں۔ مولوی صاحب کی اولاد ایک لڑکا اور ایک لڑکی ہے۔ لڑکی تو مولوی صاحب کی سفر پر جانے کے چند یوم بعد پیدا ہوئی۔ اس لئے نہ مولوی صاحب نے اپنی پیاری بچی کو دیکھا اور نہ بچی نے اپنے ابا جی کو دیکھا۔ مولوی صاحب موصوف کی بیگم صاحبہ کی یہ قربانی کوئی معمولی قربانی نہیں۔

(۴)

اہلیہ صاحبہ حکیم فضل الرحمٰن صاحب مبلغ افریقہ

حکیم فضل الرحمٰن صاحب مبلغ افریقہ کی زندگی بھی باہر ہی گذری ہے۔ اب انکو گئے بارہ برس کے قریب ہو گئے ہیں۔ ان کی بیوی جو جناب شیخ فضل حق صاحب بٹالوی کی صاحبزادی ہیں۔ کی یہ قربانی کوئی معمولی قربانی نہیں۔ وہ اپنی بیوی کو جوانی کی حالت میں چھوڑ کر گئے تھے۔ اب بارہ سال کے بعد جب وہ آئیں گے۔ تو شاید انکو بڑھاپے کے دروازے پر کھڑا دیکھیں گے۔

(۵)

اہلیہ صاحبہ مولوی نذیر احمد صاحب مبشر سیالکوٹی

ان کا نکاح جناب ڈاکٹر بھائی محمود احمد صاحب کی صاحبزادی سے ہوا ہوا ہے۔ مگر رخصتانہ سے پہلے مولوی صاحب افریقہ چلے گئے۔ جنگ کی وجہ سے واپس نہ ہو سکے اب اُن کو آٹھ نو سال کے قریب ہو گئے ہیں۔ اور ابھی عزیزہ موصوفہ کا رخصتانہ نہیں ہوا۔

اہلیہ صاحبہ مولوی غلام حسین صاحب ایاز مبلغ سنگاپور

یہ خاتون بھی کئی سال سے اپنے میاں کی انتظار میں بیٹھی ہوئی ہیں۔

اب خدا کے لئے ان قربانیوں کو دیکھئے اور غور کیجئے کہ قادیان کی زندگی نے دنیا میں کیا انقلاب پیدا کر دیا ہے۔

ان کے علاوہ بعض اور بھی ایسی خواتین جن کے خاوند اس سے پہلے باہر رہے۔ اور ان کو یہ قربانی کرنی پڑی۔ جیسے چوہدری فتح محمد صاحب ایم۔اے کی اہلیہ مرحومہ۔ قاضی محمد عبداللہ صاحب بی۔اے کی بیوی۔ مولانا نیر صاحب کی اہلیہ مرحومہ۔ مولوی ابوالعطار صاحب کی بیوی۔ مولوی محمد سلیم صاحب کی بیوی۔ صوفی عبدالقدیر صاحب کی بیوی۔ مولوی محمد صادق صاحب کی بیوی۔ مولانا درد صاحب کی بیوی وغیرہ۔ اور اس سلسلہ میں اُن مبلغین کی بیویاں بھی شریک ہیں جو ہندوستان میں سارا سال کام کرتے ہیں اور ان کی بیویاں قادیان میں اپنے بچوں کو لے کر رہتی ہیں۔

اس سلسلہ میں شکریہ کے ساتھ اپنی اہلیہ **مبارکہ محمودہ بیگم صاحبہ** کا نام بھی درج کرنے سے دریغ نہ کروں گا۔ میں ۱۹۲۲ء میں شادی کے ایک دو ماہ بعد مصر روانہ ہو گیا۔ اور وہ چار سال تک نہایت وفاداری کے جذبات سے میری اس خدمت میں شریک حال رہیں۔ اور کبھی مجھے پریشان کرنے کی صورت پیدا نہ کی۔ ایسی خواتین کی ایک بڑی جماعت ہے جنکی تفصیل میں پورے طور پر لکھ نہیں سکتا۔

بعض ممتاز خواتین

اس کے علاوہ بعض اور بھی خواتین ہیں۔ جو اپنے جلیل القدر کاموں کی وجہ سے ممتاز ہیں۔ اور سلسلہ کی خدمت میں اپنی زندگی گذار رہی ہیں۔ ان کا بھی مختصر تذکرہ کرنا یہاں مناسب ہوگا:۔

(۱)

اُستانی مریم بیگم صاحبہ

استانی مریم بیگم صاحبہ حضرت حافظ روشن علی صاحب مرحوم و مغفور کی بیوہ ہیں۔ نہایت عالمہ فاضلہ خاتون ہیں۔ قرآن شریف پڑھانے اور دین سکھانے کا بڑا شغف ہے۔ ان کی چھوٹی ہمشیرہ محمدی بی صاحبہ مولوی فاضل ہیں۔ وہ اپنے علم عربی کی وجہ سے بہت ممتاز ہیں۔

(۲)

اُستانی میمونہ صوفیہ صاحبہ

لجنہ اماء اللہ کے کاموں میں بڑا حصہ لینے والی خاتون ہیں۔ نصرت گرلز ہائی سکول میں عربی اور دینیات کی استانی ہیں۔ عمدہ تقریر کر سکتی ہیں۔ سلسلہ کی سچی روح پیدا کرنے کے لئے لڑکیوں میں شاندار کام کر رہی ہیں۔

(۳)

بھابی زینب صاحبہ

آنکھوں سے معذور ہیں۔ مگر نہایت ذہین نہایت زیرک۔ خدمت سلسلہ کا بے پناہ شوق ہے۔ باوجود معذوری کے سال بھر میں سینکڑوں روپیہ چندہ جمع کر دیتی ہیں۔ عورتوں میں جو تحریکیں کامیاب ہوتی ہیں۔ ان میں بھابی صاحبہ کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اللہ تعالےٰ ان کی خدمات میں برکت دے۔ ان کا کام بڑا ہی قابل رشک اور قابل احترام ہے ؛

یہ قادیان کی مستورات کا مختصر حال ہے۔ جو خواتین میری نظر سے اوجھل رہ گئی ہیں وہ مجھے معاف کریں گی۔ میں ان کی نیکی اور خدمات دینی کا معترف ہوں۔ یہ نقش اوّل ہے۔ دوسرا نقش اس سے انشاء اللہ بہتر ہوگا۔

خاندان نبوت کی خواتین اور بیگمات کا اس جگہ ذکر نہیں کیا گیا۔ اس لئے کہ جب سلسلہ کی عام خواتین کا یہ حال ہے تو ان کی شان اور بزرگی تو خود بخود واضح ہے۔ مجھے امید ہے کہ یہ مختصر ذکر احمدی مستورات کی زندگی پر ایک بصیرت افروز علم دے سکیگا۔

چند اور معزز خواتین کا ذکر

اگر سلسلہ کی خواتین کا جو ہندوستان اور ہندوستان کے باہر تمام ملکوں میں پھیلی ہوئی ہیں ذکر کروں تو یہ ہماری کتاب بھی مکتفی نہیں ہو سکتی۔ مگر میں چند ایسی خواتین کا ذکر ضروری خیال کرتا ہوں جن کے ذکر سے اغماض نہیں برتا جا سکتا۔

حضرت والدہ صاحبہ چوہدری سر محمد ظفر اللہ خانصاحب

چوہدری سر محمد ظفر اللہ خانصاحب کی والدہ صاحبہ اگرچہ وفات پا چکی ہیں۔ مگر وہ ایک صاحب کشف و الہام خاتون تھیں۔ بڑی عابدہ زاہدہ اور خدا رسیدہ خاتون تھیں ۲۵-۱۹۲۴ء میں جبکہ حکومت کے کارندے ہماری جماعت کے خلاف ہر قسم کی کوششیں کر رہے تھے۔ اسوقت حضرت محترمہ کو اسقدر جوش تھا کہ آپنے وائسرائے بہادر سے ملاقات کی۔ اور ان کارروائیوں کے خلاف زبردست پروٹسٹ کیا۔ اللہ تعالیٰ آپکو غریق رحمت کرے۔

محترمہ اہلیہ صاحبہ حضرت سیٹھ عبد اللہ بھائی الہ دین صاحب

آپ بھی بڑی عابدہ زاہدہ اور خدا رسیدہ خاتون ہیں۔ سلسلہ کی خدمت کیلئے ہر وقت تیار۔ اور احمدی مہمانوں کیلئے آپ کا دستر خوان بڑا وسیع۔ مالی قربانی میں اپنے محترم خاوند کے پہلو بہ پہلو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی عمر اور آل و اولاد میں برکت عطا فرمائے۔

والدہ صاحبہ سردار امیر محمد خانصاحب

آپ بھی بڑی نیک متقی۔ پرہیزگار۔ سلسلہ کی تبلیغ کا از حد شوق رکھنے والی خاتون ہیں۔ اسی سلسلہ میں خاندان سیٹھ محمد غوث صاحب حیدرآباد دکن کی مستورات ہیں جو سلسلہ احمدیہ کے لئے ہر قسم کی مالی اور جانی قربانیاں کرنے کیلئے تیار رہتی ہیں۔ اور اسی طرح اور بھی بہت سی خواتین ہیں جن کا تذکرہ بوجہ تنگی جگہ نہیں کر سکتا۔

شہدائے احمدیت

۱۔ مولوی عبدالرحمٰن صاحب شہید کابل
۲۔ صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید کابل
۳۔ مولوی نعمت اللہ خاں صاحب شہید کابل
۴۔ مولوی عبیداللہ صاحب مولوی فاضل شہید ماریشس
۵۔ شاہزادہ عبدالمجید خانصاحب شہید ایران
۶۔ مولوی رفیق احمد صاحب شہید ترکستان

رضی اللہ تعالیٰ عنہم و رضوا عنہ

شہدائے احمدیت

سلسلہ عالیہ احمدیہ کو ہر ایک وہ چیز میسر آئی ہے جو الٰہی سلسلوں کو میسر آتی ہے۔ قوموں کی ترقی کے اسباب میں ایک شہداء کا خون بھی ہے۔ یہ خون اس قوم کی ترقی کے لئے ایک کھاد کا کام دیتا ہے۔ اور اس امر کی ایک حسی دلیل بن جاتا ہے۔ کہ اگر اس شہید نے ملموس طور پر ایک یقین کو پا نہیں لیا تھا۔ تو اس نے جان کیوں دی۔ صحابہ رض کو اس قسم کی بے شمار قربانیاں کرنی پڑیں۔ اور اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ماننے والوں کو بھی ایسی قربانیوں سے دوچار ہونا پڑا۔ ہندوستان میں چونکہ حکومت برطانیہ کی طرف سے ہر شخص کو کامل اور مکمل طور پر مذہبی آزادی تھی۔ اس لئے اس رنگ میں جماعت احمدیہ کے افراد کو شہید نہیں کیا گیا۔

مگر

مکمل بائیکاٹ کی وجہ سے احمدیوں کو ہر ممکن تکالیف دی گئیں۔ چنانچہ ہندوستان کے گوشے گوشے میں ان پر ہر قسم کی تکلیفوں کو ڈالا گیا۔ ان کے پانی بند کئے گئے۔ اور خرید و فروخت کی چیزیں ان کے ہاتھ فروخت کرنے سے انکار کیا گیا۔ راہ چلتے احمدیوں پر خشت باری اور طرح طرح کے عذاب دئے جاتے رہے۔ چنانچہ بریلی کے احمدیوں پر جب پانی بند کیا گیا۔ تو ایک شاعر احمدیت نے کہا ؎

ہم حسینی ہیں کہ جو بند ہے پانی ہم پر + وہ یزیدی ہے جو دیتا نہیں پانی ہمکو

مسجدوں میں احمدیوں کا داخلہ بند کر دیا گیا۔ قبرستانوں میں دفن ہونے سے روک دیا گیا۔ احمدیوں کی اُن بیویوں کو جنہوں نے ابھی بیعت نہیں کی تھی کہا گیا کہ تمہارے نکاح ٹوٹ گئے ہیں۔ اس طرح مردوں سے ان کی عورتیں چھین لی گئیں۔ اور عورتوں سے ان کے مرد جدا کر دئے گئے۔ ماؤں نے بچوں کو احمدیت کی وجہ سے پھینک دیا۔ اور باپوں نے ہر ممکن تعدی ان پر جائز سمجھی۔ اس حالت کو اور ان دل دوز حالات کو سنکر حضرت مسیح موعود علیہ السلام بھی یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ؎

کربلائے ست سیر ہر آنم
صد حسینؓ است در گریبانم

وہ جو محض قبولیت حق کی وجہ سے حسینؓ کی طرح سے مارے پیٹے اور دکھ دئے جاتے تھے وہ سینکڑوں کی تعداد میں تھے۔ جن کا درد و غم ہر وقت مسیح موعود علیہ السلام کو ستا رہا تھا۔ اس لئے آپ نے فرمایا کہ میں تو ہر گھڑی کربلا کی سیر کرتا رہتا ہوں۔ میرے دامن میں سینکڑوں مظلوم پڑے ہوئے ہیں۔ جن کو ان ظلموں کی وجہ سے حضرت امام حسین رضؓ سے ایک نسبت ہے۔ نادانوں نے اس شعر سے حضرت امام حسین علیہ السلام کی توہین سمجھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ جو خود اس کوچہ سے ناواقف ہیں جس میں حضرت امام حسینؓ گذرے اُن کو اُن کے مقام اور شان کا کیا پتہ ہو سکتا ہے۔ یہ تو وہی جان سکتا ہے جو اس کوچہ میں کھڑا ہو۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام کی انتہائی مظلومیت کی شان کا اظہار فرمایا۔ جبکہ ان مظلوموں کی بے گناہی اور سچائی کا ذکر بھی اس ضمن میں فرمایا۔

پس

احمدیت میں آنے والوں کے ساتھ ان سب قسم کی برائیوں اور درندگیوں کا سلوک کیا گیا۔ جو سنگ دل اور قسی القلب لوگ راستبازوں سے کیا کرتے ہیں۔ تبھی آپؑ نے فرمایا ؎

اے مرے پیارو شکیب و صبر کی عادت کرو + وہ اگر پھیلائیں بدبو تم بنو مشکِ تتار
چپ رہو تم دیکھ کر ان کے رسالوں میں ستم + دم نہ مارو گر وہ ماریں اور کر دیں حال زار

ایسے مظلوموں کی تعداد ہزارہا سے بھی زاید ہے۔ جنھوں نے اس سلسلہ میں ماریں کھائیں اور پیٹے گئے۔ بہت سے ان میں سے ایسے ہیں کہ جن کے مُنہ سیاہ کئے گئے۔ اور اُن کو گدھوں پر سوار کر کے گاؤں کے لڑکوں نے ان کے پیچھے تالیاں پیٹیں۔ مگر ان تمام باتوں سے حق کے متولے کبھی مٹ جایا کرتے ہیں؟ یہ چیزیں تو اُن کے عشق و محبت میں اک اور آگ لگا دیا کرتی ہیں۔ جیسے جیسے دشمنوں کا جنون بھڑکتا تھا۔ ان کی محبت کی چنگاری کو ہوا ملتی تھی اور وہ چنگاری اک ایسی آتشِ شوق بنتی جا رہی تھی۔ کہ جو دنیاوی آلائشوں کو بھسم کرتی جاتی تھی۔ اور وُہ بھی دیوانہ وار اس نور کے مخفی خزانہ کی منادی کرتے تھے۔ اس منادی میں ان کو کیسی تکالیف پہنچ رہی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام خود فرماتے ہیں ؎

دعوتِ ہر ہرزہ گو کچھ خدمتِ آساں نہیں
ہر قدم میں کوہِ ماراں ہر گذر میں دشتِ خار

اس طرح انہوں نے نہ صرف ان تکالیف کو برداشت کیا۔ بلکہ ہر پُرخار دشت میں گذرتے ہوئے تبلیغ حق کا کام کرتے رہے۔

مگر

ایک اور جماعت ایسے لوگوں کی بھی تھی۔ جنھوں نے صدق و وفا سے جامِ شہادت نوش کر لیا۔ میری کتاب نامکمل رہیگی اگر میں ان شہدائے احمدیت کا تذکرہ چھوڑ دوں۔ جو اس میدان میں سب سے آگے نکل گئے۔

(۱)

مولوی عبد الرحمٰن صاحب شہید

اس سلسلہ میں پہلا نام حضرت مولوی عبد الرحمٰن صاحب شہید کا ہے۔ جو صاحبزادہ

عبداللطیف صاحب شہید کے شاگرد رشید تھے۔ اور اُنہی کے ایماء پر دو تین دفعہ قادیان آئے تھے۔ ہر دفعہ کئی کئی ماہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت میں رہے تھے۔ اس لئے اُن پر ایک خاص رنگ چڑھ چکا تھا۔ اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تعلیم سے پورا حصہ لے چکے تھے۔ انہی ایام میں حضرت اقدس نے ممانعت جہاد کا حکم شائع فرمایا تھا۔ یہ زمانہ امیر عبدالرحمٰن خاں کا تھا۔ شہید عبدالرحمٰن صاحب نے کابل میں احمدیت کی تبلیغ کے ساتھ اپنے اس خیال کا بھی ذکر شروع کیا۔ کہ انگریزوں سے جہاد کرنا درست نہیں ہے۔ کیونکہ کئی کروڑ مسلمان امن و عافیت کے ساتھ اُن کے زیرِ سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ یہ خبر رفتہ رفتہ امیر تک پہنچ گئی۔ اور بعض پنجابیوں نے جو وہاں امیر کے ہاں ملازم تھے امیر کو بھڑکایا۔ کہ یہ ایک پنجابی شخص کا مُرید ہے جو مسیح موعود ہونے کا مدعی ہے۔ ان باتوں کو سُن کر امیر بہت ہی برافروختہ ہُوا۔ اور شہید عبدالرحمٰن کو قید کر لیا۔ اور اس امر کی تحقیقات کرنے کے بعد کہ واقعی یہ شخص حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا مُرید ہے۔ اُن کے گلے میں کپڑا ڈال کر اور اس کپڑے کے ذریعے ان کا گلا گھونٹ کر اُن کو شہید کر دیا گیا۔ یہ ہمارے سلسلہ کے پہلے شہید تھے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔

۲

حضرت مولوی صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید رئیس اعظم خوست

صاحبزادہ صاحب خوست کے علاقہ کے ایک بہت بڑے رئیس اور بزرگ تھے۔ بڑے عالم و فاضل اور صاحبِ الہام و کشف بزرگ تھے۔ افغانستان میں اُن کے

ہزار ہا مرید اور شاگرد تھے۔ ان تک حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابیں پہنچیں تو آپ پر حق کھل گیا۔ اور آپ پر حضرت اقدس کی محبت کا اس قدر غلبہ ہوا۔ کہ آپ نے حج کے ارادہ سے کابل سے سفر کیا اور یہ عزم کیا کہ راستہ میں حضرت اقدس کی زیارت سے بھی مشرف ہوں گا۔ چنانچہ وہ قادیان آئے اور یہاں کئی ماہ تک رہے۔ اور حج کا وقت بھی گذر گیا۔ حضرت اقدس نے ان کی نسبت تذکرۃ الشہادتین میں تحریر فرمایا ہے :۔

"جب مجھ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ تو قسم اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ میں نے ان کو اپنی پیروی اور اپنے دعویٰ کی تصدیق میں ایسا فنا شدہ پایا کہ جس سے بڑھ کر انسان کے لئے ممکن نہیں۔ اور جیسا کہ ایک شیشہ عطر سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ ایسا ہی میں نے اُن کو اپنی محبت سے بھرا ہوا پایا۔ اور جیسا کہ اُن کا چہرہ نورانی تھا، ایسا ہی ان کا دل مجھے نورانی معلوم ہوتا تھا۔ اس بزرگ مرحوم میں نہایت قابل رشک یہ صفت تھی۔ کہ درحقیقت وہ دین کو دنیا پر مقدم رکھتے تھے۔ اور وُہ درحقیقت ان راستبازوں میں سے تھے۔ جو خدا سے ڈر کر اپنے تقویٰ اور اطاعت الٰہی کو انتہا تک پہنچاتے ہیں۔ اور خدا کو خوش کرنے کے لئے اور اس کی رضا حاصل کرنے کے لئے اپنی جان اور عزت اور مال کو ایک ناکارہ خس و خاشاک کی طرح اپنے ہاتھ سے چھوڑ دینے کو تیار ہوتے ہیں۔ اس کی ایمانی قوت اس قدر بڑھی ہوئی تھی۔ کہ اگر میں اس کو ایک بڑے سے بڑے پہاڑ سے تشبیہ دوں تو میں ڈرتا ہوں کہ میری تشبیہ ناقص نہ ہو۔"

(تذکرۃ الشہادتین ص۷)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی مندرجہ بالا تحریر سے صاحبزادہ صاحب کی علو شان کا پتہ لگ سکتا ہے کہ وہ کس شان کے بزرگ تھے۔ اس کے سوا دنیاوی وجاہت سے بھی ان کو بہت بڑا حصہ ملا تھا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ :۔

"ریاست کابل میں کئی لاکھ کی ان کی اپنی جاگیر تھی اور انگریزی عملداری میں بھی بہت سی زمین تھی ۔ طاقت علمی اس درجہ تک تھی ۔ کہ ریاست نے تمام مولویوں کا اُن کو سردار قرار دیا تھا ۔ وہ سب سے زیادہ عالم ۔ علم قرآن اور حدیث اور فقہ میں سمجھے جاتے تھے ۔ اور نئے امیر کی دستار بندی کی رسم بھی اُنہیں کے ہاتھ سے ہوتی تھی ۔ اور اگر امیر فوت ہو جائے تو اس کے جنازہ پڑھنے کیلئے بھی وہی مقرر تھے .... ریاست کابل میں پچاس ہزار کے قریب اُن کے معتقد اور ارادتمند ہیں جن میں سے بعض ارکان ریاست بھی تھے "

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۱۲)

اس سے آپ کی ظاہری وجاہت کا پتہ لگ سکتا ہے حضرت صاحبزادہ صاحب قادیان میں کئی ماہ تک مقیم رہے ۔ اور اس کے منشائے الٰہی کے ماتحت آپ اپنے ملک کو واپس تشریف لے گئے ۔ آپ نے پہلے انگریزی علاقہ میں قیام کیا ۔ اور اپنے ایک شاگرد بریگیڈیر محمد حسین کوتوال کو ایک خط لکھا کہ اگر امیر صاحب میرے آنے کی اجازت دیں تو میں آجاؤں ۔ اس وقت امیر حبیب اللہ خان امیر کابل تھے ۔ اس خط میں صاحبزادہ صاحب نے یہ بھی لکھا ۔ کہ :-

" اگرچہ میں حج کے ارادے سے گیا تھا ۔ مگر مسیح موعود کی مجھے زیارت ہو گئی اور چونکہ مسیح کے ملنے کے لئے اور اس کی اطاعت مقدم رکھنے کے لئے خدا اور رسول کا حکم ہے ۔ اس مجبوری سے مجھے قادیان ٹھہرنا پڑا ۔ اور میں نے اپنی طرف سے یہ کام نہ کیا ۔ بلکہ قرآن اور حدیث کی رو سے اسی امر کو ضروری سمجھا "

کوتوال صاحب نے اس خط کو اس وقت پیش نہ کیا ۔ مگر اُن کے نائب نے جو شریر آدمی تھا ۔ اس خط کو نکال کر امیر صاحب کے پیش کیا ۔ چند دن کے بعد حضرت صاحبزادہ صاحب نے ایک دوسرا خط کوتوال صاحب کو لکھا ۔ وہ ڈاک خانہ والوں نے

کھول کر امیر صاحب کے پیش کر دیا۔ اس پر امیر صاحب نے شہید صاحب کو ایک خط لکھوایا کہ آپ بلا خطرہ چلے آئیں۔ اس خط کی بناء پر شہید مرحوم کابل تشریف لے آئے۔ کابل پہنچنے پر وہ گھوڑے پر سوار تھے۔ اور آٹھ سرکاری سوار اُن کے ساتھ تھے۔ گویا کہ اُسی وقت ان کو حراست میں لے لیا گیا۔ لوگوں میں یہ عام چرچا ہو چکا تھا کہ صاحبزادہ صاحب کو دھوکے سے بلایا گیا ہے۔ وہ کابل میں اس طرح گرفتاری کی حالت میں امیر صاحب کے سامنے پیش کئے گئے۔ امیر صاحب کا مزاج بہت برہم تھا اور بہت جوش میں تھے۔ حکم دیا کہ ان کو مجھ سے دور کھڑا کرو۔ مجھے ان سے بُو آتی ہے۔ اور پھر یہ حکم دیا کہ ان کو قلعہ میں قید کر دو۔ اور زنجیر غراب میں جکڑ دو۔ یہ زنجیر وزنی ایک من چوبیس سیر انگریزی کی ہوتی ہے۔ گردن سے کمر تک گھیر لیتی ہے۔ اور اس میں ہتھکڑی بھی شامل ہے۔ اور نیز حکم دیا کہ پاؤں میں بیڑی وزنی آٹھ سیر انگریزی کی لگا دو۔ پھر چار ماہ تک ان کو قید رکھا۔ اس عرصہ میں امیر صاحب نے صاحبزادہ صاحب کو ہر ممکن طریق سے سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اپنے عقیدے سے توبہ کر لیں۔ مگر انہوں نے ہر بار جواب دیا

"میں صاحب علم ہوں۔ اور حق و باطل کی شناخت کرنے کی خدا نے مجھے قوت عطا کی ہے۔ میں نے پوری تحقیق سے معلوم کر لیا ہے کہ یہ شخص درحقیقت مسیح موعود ہے۔ اگرچہ میں جانتا ہوں کہ میرے اس پہلو کے اختیار کرنے میں میری جان کی خیر نہیں ہے اور میرے اہل و عیال کی بربادی ہے۔ مگر میں اس وقت اپنے ایمان کو۔ اپنی جان اور ہر ایک دنیوی راحت پر مقدم سمجھتا ہوں۔"

(تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۴۹)

پھر ایک دوسرے موقعہ پر صاحبزادہ صاحب نے فرمایا:۔

"مجھ سے یہ امید مت رکھو کہ میں ایمان پر دنیا کو مقدم رکھ لوں۔ اور کیونکر ہو سکتا ہے

کہ جس کو میں نے خوب شناخت کرلیا اور ہر ایک طرح سے تسلی کرلی۔ اپنی موت کے خوف سے انکار کردوں۔ یہ انکار تو مجھ سے نہیں ہوگا میں دیکھ رہا ہوں کہ میں نے حق کو پالیا ہے۔ اس لئے چند روزہ زندگی کے لئے مجھ سے یہ بے ایمانی نہیں ہوگی کہ اس ثابت شدہ حق کو چھوڑ دوں۔ میں جان چھوڑنے کے لئے تیار ہوں اور فیصلہ کرچکا ہوں۔ مگر حق میرے ساتھ جائے گا۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ)

صاحبزادہ صاحب نے ان لوگوں پر اتمام حجت کے لئے امیر کو کہا کہ ان مولویوں سے میری بحث کرائی جائے۔ چنانچہ مسجد شاہی میں خان مُلّا خان اور آٹھ مفتی بحث کے لئے مقرر ہوئے۔ اور ایک لاہوری ڈاکٹر جو سخت مخالف تھا ثالث مقرر ہوا۔ بحث تحریری ہوئی اور کسی شخص کو وُہ پرچے سنائے نہ گئے۔ صبح سات بجے سے شام کے تین بجے تک مباحثہ رہا۔ مباحثہ کے بعد عصر کے وقت صاحبزادہ صاحب پر کفر کا فتویٰ لگا دیا گیا۔ آخری بات ان علماء نے یہ کہی کہ "اگر مسیح موعود یہی قادیانی شخص ہے۔ تو پھر تم حضرت عیسےٰ علیہ السلام کی نسبت کیا کہتے ہو۔ کیا وہ واپس دنیا میں آئیں گے یا نہیں؟" تو انہوں نے بڑی استقامت سے جواب دیا کہ "حضرت عیسےٰ علیہ السلام فوت ہوچکے ہیں اب وہ ہرگز واپس نہیں آئیں گے۔ قرآن کریم ان کے مرنے اور واپس نہ آنے کا گواہ ہے۔" یہ سُنکر وہ گالیاں دینے لگے۔ اور کہا اب اس شخص کے کفر میں کیا شک رہا۔ بحث کے وقت آٹھ سپاہی برہنہ شمشیر بکف آپ کے سر پر کھڑے تھے۔ بحث کے بعد آپ کو پابہ زنجیر قید خانہ میں بھیج دیا گیا۔ اور وہ فتویٰ کفرات کو ہی امیر صاحب کے پاس بھیجدیا گیا۔ اور بحث کے پرچے نہ بھیجے گئے۔

دوسرے دن شنبہ کو صبح کے وقت صاحبزادہ صاحب کو سلام خانہ میں

خاص مکان دربار امیر صاحب میں بلایا گیا۔ اس وقت بھی بہت بڑا مجمع تھا۔ امیر صاحب جب "ارک" یعنی قلعہ سے نکلے تو راستہ میں شہید صاحب ایک جگہ بیٹھے تھے۔ اُن کے پاس سے ہو کر گذرے اور پوچھا کہ اخوندزادہ صاحب کیا فیصلہ ہوا؟ شہید صاحب مرحوم نے کوئی جواب نہ دیا۔ مگر سپاہیوں میں سے کسی نے کہا۔ ملامت ہو گیا ہے یعنی کفر کا فتویٰ لگ گیا ہے۔ پھر امیر صاحب اپنے اجلاس پر آئے اور اجلاس پر بیٹھتے ہی آپ کو بلایا اور کہا کہ آپ پر کفر کا فتویٰ لگ گیا ہے کیا آپ توبہ کرو گے یا سزا پاؤ گے۔ تو آپ نے صاف لفظوں میں انکار کیا اور فرمایا:۔

"میں حق سے توبہ نہیں کر سکتا۔ کیا میں جان کے خوف سے باطل کو مان لوں۔ یہ مجھ سے نہیں ہو گا"

آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں قتل سے چھ روز بعد زندہ ہو جاؤں گا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس قول کی یوں تشریح فرمائی۔

"اس قول کے یہ معنے تھے۔ کہ وہ زندگی جو اولیاء اور ابدال کو دی جاتی ہے چھ روز تک مجھے مل جائیگی۔ اور قبل اس کے جو خدا کا دن آوے یعنی ساتواں دن، میں زندہ ہو جاؤں گا۔ اور یاد رہے کہ اولیاء اللہ اور وہ خاص لوگ جو خدا تعالےٰ کی راہ میں شہید ہوتے ہیں۔ وہ چند دنوں کے بعد پھر زندہ کئے جاتے ہیں جیسے کہ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔ وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ۔ یعنی تم ان کو مُردے خیال مت کرو۔ جو اللہ کی راہ میں قتل کئے جاتے ہیں۔ وہ تو زندہ ہیں پس شہید مرحوم کا اسی مقام کی طرف اشارہ تھا۔ اور میں نے ایک کشفی نظر میں دیکھا کہ ایک درخت سرو کی ایک بڑی لمبی شاخ جو خوبصورت اور سرسبز تھی ہمارے باغ سے کاٹی گئی ہے۔ اور وہ ایک شخص کے ہاتھ میں ہے۔ تو کسی نے کہا

کہ اس شاخ کو اس زمین میں جو میرے مکان کے قریب ہے اس بیری کے پاس لگا دو۔ جو اس سے پہلے کاٹی گئی تھی۔ اور پھر دوبارہ اُگیگی اور ساتھ ہی مجھے یہ وحی الہی ہوئی۔

کابل سے کاٹا گیا اور سیدھا ہماری طرف آیا

اسکی میں نے یہ تعبیر کی۔ کہ تخم کی طرح شہید مرحوم کا خون زمین پر پڑا ہے۔ اور وُہ بہت بارور ہو کر ہماری جماعت کو بڑھا دے گا۔ اس طرف میں نے یہ خواب دیکھی اور اس طرف شہید مرحوم نے کہا۔ کہ چھ روز تک میں زندہ کیا جاؤں گا۔ میری خواب اور شہید مرحوم کے اس قول کا مآل ایک ہی ہے شہید مرحوم نے مر کر میری جماعت کو ایک نمونہ دیا تھا۔ اور درحقیقت میری جماعت ایک بڑے نمونہ کی محتاج تھی"۔

(تذکرۃ الشہادتین صـ۵۵)

"تب شہید مرحوم کے گلے میں سنگساری کا فتویٰ لٹکا دیا گیا۔ اور آپ کے ناک میں چھید کر کے رسّی ڈال دی گئی۔ تا کہ اس سے کھینچ کر آپ کو مقتل میں لے جایا جائے۔ چنانچہ اس رسّی کے ذریعے نہایت ٹھٹھے اور ہنسی اور گالیوں اور لعنت کے ساتھ مقتل میں لے گئے۔

اور امیر اپنے تمام مصاحبوں کے ساتھ اور مع قاضیوں مفتیوں اور دیگر اہلکاروں کے یہ دردناک نظّارہ دیکھتا ہوا مقتل تک پہنچا۔ اور شہر کی ہزارہا مخلوق جن کا شمار کرنا مشکل ہے۔ اس تماشے کو دیکھنے کے لئے گئی جب مقتل پر پہنچے۔ تو شاہزادہ مرحوم کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا۔ اور پھر اس حالت میں جبکہ وہ کمر تک زمین میں گاڑ دیئے گئے تھے۔ امیر اُن کے پاس گیا۔ اور کہا کہ اگر تو قادیانی سے جو مسیح موعود کا دعویٰ کرتا ہے انکار کرے۔ تو

اب بھی میں تجھے بچالیتا ہوں۔ اب تیرا آخری وقت ہے اور یہ آخری موقعہ ہے جو تجھے دیا جاتا ہے۔ اور اپنی جان اور اپنے عیال پر رحم کر۔ تب شہید مرحوم نے جواب دیا کہ

نعوذ باللہ سچائی سے کیونکر انکار ہو سکتا ہے۔ اور جان کی کیا حقیقت ہے اور عیال واطفال کیا چیز ہیں جن کے لئے میں ایمان کو چھوڑ دوں۔ مجھ سے ہرگز ایسا نہیں ہوگا اور میں حق کے لئے مروں گا۔

تب قاضیوں اور مفتیوں نے شور مچایا کہ **کافر** ہے کافر ہے اس کو جلد سنگسار کرو۔ اس وقت امیر اور اس کا بھائی نصر اللہ خاں اور قاضی عبد الاحد کمیدان یہ لوگ سوار تھے اور باقی لوگ پیادہ تھے۔ جب ایسی نازک حالت میں شہید مرحوم نے بار بار کہدیا کہ **میں ایمان کو جان پر مقدم رکھتا ہوں۔**

تب امیر نے قاضی کو حکم دیا کہ پہلا پتھر تم چلاؤ۔ کہ تم نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ قاضی نے کہا کہ آپ بادشاہِ وقت ہیں آپ چلاویں۔ تب امیر نے جواب دیا کہ شریعت کے تم ہی بادشاہ ہو اور تمہارا ہی فتویٰ ہے۔ اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔ تب قاضی نے **گھوڑے سے اتر کر ایک پتھر چلایا**۔ جس پتھر سے شہید مرحوم کو زخم کاری لگا۔ **اور گردن جھک گئی**۔ پھر بعد اس کے بدقسمت امیر نے اپنے ہاتھ سے پتھر چلایا۔ پھر کیا تھا۔ اس کی پیروی میں ہزاروں پتھر اس شہید پر پڑنے لگے۔ اور کوئی حاضرین میں سے ایسا نہ تھا جس نے اس شہید مرحوم کی طرف پتھر نہ پھینکا ہو۔ یہاں تک کہ کثرت پتھروں سے شہید مرحوم کے سر پر ایک کوٹھا پتھروں کا جمع ہو گیا۔" (تذکرۃ الشہادتین صفحہ ۵۵)

اس طرح وہ معصوم اور بے گناہ پاکباز انسان، احمدیت کی سچائی کا اپنے خون کے

ایک ایک قطرے سے اعلان کرتا ہوا ۱۴ر جولائی ۱۹۰۳ء کو شہید ہوگیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کی نسبت تحریر فرمایا:۔

"اے عبداللطیف تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تونے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا۔" (رمث ۵۸)

پھر منظوم کلام میں فرمایا ؎

آں جواں مرد و حبیب کردگار — جوہر خود کرد آخر آشکار
نقد جاں از بہر جاناں یافتہ — دل ازیں فانی سرا پرداختہ
پُر خطر ہست ایں بیابان حیات — صد ہزاراں اژدہائش در جہات
صد ہزاراں آتشے تا آسماں — صد ہزاراں سیل خوں خوار و دماں
صد ہزاراں فرسخے تا کوئے یار — دشت پُر خار و بلائش صد ہزار
بنگر ایں شوخی ازاں شیخ عجم — ایں بیاباں کرد طے از یک قدم

کابل کو اس کی سزا ملی

اس خون ناحق کی سزا کابل کو یہ ملی۔ صبح ہونے تک کابل میں ہیضہ پھوٹ پڑا اور روزانہ چارسو کے قریب اشخاص ہلاک ہونے لگے۔ اور اس رات لوگوں نے آسمان کو دیکھا کہ وہ خون کی طرح سُرخ تھا۔

اس دردناک واقعہ کے بعد مزید کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ ہر شخص کو ایمان اور سچائی کا خود بخود پتہ چل جائے گا۔ جس کی خاطر اتنے عظیم الشان انسان نے اس طرح سے جان دی۔ اے خدا اس کی تربت پر دن رات اپنے فضلوں کی بارشیں نازل فرما۔ آمین۔

(۳)

حضرت مولوی نعمت اللہ خانصاحب شہید

کابل کی سرزمین میں تیسری شہادت حضرت مولوی نعمت اللہ خان صاحب شہید کو محض احمدی ہونے کی وجہ سے حاصل ہوئی۔ پہلی شہادت حضرت عبدالرحمٰن صاحب شہید کی تھی۔ جن کو امیر عبدالرحمٰن خاں کے زمانے میں گلا گھونٹ کر قتل کیا گیا تھا پھر صاحبزادہ سید عبداللطیف صاحب شہید کو امیر حبیب اللہ خاں کے زمانے میں سنگسار کیا گیا۔ اب مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کو امیر امان اللہ خاں کے زمانے میں سنگسار کیا گیا۔

نعمت اللہ خاں صاحب شہید کو اپنی شہادت سے پہلے علم ہو چکا تھا۔ کہ حکومت ان کے خلاف شدید نوٹس لینے والی ہے۔ وہ اگر چاہتے تو کابل کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلے جاتے۔ یا رُو پوش ہو جاتے۔ مگر نعمت اللہ خان نے اس چیز کو اپنی مومنانہ شان اور ایمانی غیرت کے منافی خیال کیا۔

ابتداء میں کابل کی پولیس نے ان کا سرسری بیان لیا۔ اس وقت بھی اُن کیلئے نکل بھاگنے کا موقع تھا۔ مگر جن لوگوں نے انوارِ الٰہی کا بچشم خود مشاہدہ کر لیا ہو۔ اور جو محبت کی آگ میں جل رہے ہوں۔ جنھوں نے مئے عشق کے جام بھر بھر کے پیئے ہوں۔ اُن کو تو محبت الٰہی کی ایک۔ ایسی مستی اور خمار ہوتا ہے کہ وہ پھر موت کے میدان سے بھاگنا محبت الٰہی سے غدّاری یقین کرتے ہیں۔ الغرض۔ وہ اس علم کے باوجود اس جگہ سے جہاں ان کو حضرت امام نے مقرر کیا تھا نہ ہٹے اور نہ ہلے۔ بالآخر ان کو گرفتار کر لیا گیا۔ جیل کی تاریک کوٹھڑی میں بند کیا گیا۔ اور ان کو ہر ممکن تکلیف دی گئی۔ اس تکلیف کا مختصر ذکر نعمت اللہ خاں شہید نے اپنے ایک خط میں تحریر کیا ہے۔ جسے ہم اہلِ انصاف

کے لئے نقل کرتے ہیں۔ یہ مرحوم کا آخری خط ہے۔ جو ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ کو انہوں نے
یل خانہ سے لکھ کر بھجوایا۔ اصل خط فارسی میں ہے۔ یہاں صرف ترجمہ دیا جاتا ہے:۔

مکتوب شہید

"بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم
بخدمت جناب مکرم ومعظم حضرت ....
السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ شرف ومکرم باد

اما بعد یہ کمینہ داعی اسلام تیئیس ۲۳ روز سے توقیف خانہ میں قید ہے جس کا دروازہ اور روشندان سبھی بند رہتے ہیں۔ اور صرف ایک حقہ کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور کسی کے ساتھ بات کرنے کی بھی ممانعت ہے۔ جب میں وضو اور طہارت کے لئے جاتا ہوں، تو ساتھ پہرہ ہوتا ہے۔ خادم کو قید خانے میں آنے کے دن سے لے کر اس وقت تک چار کوٹھڑیوں میں تبدیل کر چکے ہیں۔ لیکن جس قدر بھی زیادہ اندھیرا ہوتا ہے۔ خدا تعالےٰ مجھے روشنی اور اطمینانِ قلب دیتا جاتا ہے۔ جس دن میں قید خانے میں آیا ہوں۔ اس دن اخراجات کے لئے ایک پیسہ بھی میرے پاس نہ تھا۔ بلکہ مبلغ پچاس روپے کا مقروض تھا۔ اور اس دن سے اب تک میرے لئے ...... خرچ بھیجتا ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اب میں ان کا کس قدر قرضدار ہو چکا ہوں۔ اور یہ عاجز اس سے پہلے اور لوگوں کا بھی قرضدار تھا۔

آپ کو چاہیئے کہ مُلّا بیچارہ سے دریافت کریں کہ انہوں نے کس قدر میرے لئے خرچ کیا ہے۔ اس سے خط لے کر حضرت خلیفۃ المسیح علیہ السلام کے حضور بھیج دیں۔ علاوہ ازیں بذریعہ تار یا خط میرے احمدی بھائیوں کو میرے حال سے اطلاع

دے دیں۔ تا وہ دعا فرما دیں۔ کہ

خدا تعالےٰ مجھے دین متین کی خدمت میں کامیاب کرے۔

میں ہر وقت قید خانہ میں خدا تعالےٰ سے یہ دعا مانگتا ہوں۔ الٰہی! اپنے نالائق بندے کو دین کی خدمت میں کامیاب کر۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ مجھے قید خانہ سے رہائی بخش اور قتل ہونے سے نجات دے۔ بلکہ میں یہ عرض کرتا ہوں کہ الٰہی! اس بندہ نالائق کے وجود کا ذرہ ذرہ اسلام پر قربان کر۔

پس اگر قضائے الٰہی میں خاکسار کی موت مقدر ہے تو عرض ہے کہ براہِ کرم ومہربانی حقیر۔ خادم۔ نابکار کا کتبہ اصحاب مسیح موعود کے زمرہ میں مقبرہ بہشتی میں لگایا جائے۔ خادم کا نام وعمر ۳۴ سال۔ والد کا نام امان اللہ ضلع پنج شیر تحصیل رخہ۔ موضع خوجہ۔

میرے احمدی بھائی آگاہ رہیں۔ کہ خاکسار کی موت سے نہ ڈریں۔ اس وقت آزادی کی نسبت قید خانہ میں ہزارہا درجہ زیادہ لذت حاصل ہو رہی ہے۔ اور خدا تعالےٰ سے امید رکھتا ہوں۔ کہ موت سے اور بھی زیادہ حاصل ہوگی۔

اس وقت تک کہ اتوار کا دن ہے دو مرتبہ میرا بیان لیا گیا ہے۔ اور یہ بھی سُن رہا ہوں کہ میری کتابوں کو بھی ضبط کر لیا گیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے کیا ہونے والا ہے۔ فقط والسلام

۲۸ رذی الحجہ ۱۳۴۲ھ ہجری

خاکسار نعمت اللہ احمدی

از قید خانہ "

مجھے اس خط پر کوئی مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ اس کا ایک ایک لفظ صداقتِ احمدیت کی منہ بولتی تصویر ہے۔ خدا کے لئے اپنے ایمانوں کو اس شخص کے ایمان سے موازنہ کر کے دیکھو۔ جیل خانہ کی تیرہ و تار کوٹھڑیوں میں پڑا ہوا ہے۔ جہاں روشنی اور ہوا جیسی چیزیں جو سؤروں اور کتوں کو بھی مفت میسر ہیں۔ جو فاسقوں اور فاجروں اور خدا کو گالیاں دینے والوں کو بھی برابر مل رہی ہیں۔ وہ ایک شخص سے اسلئے روک دی گئی ہیں کہ وہ یہ کہتا ہے کہ خدا جیسے پہلے بولتا تھا، آج بھی بولتا ہے۔ جیسے وہ اپنی مخلوق کی ہدایت کے لئے پہلے اپنے خاص بندوں کو بھیجا کرتا تھا۔ آج بھی اُس نے اُمتِ محمدیہ میں سے ایک راستباز کو بھیجا ہے۔ آؤ لوگو اُس کے جھنڈے تلے جمع ہو جاؤ۔ تاکہ تم کو آبِ بقا مل جائے۔ اے مسلمانو! اسے قبول کرو تاکہ ازسرِ نو تم کو وحدت میسر ہو۔ اور اعتصام بحبل اللہ حاصل ہو۔ تا تمہارا بکھرا ہوا شیرازہ بندھ جائے۔ اور تم پھر ایک زندہ قوم بن جاؤ۔ تا تمہاری کمزوریاں دُور ہو کر پھر تم کو عرفان کا پانی پلا دیا جائے۔ پس یہی وہ پیغام تھا۔ جس کی منادی نعمت اللہ خاں کیا کرتا تھا۔ اس جرم میں مسلمانوں کی ایک سلطنت نے متواتر اپنے تین بادشاہوں کے دورِ حکومت میں قتل پر قتل کیا۔ اور اس ساری سلطنت میں ایک آدمی بھی ایسا نہ نکلا۔ جو اس ظلم پر آنسو بہاتا۔ اور صدائے احتجاج بلند کرتا۔ امیر امان اللہ خاں کے زمانے میں یہ ظلم اس لئے بھی بڑا ظلم تھا۔ کہ امیر نے ہماری جماعت کو وعدہ آزادی دیا تھا۔ اور پھر اس وعدہ کی ذرا بھی پاسداری نہ کی۔ اور یہ موتیں اس امر کا بیّن ثبوت ہو گئیں۔ کہ مسلمانوں نے اپنے اعمال کے ساتھ ثابت کر دیا ہے۔ کہ وہ رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کے دین کو عملی طور پر چھوڑ چکے ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم نے فرمایا تھا۔

مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاءُہٗ جَھَنَّمُ

نعمت اللہ خاں نے کیا رسالت نبی کریم سے انکار کیا تھا؟ کیا اس نے اسلام سے

روگردانی کی تھی؟ اور کیا اس نے قرآن کریم کو چھوڑ دیا تھا؟ کیا وہ ارکانِ اسلام میں سے کسی رُکن کا منکر ہوگیا تھا؟ پھر کس لئے اُسے سنگسار کرنے کے لئے مسلمانوں کی ایک حکومت نے اتنا بڑا قدم اٹھایا جس نے ہمیشہ کے لئے مسلمانوں کو بدنام کر دیا۔ اور غیر مسلموں میں منافرت اور دُوری کے جذبات پیدا کر دیے۔ انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں میں محض اختلاف عقیدہ کی بناء پر کسی شخص کو بدترین موت مار دینا کچھ مشکل نہیں۔ انہوں نے سمجھا کہ مسلمانوں کے پُرامن رہنے کے بلند بانگ دعوے سب جھوٹے اور باطل ہیں اور یہ دعویٰ کہ اسلام یہ سکھاتا ہے

لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ

محض ایک ناقابلِ عمل تعلیم ہے۔

الغرض

اُن کے اس فعل نے اسلام کو بدنام کیا۔ اور اس کے منوّر چہرے کو چھپانے کی سعی کی۔

اور برخلاف اس کے

نعمت اللہ خاں نے ثابت کر دیا۔ کہ وہ اسلام جو احمدیت کے ذریعے ان کو ملا تھا وہ وہی اسلام ہے جو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعے صحابہ کو ملا تھا۔ اور جس فدائیت کا ثبوت صحابہ نے اپنی نقد جان پیش کر کے دیا تھا۔ وہی ثبوت پھر آج نعمت اللہ خان نے اپنی جان دے کر دے دیا ؎

وہی مے ان کو ساقی نے پلا دی

فسبحان الذی اخزی الاعادی

شہید مرحوم کو کس طرح شہید کیا گیا

کابل کی تازہ اطلاع :۔

"مولوی نعمت اللہ خان صاحب کو ۳۱ اگست بعد نماز ظہر بروز اتوار بمقام خیر پور (چھاؤنی کابل) سنگسار کر کے شہید کیا گیا۔

شہید مرحوم کو مرتد کرنے کی ازبس کوشش کی گئی۔ لیکن اس کوہ وقار کو ایمان سے متزلزل نہ کر سکے۔ آخر اتوار کو ظہر کے وقت بازاروں میں شہید مرحوم کو پھرا کر اور محض احمدی عقائد رکھنے کے سبب سنگسار کرنے کی تشہیر کر کے عصر کے وقت شہید کر دیا گیا۔ انا للہ و انا الیہ راجعون

شہید مرحوم نے آخری وقت دو رکعت نماز پڑھی۔ اس کے بعد پھر اسے اپنے عقائد حقہ کے بدلنے کے لئے کہا گیا۔ لیکن اس نے قطعاً انکار کر دیا۔ اس پر اسے زمین میں گاڑ کر اتنے پتھر مارے گئے۔ کہ جسم مبارک ان کے نیچے چھپ گیا۔ شہید کی لاش ورثار کو دینے سے انکار کر دیا گیا۔ اور اس پر پہرہ لگا دیا گیا۔

شہید مرحوم کی شہادت کے بعد جماعت احمدیہ کا امیر کابل کو تار

سلسلہ کے امام حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز ان ایام میں سفر یورپ پر گئے ہوئے تھے۔ آپ کے حکم سے حضرت مولوی شیر علی صاحب امیر جماعت احمدیہ تھے۔ آپ نے حسب ذیل تار امیر کابل امان اللہ خاں کو بھیجا:۔

"ہمیں خبر موصول ہوئی ہے کہ یور میجسٹی کی گورنمنٹ نے ہمارے بھائی مولوی نعمت اللہ خاں صاحب کو سنگسار کر کے شہید کر دیا ہے۔ کابل کے سرکاری اخبار "حقیقت" مورخہ ۶ صفر نمبر ۱۱ میں ہم نے پڑھا ہے۔ کہ ہمارے بھائی کے جرم کی بنا سوائے اس کے اور کچھ نہیں۔ کہ وہ احمدیہ عقائد کا معتقد اور حضرت

میرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود کا متبع تھا سلطنت کابل کا یہ فعل انسانیت اور انصاف کے حد درجہ خلاف ہونے کے علاوہ یور میجسٹی کی گورنمنٹ کے اعلانات اور ذمہ وار افغان افسروں کے وعدوں کے بھی صریح خلاف ہے۔ ہمارے بھائی نعمت اللہ خان کے شہید کئے جانے سے لاکھوں احمدیوں کے جذبات کو صدمہ پہنچا ہے۔ جو دنیا کے تمام حصوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہم یور میجسٹی کے اس فعل پر سختی کے ساتھ اظہار نفرت کرتے ہیں۔ اور یور میجسٹی اور آپ کی سلطنت کے اراکین کو یاد دلاتے ہیں کہ گو سلطنت کابل اپنے آپ کو ایسا خودسر اور طاقتور سمجھتی ہو۔ کہ جو کچھ بھی اس کے جی میں آئے کر گذرے۔ لیکن وہ خدا تعالیٰ کے سامنے جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ اس سے بڑھ کر حقیقت نہیں رکھتی جو کہ اس کی کمزور ترین مخلوق کی ہو سکتی ہے۔ اور سلطنت کابل یقیناً خدا کے حضور اپنے اس فعل کے لئے جواب دہ ہو گی۔

ہمیں اپنے مرحوم بھائی کے شہید ہونے کا افسوس نہیں۔ کیونکہ وہ اپنی مراد کو پہنچ گیا۔ اور اب اس کی روح اپنے خالق و مالک کی گود میں آرام پا رہی ہے۔ لیکن سلطنت کابل کا یہ فعل یقیناً اس کے نام پر سیاہ ترین دھبہ رہے گا۔ اور تمام مہذب دنیا اس فعل کو ایک وحشیانہ فعل قرار دیتی ہے اور دیگی۔

حق کی فتح ہو کر رہے گی۔ اور کوئی دنیاوی بادشاہ اس کا استیصال نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ اس خدا کی طرف سے آیا ہے جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔"

نعمت اللہ شہید کی شہادت پر
حضرت امیر المومنین کا لنڈن سے تار
حضرت مولانا مولوی شیر علی صاحب کے نام

لنڈن ۴ ستمبر ۷ بجکر ۵ منٹ

" ظالم امیر کے مولوی نعمت اللہ خان کو بے رحمانہ قتل کرنے کی افسوسناک خبر پہنچی۔ اللہ تعالےٰ شہید مرحوم کو اپنا قرب عطا فرمائے۔ اور ہمیں اس بڑی مصیبت پر صبر کرنیکی توفیق بخشے۔ امیر نے ہمارے بہادر بھائی کو قتل کیا ہے۔ لیکن وہ اس کی روح کو قتل نہیں کر سکتا۔ وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔ کیونکہ کوئی شخص ایک سچے مسلمان کو قتل نہیں کر سکتا۔

برادران غم کے اس وقت میں ہمیں اس فرض کو نہیں بھلانا چاہیئے۔ جو ہمارے اس مبارک بھائی کی طرف سے ہم پر عائد ہوتا ہے جس نے اپنی جان خدا کے لئے قربان کر دی۔ اس نے اس کام کو شروع کیا جسے ہمیں پورا کرنا ہے۔ آؤ ہم اس لمحہ سے یہ مصمم ارادہ کر لیں۔ کہ ہم اس وقت آرام نہیں کریں گے۔ جب تک ہم ان شہیدوں کی زمین کو فتح نہیں کر لیں گے (یعنی وہاں احمدیت نہ پھیلا لیں گے)

صاحبزادہ عبداللطیف۔ نعمت اللہ خاں اور عبدالرحمٰن کی روحیں آسمان سے ہمیں ہمارے فرائض یاد دلا رہی ہیں اور میں یقین کرتا ہوں۔ کہ احمدیہ جماعت انکو نہیں بھولے گی۔

امیر کے اس قابل نفرت فعل کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنیکے متعلق جو کچھ تم ضروری خیال کرتے ہو کرو۔ لیکن ایک ہی سچا جواب جو احمدی دے سکتے ہیں یہ ہے۔ کہ وہ

اس کام کو جاری رکھیں۔ جس کے لئے نعمت اللہ خاں شہید کیا گیا ہے۔
براہِ مہربانی مقبرہ بہشتی کے خاص احاطہ میں صاحبزادہ عبداللطیف اور نعمت اللہ خاں کیلئے کتبے لگادیں۔ اور تمام احمدیوں سے درخواست کریں۔ کہ وہ شہید مرحوم کے لئے خصوصیت کے ساتھ دعا کریں۔ محمود احمدؓ" (الفضل ۱۱ ستمبر ۱۹۲۴ء)

اس شہادت کے متعلق معزز انگریزوں کے تاثرات

۱۰ ستمبر ۱۹۲۴ء کو لنڈن میں ایک جلسہ شہید مرحوم کے قتل کے خلاف اظہار نفرت کے لئے ایک مشہور عالم ڈاکٹر ولش کی صدارت میں ہوا جس میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی نے بھی ایک تقریر فرمائی۔ اسکے بعد ڈاکٹر ولش نے صدارتی ریمارکس میں کہا:-

"یہ سلسلہ ضرور پھیل کر رہیگا۔ اور میں اس کی روحانی طاقت پر حیران ہوں۔ آئندہ وہ دن آئے گا۔ جب سب دنیا میں پھیل کر اس کی آئندہ نسل اپنے آباء کی قربانیوں کو فخر سے دیکھے گی۔ امن کی تعلیم جسے دنیا زبان سے بیان کرتی ہے انہوں نے اس کو عمل سے ثابت کر دیا ہے۔ عبداللطیف کی شہادت ایک بیج تھا جسے نعمت اللہ خاں نے پانی دیا ہے۔ یہ پودا ضرور بڑھکر رہے گا۔ اور کوئی دنیا کی طاقت اس کو روک نہیں سکتی۔"

ایک اور بڑے پادری نے کہا:- "یقیناً یہ سلسلہ الہامی ہے۔"

ایک دوسرے نے کہا کہ:- "ان کی قربانیاں بالکل ابتدائی مسیحیوں سے مشابہ ہیں۔"

(مکتوب حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ)

(الفضل ۱۱ اکتوبر ۲۴ء)

اللہ تعالےٰ شہید مرحوم کی تربت پر اپنی رحمتوں اور فضلوں کی بارش برسائے۔ آمین۔ یہ تھا جماعت احمدیہ کا تیسرا شہید ؏

اس سلسلہ میں تین اور شہیدوں کا ذکر بھی ضروری ہے۔ جو حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حکم کے ماتحت ممالک غیر میں تبلیغ سلسلہ کے گئے۔ اور خدمتِ دین کرتے کرتے وہیں فوت ہو گئے۔ اور پھر اپنے وطن کو واپس نہ آسکے۔

(۴)

مولوی عبید اللہ صاحب مولوی فاضل شہید

دل میں اک درد اُٹھا آنکھوں میں آنسو بھر آئے
بیٹھے بیٹھے ہمیں کیا جانئے کیا یاد آیا

شہید مرحوم نوجوان۔ خوبصورت۔ خوب شکل۔ خوب سیرت۔ حافظ۔ عالم فاضل اور بڑا خوش بیان۔ میرا کلاس فیلو اور ہم مکتب دوست اور بھائی تھا۔ اس کا نام لکھنے کے ساتھ ہی میری آنکھوں کے سامنے اس کی زندگی کی سب تصویر پھر گئی۔ اور دل نے اک درد اور ٹیس سی محسوس کی۔

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کے حکم سے ماریشس میں تبلیغ کے لئے ایسے گئے کہ پھر اس سرزمین سے واپس نہ آئے۔ اور خدمتِ دین کرتے کرتے وہیں شہید ہو گئے۔

مرحوم کی نشانی ایک بیٹا اور ایک بیٹی ہے۔ بیوی بھی جنت سدھار چکی ہیں اے اللہ! میرے اس شہید بھائی کی تربت پر اپنے رحم و فضل کی بارش نازل فرما۔ آمین

حافظ غلام رسول صاحب وزیر آبادی ۔ مولوی عبید اللہ مرحوم کے والد بزرگوار ہیں۔ جو خود بڑے عالم و فاضل ہیں۔ مگر ایک لمبے عرصے سے مرض فالج میں مبتلا ہیں۔ احباب جب ان کے جوان بیٹے کا ذکر پڑھیں۔ تو حافظ صاحب موصوف

کے لئے بھی دعا کریں کہ اللہ انکو صحت عطا فرمائے اور انکے صبر کا اجر عظیم دے۔ آمین

(۵)

شاہزادہ عبد المجید خاںؓ صاحب شہید

شاہزادہ عبد المجید خاں صاحب شہید حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پرانے صحابی اور نہایت بزرگ اور منقطع الی اللہ شخص تھے۔ ایران میں ۱۹۲۴ء میں تبلیغ کے لئے گئے۔ اور وہاں باوجود بڑھاپے کے طرح طرح کی مالی مشکلات میں نہایت وفاداری سے کام کرتے رہے۔ حتی کہ ایک کس مپرسی کی حالت میں انکو وہاں وفات آئی۔

(۶)

مولوی رفیق احمدؐ صاحب شہید

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی تحریک جدید کے اس مطالبہ کے ماتحت کہ ''بیکار تبلیغ کے لئے باہر نکل جائیں'' وہ ترکستان چینی کی طرف چلے گئے۔ نہایت مشکل اور مصیبت سے وہاں پہنچنے میں کامیاب ہوئے۔ اور انہوں نے وہاں احمدیت کا جھنڈا گاڑ دیا۔ اور بالآخر اسی میدان تبلیغ میں غربت اور بے وطنی کی زندگی میں جامِ موت نوش کر کے شہادت کا درجہ حاصل کر لیا۔

ان لوگوں نے اپنی زندگی کی قربانی اور اپنے عمل سے سلسلہ کی سچائی اور صداقت کو نمایاں کر دیا۔ اور وہ مرنے کے بعد بھی لوگوں کے لئے مشعل راہ بن گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب کی تربتوں پر اپنے فضلوں کی بارشیں نازل فرمائے۔ آمین ؛

ينصرك رجال نوحي إليهم
من السماء

(الہام)

لک جاء نصرت من السماء
ینصرک رجال نوحی الیہم من السماء

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے مشن کی سچائی کی ایک زبردست دلیل یہ بھی ہے۔ کہ جہاں آپ کو اور غیر معمولی فتوحات ہوئیں۔ وہاں حضور کو ایک جماعت ایسی مخلصوں کی عطا کی گئی۔ جو آپ کی نصرت اور تائید میں لگی ہوئی ہے۔ یہ ایک غور طلب بات ہے کہ ایک شخص جو مفتری علی اللہ ہو۔ اُس کی ہلاکت کے لئے تو خود ملائکہ کا لشکر ہی کافی ہوتا ہے ہندی زبان میں ایک ضرب المثل ہے کہ "پاپی کے مارنے کو پاپ جہاں بلی ہے" یعنی ایک گناہ گار کی ہلاکت کے لئے اس کے گناہ ہی کافی ہوتے ہیں۔ گویا کہ گناہ ایک گھن کا کیڑا ہے جو اندر ہی اندر کھوکھلا کر کے مضبوط سے مضبوط لکڑی کو تباہ کر دیتا ہے۔

پس

تمام دنیا کے مذاہب کے مقدس صحیفوں پر نظر ڈالو۔ تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ مفتری علی اللہ کو کبھی نصرت نہیں ملتی۔ بلکہ اس کی قطع وتین ہو جاتی ہے چنانچہ حضرت اقدس فرماتے ہیں ؎

میں مفتری ہوں ان کی نگاہ و خیال میں
دنیا کی خیر ہے مری موت و زوال میں

لعنت ہے مفتری پہ خدا کی کتاب میں
عزت نہیں ہے ذرہ بھی اس کی جناب میں

توریت میں بھی، نیز کلام مجید میں
لکھا گیا ہے رنگِ وعیدِ شدید میں

کوئی اگر خدا پہ کرے کچھ بھی افترا
ہوگا وہ قتل ہے یہی اس جرم کی سزا

پھر یہ عجیب غفلتِ ربِّ قدیر ہے
دیکھے ہے ایک کو کہ وہ ایسا شریر ہے

پچیس سال سے ہے وہ مشغولِ افترا
ہر روز اپنے دل سے بناتا ہے ایک بات
پھر بھی وہ ایسے شوخ کو دیتا نہیں سزا

ہر دن ہر ایک رات یہی کام ہی رہا
کہتا ہے یہ خدا نے کہا مجھکو آج رات
گویا نہیں ہے یاد جو پہلے سے کہہ چکا

جب مفتری کو اللہ تعالیٰ کے حضور سے کوئی نصرت نہیں ملتی، بلکہ وہ ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ تو یہ امر منصف مزاج لوگوں کے لئے جائے غور ہے۔ کہ پھر کس طرح ایک ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ کی نصرت حاصل ہو سکتی ہے۔ جس کا اس سے دُور کا بھی واسطہ نہ ہو۔ اور کس طرح خدا تعالیٰ اس کے نفس کے بنائے ہوئے جھوٹے کلاموں کو سچا کر سکتا ہے۔

لیکن

اگر اس کے دعوے کے ساتھ اُسے تائیداتِ ربانی حاصل ہو جاتی ہیں۔ ملائکہ اس کی نصرت کے لئے خود کام کرنے لگتے ہیں۔ تو اس کی سچائی میں سوائے کسی عقل کے اندھے کے کس کو شبہ ہو سکتا ہے؟ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بالکل تن تنہا تھے۔ کوئی اُن کا یار و مددگار نہ تھا۔ اور کوئی ان کو جانتا تک نہ تھا۔ مالی طور پر سخت مشکلات تھیں۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلایا کہ یاتیک من کل فج عمیق۔ لاتصعّر لخلق اللہ ولا تسئم من الناس۔ اور پھر یہ بشارتیں لفظ بلفظ پوری ہو کر رہیں۔

اسی پر بس نہ ہوئی

بلکہ آپ کو وعدہ دیا گیا۔ آئی شَل گِوْ یُو اے لارج پارٹی آوف اسلام (تذکرہ) یعنی میں تجھے ایک بہت بڑی جماعت اسلام کی دوں گا۔ یہ ۱۸۸۳ء کے زمانہ کی بات ہے۔ جبکہ آپ کے ساتھ سوائے چند عقیدت مندوں کے کوئی بھی نہ تھا۔ اتنا بڑا دعویٰ ایک مفتری علی اللہ تو کر نہیں سکتا۔ اور اگر کر بھی دے تو کیا خدا تعالیٰ ایسے سامان پیدا کر دے گا۔ کہ وہ لوگوں کی نگاہ میں سچا قرار دیا جائے؟ حضرت

مسیح موعود علیہ السلام کی مخالفت پر ہندوستان تو ایک طرف رہا، روئے زمین کے مسلمان کمربستہ تھے۔ اور وہ اپنے خیال میں آپ کی مخالفت میں اسلام کی ایک بہت بڑی خدمت سرانجام دے رہے تھے۔ اُن کے علماء۔ اُن کے متصوفین۔ اُن کے اُمراء اُن کے جہلاء اور عوام الناس سب کے سب اس کوشش میں لگے ہوئے تھے۔ کہ حضرت اقدس کو کچل کر رکھ دیں۔ انہوں نے ہر قسم کے منصوبے اور سازشیں کیں۔ انہوں نے آپکو اپنے ہاتھ سے قتل کرنا چاہا۔ انہوں نے حکومت کو بدظن کرنے کے سب ممکن حیلے تراشے انہوں نے جھوٹے مقدمات میں گواہیاں مہیا کرنے کا اہتمام کیا۔ انہوں نے کفر کے فتوے لگائے اور لوگوں کو ڈرایا اور دھمکایا۔ اور لوگوں سے کہا کہ ان کو سلام کہنے والا بھی کافر ہو جائے گا۔ اور مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ ہو سکے گا۔ اس کے ساتھ کھانے پینے کی ممانعت ہوگی۔ اور وہ اچھوتوں کی طرح سے اپنی سوسائٹی میں ذلیل اور خوار ہو جائے گا۔

خدا کے لئے غور کرو

اور ہندوستان کی زندگی پر نظر ڈالو۔ ہندوستان میں بہت سی قومیں سوسائٹی کی تعدی کی وجہ سے اچھوت پن کی لعنت میں گرفتار ہیں۔ دوسرے لوگ اُن کو مس تک نہیں کر سکتے۔ اور اُن انسانوں سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے کہ کسی بڑی خطرناک بیماری کے مریض سے تندرست ڈرتا ہے۔ اس قسم کی سختی کو جب کوئی شخص اپنے ذہن میں لاتا ہے۔ تو اُسے کیسے جرأت ہو سکتی ہے۔ کہ وہ اس سختی اور ذلت کے مقابلہ میں ایک سچائی کو قبول کرلے۔ اور سچائی بھی ایسی جسے سارے عمائدین جھوٹ قرار دیتے ہوں۔

ان خطرناک حالات میں

ایک شخص کا یہ کہنا کہ خدا مجھے کہتا ہے کہ میں تجھے ایک بڑا گروہ دوں گا۔ اور پھر وہ گروہ اُسے مل بھی جائے۔ اور دنیا کی ساری کوششیں اس کے مقابل میں ناکام ہو جائیں۔

اس سے بڑھ کر اس کی سچائی کی اور کیا دلیل ہوسکتی ہے۔ اسی پیشگوئی اور اسی معیار صداقت کی ایک دوسری شق یہ ہے کہ خدا تعالےٰ نے آپ کو وعدہ دیا۔ اور فرمایا

یَنْصُرُكَ رِجَالٌ نُوْحِیْ اِلَیْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ

یعنی تجھے ایک ایسے لوگوں کی جماعت دیجائیگی۔ جو تیری تائید اور نصرت پر کمر بستہ رہیں گے اور ہم ان کو اس خدمت حقہ کے کرنے کے لئے خود آسمان سے وحی کریں گے۔ گویا کہ ایک ایسے پاکبازوں کی جماعت دئے جانے کا وعدہ دیا گیا۔ جن کا کام احمدیت کی نصرت و تائید ہوگا۔ اور ایسے لوگوں کے دل میں ملائکہ خود تحریکیں ڈالتے رہیں گے۔ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کہ باوجود ہزارہا مخالفتوں کے اللہ تعالےٰ نے آپ کو ایک بہت بڑی جماعت دی۔ اور پھر ایسی جماعت بھی دی کہ جو تائید اور نصرت کے کام میں ہمہ تن مشغول ہے میری اپنی سمجھ اور فکر کے مطابق یہ لوگ دس قسم کے گروہوں میں بٹے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جن کی مختصر تفصیل یوں ہے :۔

(۱)

ایک جماعت ایسے لوگوں کی تھی۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانے میں آپ کے دعوے سے قبل اور دعوے کے ساتھ پائے گئے۔ وہ مختلف شہروں اور دیہات میں تھے۔ بعض ان میں جنگلات اور ویرانوں میں پائے گئے۔ ان سے لوگ عقیدت مندی کے تعلقات رکھتے تھے۔ ان میں سے بعض صوفی اور گوشہ نشین تھے۔ اور بعض ان میں سے مجذوبانہ اور فقیرانہ زندگی رکھتے تھے۔ انہوں نے لوگوں کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی آمد کی خوشخبری دی۔ اور ان سے فرمایا۔ کہ آپ سچے اور راستباز ہیں۔ اس طرح یہ لوگ آپ کی تائید اور نصرت کا کام کر رہے تھے۔

(۲)

آپ کو ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی ملی۔ جن پر خود خدا تعالیٰ نے رویا کشوف

- اور الہامات کے ذریعے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سچائی کھول دی۔ اور وہ اپنے الہامات وکشوف کی بناء پر تائید حقہ کے لئے کمر بستہ ہو گئے۔

(۳)

ایک جماعت ایسے لوگوں کی بھی آپ کو ملی جنہوں نے دلائل وبراہین یا معجزات کے ذریعے یا رویائے صادقہ کے ذریعہ حق کو قبول کیا۔ مگر بعد میں اپنے قلب کی صفائی کی وجہ سے صدق ووفا میں ایسی ترقی کی۔ اور ان میں عشق کا ایسا رنگ پیدا ہوا کہ انہوں نے اپنی زندگی کی ہر ایک خواہش پر موت وارد کر لی۔ اور رضائے الہٰی کو ایسا مقدم کیا۔ کہ ان کی زندگی کا ہر لمحہ تائید سلسلہ حقہ میں گذرنے لگا۔

(۴)

ایک اور جماعت ایسے لوگوں کی آپ کو ملی۔ جنہوں نے اپنے تمام اوقات خدمت دین کے لئے وقف کر دیے۔ اور ان مقاصد کی تکمیل میں مصروف ہو گئے۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام لے کر آئے۔ اس جماعت میں تمام وہ لوگ شامل ہیں۔ جو مرکز میں سلسلہ کے کاموں میں بحیثیت کارکن کے لگے ہوئے ہیں۔ یا تمام جماعتوں میں آنریری طور پر خدمات سلسلہ پر مامور ہیں :

(۵)

پانچویں جماعت ان شہداء کی جماعت ہے۔ جنہوں نے آگے بڑھکر سچائی کے اظہار کے لئے موت کو ہنس کر قبول کر لیا۔ اور اس زندگی کو پروانہ وار قربان کر دیا۔

(۶)

چھٹی جماعت اُن مظلومین کی جماعت ہے۔ جنہوں نے ماریں کھائیں۔ اور ثابت قدم رہے۔ اُن کے رشتہ داروں نے ان کو چھوڑ دیا۔ اور وہ بے یار ومددگار رہ گئے بعض کی بیویاں اور بچے چھین لئے گئے۔ اور بعض جائدادوں سے محروم کر دئے گئے

بعض دنیا کی تلخیاں اس وقت تک جھیلتے رہے کہ اس دنیا سے کوچ کر گئے۔ بعض کو مرنے کے بعد مشکل سے قبر نصیب ہوئی۔ اور بعض ایسے بھی تھے۔ کہ جن کو قبر تو مل گئی۔ مگر دشمنوں نے اُن کو قبر سے نکال کر باہر پھینک دیا۔ ان لوگوں نے زندگی میں ان مصائب پر اُف تک نہ کی۔ اور لوگوں کے لئے ان کا صبر و شکر تائید احمدیت کا ایک ذریعہ بن گیا۔

(۷)

ساتویں جماعت اُن مبلغینِ اسلام کی ہے۔ جو دنیا کے تمام کاموں سے بالکل منقطع ہو گئے ہیں۔ اور سالہا سال کے لئے اپنے وطنوں۔ ملکوں۔ بیوی بچوں۔ عزیز و اقارب اور ہر قسم کے آرام و راحت سے الگ ہو کر غریب الوطن اور غریب الدیار ہو گئے۔ کہ وہ اعلائے کلمۃ الاسلام کر سکیں۔

ان میں وہ لوگ بھی ہیں۔ جو اپنے ملکوں سے باہر تو نہیں گئے۔ مگر سلسلہ کی اشاعت میں ہمہ تن مصروف رہتے ہیں۔ اور یہ خدمت ہی ان کی زندگی کا مقصد وحید ہے۔

(۸)

آٹھویں جماعت اُن مخیّر لوگوں کی ہے۔ جو اپنے اموال کو بیدریغ سلسلہ کی تائید اور نصرت کے لئے خرچ کر رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی اور اپنے بال بچوں کی زندگی پر ہر قسم کی سختی ڈال رکھی ہے۔ اور ہر ممکن طریق سے مال بچا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے خلیفہ اول کے سامنے لا ڈالتے رہے۔ اور اب حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی کے حضور ڈال رہے ہیں۔

(۹)

پھر ایک جماعت اُن ذی وجاہت لوگوں کی ہے۔ جن کو خدا تعالےٰ نے عزت و وجاہت سے بڑا حصہ دیا۔ اور یا وہ مناصب عالیہ پر فائز ہیں۔ مگر انہوں نے اپنی عزت۔ وجاہت۔ منصب ہر چیز کو دین کی تائید اور نصرت میں لگا دیا ۔

(۱۰)

دسویں جماعت اُن دعاگو لوگوں کی جماعت ہے۔ جو لوگوں کو بہت کم نظر آتے ہیں۔ ان میں سے بعض بالکل غریب اور ظاہری اسباب سے تہیدست لوگ ہیں۔ اُن کے کپڑے بظاہر پھٹے پرانے ہیں۔ ان میں سے بعض بیمار اور معذور ہیں چلنے پھرنے سے عاری ہیں۔ مگر وہ رات کی تاریکیوں میں زمین پر لیٹے سجدوں میں پڑے رہتے ہیں۔ بعض چارپائیوں پر پڑے پڑے۔ یا چلتے پھرتے یا جنگلوں اور صحراؤں میں پھرتے پھرتے دعاؤں میں اس قدر مشغول ہیں۔ گویا کہ وہ ہر وقت عرش الٰہی کا طواف کرتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی دعاؤں کے ذریعہ سے سلسلہ کی تائید اور نصرت میں لگے ہوئے ہیں۔

یہ دس قسم کی جماعتیں اس سلسلہ کی تائید اور نصرت پر کمر بستہ ہیں۔ ان میں مرد بھی ہیں۔ عورتیں بھی ہیں۔ جوان بھی ہیں اور بڈھے بھی۔ تندرست بھی اور بیمار بھی۔ اب خدا کے لئے بتلاؤ کہ ایسے لوگوں کی جماعتیں میسر آ جانا کیا یہ تائید اور نصرت الٰہی کے بغیر ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر جس شخص کو ایسی تائید اور نصرت حاصل ہو۔ اس کی سچائی کے لئے کسی اور دلیل کیا ضرورت ہے؟

میں مناسب خیال کرتا ہوں۔ کہ ان دس قسم کی جماعتوں میں سے بعض شخصیتوں کا بھی مختصر ذکر کر دوں۔

۱۔ حضرت مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی کا کشف

حضرت مولوی عبد اللہ صاحب غزنوی نے جو ایک بہت بڑے بزرگ تھے۔ انہوں نے اپنے ایک کشف کی بناء پر ایک پیشگوئی کی تھی۔ کہ

ایک نور آسمان سے قادیان کی طرف نازل ہوا ہے۔ مگر افسوس کہ میری اولاد اس سے محروم رہ گئی۔ (ازالہ اوہام ص ۷۰۳)

ان کے متعلق ایک دوسری روایت ہے۔ کہ انہوں نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام

کے متعلق فرمایا۔ کہ

آپ میرے بعد ایک عظیم الشان کام کیلئے مامور کئے جائینگے (ازالہ اوہام ص۷۰۴)

۲۔ حضرت گلاب شاہ مجذوب اصل باشندہ ضلع لاہور کا تھا۔ مگر جمالپور ضلع لودھیانہ میں آرہا تھا۔ جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ سے پہلے گذر گیا ہے۔ اُس نے لوگوں کو آپ کی آمد کی اطلاع دی اور کہا کہ

"عیسیٰ اب جوان ہو گیا ہے۔ اور لدھانہ میں آکر قرآن کی غلطیاں نکالے گا۔ اور قرآن کی رُو سے فیصلہ کرے گا۔ اور کہا کہ مولوی اس سے انکار کریں گے۔ اور پھر کہا کہ مولوی انکار کر جائیں گے۔ تب میں نے تعجب کی راہ سے پوچھا کیا قرآن میں بھی غلطیاں ہیں۔ قرآن تو اللہ کا کلام ہے۔ تو انہوں نے کہا۔ کہ تفسیروں پر تفسیریں ہو گئی ہیں۔ اور شاعری زبان پھیل گئی۔ پھر کہا کہ جب وہ عیسیٰ آئے گا۔ تو فیصلہ قرآن سے کرے گا۔ پھر اس مجذوب نے بات دُہرا کر یہ بھی کہا تھا کہ فیصلہ قرآن سے کرے گا۔ اور مولوی انکار کر جائیں گے اور پھر یہ بھی کہا کہ انکار کریں گے۔ اور جب وہ عیسیٰ لدھانہ میں آئے گا۔ تو قحط بہت پڑے گا۔ پھر میں نے پوچھا۔ کہ عیسیٰ اب کہاں ہے۔ تو انہوں نے جواب دیا۔ کہ بیچ **قادیان**" (ازالہ اوہام ص۷۰۹)

پھر یہ بھی شہادت ملی۔ کہ مجذوب صاحب نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام غلام احمد صاف طور پر بتلا دیا تھا۔ (ازالہ اوہام ص۷۱۷)

۳۔ محمد بن احمد مکی ساکن مکہ معظمہ محلہ شعب عامر نے بھی ایک رویا دیکھا۔ کہ عیسیٰ علیہ السلام نازل ہو گئے۔ (ازالہ اوہام ص۷۲۰)

۴۔ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں والوں کی تصدیق

انہوں نے حضرت اقدس کے ایک مباہلہ کے چیلنج کے جواب میں لکھا:۔

"اے ہر ایک حبیب سے عزیز تر تجھے معلوم ہو کہ میں ابتداء سے تیرے لئے تعظیم کرنے کے مقام پر کھڑا ہوں۔ تا مجھے ثواب حاصل ہو۔ اور کبھی میری زبان پر بجز تعظیم و تکریم اور رعایت آداب کے تیرے حق میں کوئی کلمہ جاری نہیں ہوا۔ اور اب میں مطلع کرتا ہوں۔ کہ میں بلا شبہ تیرے نیک حال کا معترف ہوں۔ اور میں یقین رکھتا ہوں کہ تو خدا کے صالح بندوں میں سے ہے۔ الخ"
(ضمیمہ انجام آتھم ص۳۶)

اس کے علاوہ حضرت خواجہ غلام فرید صاحب چاچڑاں والوں نے اپنی کتاب اشاراتِ فریدی کے ص۶۹ تا ص۷۲ میں حضرت اقدس کی تائید میں بہت کچھ لکھا ہے جو یہاں درج نہیں کیا جا سکتا۔

۵۔ سید رشید الدین صاحب۔ پیر صاحب العَلَم کی تصدیق

پیر صاحب سندھ کے علاقہ کے مشہور پیر تھے۔ انہوں نے ایک کشف بیان کیا۔ کہ

"میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کشف میں دیکھا۔ اور آپ سے عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ! یہ شخص جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ کیا یہ جھوٹا یا مفتری ہے یا صادق ہے۔ پس رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ صادق ہے اور خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے۔" (ضمیمہ انجام آتھم ص۶)

پیر صاحب کے متعلق ایک دوسری شہادت

حضرت سیٹھ اسمٰعیل آدم جو ہمارے سلسلہ کے ایک ممتاز فرد ہیں ان کی شہادت الفضل جلد ۱۹ نمبر ۶۶ سنہ ۱۹۳۱ء میں درج ہے۔ کہ حضرت پیر صاحب نے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے کشفی حالت میں پوچھا۔ اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اب تو سارا ہندوستان چھوڑ عرب کے علماء نے بھی کفر کے فتوے دے دیئے ہیں۔ تو

آپؑ نے بڑے جلال میں تین بار فرمایا۔ ھُوَصَادِقٌ۔ ھُوَصَادِقٌ۔ ھُوَصَادِقٌ ؏

الغرض

یہ اور اس طرح کی بے شمار شہادتیں سلسلہ کی کتابوں اور اخبارات میں درج ہیں۔ اس موضوع پر اخویم مکرم مولوی عبد الرحمٰن صاحب مبشر مولوی فاضل نے ایک کتاب **بشارات رحمانیہ** لکھی ہے اور اس میں بہت سی شہادتیں جمع کر دی ہیں۔ جو اصحاب اس سے زیادہ ایسی شہادتوں کو پڑھنا چاہیں۔ وہ مولوی صاحب کی کتاب منگوا کر دیکھ سکتے ہیں۔ قسم نمبر ۲ کی تفصیل بھی اس کتاب میں موجود ہے۔

تیسری جماعت اصحاب الصفہ کی ہے۔ جس کا تذکرہ صحابہ کے ذکر میں آچکا ہے۔ مگر حضرت خلیفۃ المسیح اول۔ حضرت مولوی عبد الکریم صاحب۔ حضرت منشی روڑے خاں صاحب حضرت منشی ظفر احمد صاحب۔ حضرت محمد خاں صاحب۔ حضرت منشی عبد اللہ صاحب سنوری وغیرہ صدہا بزرگ اسی ذیل میں آئے ہیں۔

چوتھی جماعت سلسلہ کے کارکنوں **نظار**۔ امراء۔ پریذیڈنٹ۔ سکرٹریاں اور ہر قسم کے ورکروں پر مبنی ہے۔ جن کی تفصیل ہر شخص کو معلوم ہے۔

۵۔ شہدائے جماعت کا تذکرہ پہلے آچکا ہے۔ ان مظلومین کی تفصیل بھی یہاں درج نہیں کر سکتا۔ بہار میں اڑیسہ اور کٹک وغیرہ مقامات پر بڑے بڑے ظلم ہوئے مالابار کے مظالم پر میری ایک کتاب **تاریخ مالابار** موجود ہے۔ اور سلسلہ کے اخبارات ان دردناک واقعات سے بھرے پڑے ہیں۔ حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی کے اسلام لانے کے واقعات الحکم کے دو نمبروں میں چھپے ہوئے موجود ہیں۔ "میں کیونکر احمدی ہوا" کے عنوان سے الحکم کے فائلوں سے سینکڑوں مظلومین کے حالات کا پتہ لگ سکتا ہے۔

۶۔ مظلومین احمدیت کا تذکرہ بھی بہت تفصیل چاہتا ہے۔ سلسلہ کے اخبارات

میں اس کی تفصیل بہت حد تک موجود ہے۔ اور بہت سے تذکرے ایسے بھی ہیں جو کبھی صفحہ قرطاس پر نہیں آئے۔

۷۔ مبلغین کا تذکرہ ایک الگ باب میں آرہا ہے۔

۸، ۹۔ یہاں چند مخیّرین اور ذی وجاہت لوگوں کا تذکرہ کرکے میں اس باب کو ایک حد تک مکمل کردیتا ہوں۔

(۱)

آنریبل چوہدری سَر محمد ظفر اللہ خانصاحب

آنریبل چوہدری سَر محمد ظفر اللہ خاں صاحب کو اللہ تعالےٰ نے وجاہت اور عزت کا اتنا بڑا مقام عطا فرمایا ہے۔ کہ ہندوستان میں بہت کم لوگوں کو حاصل ہوا ہوگا۔ چوہدری صاحب نے ہمیشہ سلسلہ کے لئے اپنے مال کی قربانی بڑی وسعت قلبی سے کی ہزار ہا روپیہ سلسلہ کے لئے نثار کیا۔ اور ہمیشہ اپنی زندگی ایک احمدی کے رنگ میں لوگوں کے سامنے رکھی۔ دنیا میں جہاں جہاں گئے وہاں اپنے آپ کو بحیثیت ایک احمدی کے پیش کیا۔ ان کے منصب اور ان کی وجاہت ہمیشہ خدمت دین کے لئے وقف رہی ہے۔ ان کے جوشِ ایمانی کا یہ حال ہے کہ جب مولوی نعمت اللہ خاں کو کابل میں شہید کردیا گیا۔ اس وقت آنریبل چوہدری صاحب موصوف نے حضرت امیر المومنین کے حضور اپنے آپ کو پیش کیا اور کہا کہ اگر حضور پسند فرمائیں۔ تو میں تمام کاروبار چھوڑ کر کابل میں بطور مبلغ کے چلا جاؤں۔ چوہدری صاحب کا اپنے آپ کو اس طرح پیش کرنا دراصل اپنے آپ کو شہادت کے لئے پیش کرنے کے مترادف تھا۔ یہ الگ بات ہے کہ حضرت نے آپ کی درخواست کو اس رنگ میں منظور نہ فرمایا۔ لیکن آپ کا اخلاص اس حد تک پہنچا ہوا تھا کہ آپ نے کابل کی خونی سرزمین میں بطور ایک مجاہد کے جانا پسند کرلیا۔

(۲)

حضرت نواب محمد علی خاں صاحب رئیس اعظم مالیر کوٹلہ

حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔ اللہ تعالےٰ نے اُن کو حُجّۃ اللہ کا لقب عطا فرمایا۔ نواب صاحب اپنے اس مقام کی وجہ سے جو بوجہ آپ کو ایک ریاست کے اول درجہ کے امیر ہونے کے حاصل ہے۔ آپ کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ کو اُس وقت اس صداقت کو قبول کرنے کا موقع ملا جبکہ صداقت ابھی اپنے ابتدائی دَور میں تھی۔ آپ نے اپنے مال۔ دولت اور وجاہت کو سلسلہ کیلئے بیدریغ خرچ کیا چنانچہ ملکانہ مسلمانوں کے ارتداد کے زمانہ میں آپ جلتی دھوپ میں اور گرم لُو میں سفر کرتے رہے۔ اور اگر میں غلطی نہیں کرتا تو محض خدمتِ دین کے لئے کئی جگہ پیدل بھی چلتے رہے۔

(۳)

نواب چوہدری محمد الدین صاحب ممبر کونسل آف سٹیٹ

نواب چوہدری محمد الدین صاحب ایک بہت بڑے سٹیٹسمین ہیں۔ اور بہت بڑی پوزیشن کے بزرگ ہیں۔ مگر ان پر دینداری کا ایک بہت بڑا رنگ چڑھا ہوا ہے۔ ۱۹۳۰ء میں نواب صاحب موصوف عراق کی سیاحت کے لئے تشریف لیگئے تو میں بھی نواب صاحب موصوف کے ساتھ جہاز اور ریل میں تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ نواب صاحب ایسے پاکباز بزرگ ہیں۔ ان پر اسلام کی محبت اس قدر غالب ہے کہ ابھی آنکھوں سے بعض اوقات چشمے رواں ہو جاتے۔ وہ صوم وصلوٰۃ کے بڑے پابند اور قرآن کریم کی تلاوت بڑے انہماک سے کرتے تھے۔ ان دنوں میں وہ ایک اسلامی ریاست

کے وزیر مال تھے۔ انہوں نے مجھے بتلایا۔ کہ وہ امیر ریاست کو حق بات کہنے سے کبھی نہیں رُکے۔ بلکہ عراق سے انہوں نے پہلا خط جو امیر ریاست کو لکھا۔ اس میں بھی آپ نے اس کی کمزوریوں پر پوری روشنی ڈال کر ان کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ ان کی محبت الٰہی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی۔ کہ جب ہم اُور کے اس بلند معبد پر پہنچے جو نمرودیوں کا شاہی معبد تھا۔ تو آپ نے مجھے فرمایا کہ آؤ اس قدیم بُت خانہ پر ہم دو نفل ہی پڑھ لیں۔ چنانچہ نمرودی معبد گاہ کی چوٹی پر مٹی اور کنکروں پر ہمارے دو سر سجدے میں گر پڑے اور یہ نواب صاحب کی نیکی اور محبتِ الٰہی کا ایک کرشمہ تھا۔

نواب صاحب یوں تو نواب ہیں مگر بالکل فقیر طبع اور درویش صفت بزرگ ہیں۔ وہ جہاں جاتے ہیں اپنے عمل اور اپنے مال کو اس راہ میں بیدریغ صرف کرتے ہیں۔

(۴۷)

عالیجناب نواب اکبر یار جنگ بہادر سابق جج ہائیکورٹ حیدرآباد دکن

ان لوگوں میں سے جن کو خدا نے وجاہت اور مال سے حصہ وافر دیا ہے۔ اور پھر انہوں نے سلسلہ کے لئے یہ چیزیں بیدریغ صرف کی ہیں۔ ایک نواب اکبر یار جنگ بہادر ہیں۔ نواب صاحب ایک بہت بڑے قانون دان اور مدبّر اور سیاستدان بزرگ ہیں۔

نواب صاحب جب ہائی کورٹ کی ججی سے ریٹائر ہوئے۔ تو حیدرآباد کے ایک اخبار نے لکھا کہ "حیدرآباد کا ہائی کورٹ بیٹھ گیا"۔ اس سے آپ کی اس قابلیت کا پتہ چل سکتا ہے۔ نواب صاحب موصوف بہت بڑے علامہ انسان ہیں۔ جب وہ تقریر کے لئے کھڑے ہوتے ہیں فصاحت و بلاغت ان کا مُنہ چومتی ہے۔ جب وہ عدالت کی کرسی پر بیٹھتے تھے تو قانون کی پیچیدگیاں اُن کے سامنے خود بخود کھل جاتی تھیں۔ اُن کے لکھے ہوئے فیصلے دوسروں کے لئے ایک نظیر اور مثال ہوتے تھے۔ نواب صاحب حیدرآباد

کی حکومت کے صدرالمہام امور داخلیہ بھی رہے ہیں۔ وہ اپنے تمام منصبوں اور عہدوں پر ایک ممتاز انسان کی طرح فائز رہے۔ اب حکومت کے عہدوں سے ریٹائر ہو کر وہ بطور ایک مسلمہ قانون دان کے کام کرتے ہیں۔ حیدر آباد میں اُن کے مرتبہ اور پایہ کے شاید بہت کم قانون دان ہوں گے۔ ہزار ہا روپیہ کی آمدنی ہے مگر ان کا سب کچھ سلسلہ کا ہے۔ وہ ایک نواب کی حیثیت سے یا ایک جج یا وزیر کی حیثیت سے کبھی نہیں رہے۔ بلکہ سب سے پہلے ان کی زندگی ایک احمدی کی حیثیت سے ہے۔ ان پر نیکی۔ تقویٰ۔ طہارت اور بزرگی کا ایک خاص رنگ غالب ہے اور وہ ہر مجلس میں اپنی احمدیت کے ساتھ ممتاز نظر آتے ہیں۔ اور احمدیت کے لئے ان کو سب کچھ قربان کر دینا آسان رہا ہے۔ اور سب کچھ کے لئے احمدیت قربان کرنے کا خیال کبھی ایک لمحہ کے لئے بھی ان کے اندر پیدا نہیں ہو سکتا۔

ان لوگوں کی زندگیاں باوجود اس کے کہ یہ دوسرے کاموں میں لگے ہوئے ہیں مگر ان کا مرکزی نقطہ جس کے لئے یہ زندہ ہیں۔ وُہ **احمدیت** ہے۔

(۵)
حضرت سیٹھ عبداللہ الہ دین صاحب آف سکندرآباد

حضرت سیٹھ عبداللہ بھائی الہ دین صاحب کی پیدائش ۱۲ اکتوبر ۱۸۷۷ء کو بمبئی میں ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ کی عمر ۶۵ سال سے متجاوز ہو چکی ہے۔ آپ احمدیت سے قبل ہز ہائینس سر آغا خاں صاحب کو ماننے والے اسماعیلی شیعہ خوجہ خاندان کے فرد تھے۔ یہ خاندان ابتدا ہی سے تجارتی کاروبار میں مشغول تھا۔ مگر حضرت سیٹھ صاحب کے والد صاحب جو ساری عمر تجارت کرتے رہے کوئی قابل ذکر دولت جمع نہ کر سکے۔ ان کی وفات کے وقت سیٹھ صاحب کی عمر ۲۷ سال کی تھی۔ اور خان بہادر احمد الہ دین صاحب کی عمر ۱۹ سال کی تھی۔ اور دو بھائی ابھی بچے ہی تھے۔

عبداللہ بھائی نے جیسے ہی کاروبار کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ اللہ تعالے نے اس میں بڑی برکت رکھدی اسی سال اس کاروبار سے ہزارہا روپیہ نفع ہونے لگا۔ خان بہادر صاحب کاروبار میں آپ کے ساتھ شریک تھے اور سیٹھ صاحب ہمہ تن تجارتی کاروبار میں مشغول تھے اور خدا تعالے نے آپکے کاروبا کو ہر طرح سے بڑھایا اور فروغ دیا۔ اسی انہماک تجارت کا یہ اثر تھا کہ اس زمانہ میں آپ کو مذہب کی طرف چنداں توجہ نہ تھی۔

سچائی خود کھینچتی ہے

۱۹۱۳ء تک آپ نے اپنی اس مصروفیت کی وجہ سے احمدیت کا نام تک نہ سنا تھا۔ مگر ۱۹۱۳ء میں انگریزی ریویو کی ایک کاپی آپکے پاس مینجر ریویو نے اس لئے بھیجی کہ آپ اپنی فرم کا اشتہار اس رسالہ میں دیں پہلے کئی دن تک تو آپ نے اس رسالہ کی طرف توجہ نہ دی۔ بعد میں ایک دن اس کے آخری صفحہ پر ٹیچنگ آف اسلام کا اشتہار دیکھا۔ اور اس کا اشتہار دیکھتے ہی اُسے منگوالیا۔ اس کتاب کو پڑھنے سے آپ پر ایک معجزانہ اثر ہوا۔ اور اس امر نے آپکو حیرت میں ڈال دیا۔ کہ خدا تعالے دعا کو سنتا ہے اور پھر اس کا جواب بھی دیتا ہے سیٹھ صاحب تو یہی جانتے تھے کہ خدا پہلے کلام کرتا تھا۔ مگر اب نہیں کرتا۔ انہوں نے اس کتاب میں اس سچائی کو معلوم کر کے بڑی مسرت حاصل کی اور اس بات کے تجربہ کے لئے

خدا کو پکارا

اور خدا سے دعا کی کہ اے خدا اگر تو دعا کو سنتا ہے اور جواب دیتا ہے تو تو میرے والد صاحب کے حالات مجھ پر ظاہر فرما چنانچہ دعا کے ایک دو روز بعد آپکو رویا میں آپ کے والد صاحب دکھلائے گئے۔ انہوں نے بتلایا کہ میں اب تک خوش ہوں اور ایک انگوٹھی دکھائی جس کے ایک دو نگینے چمکتے تھے اور ایک دو سیاہ تھے۔

دوسرا تجربہ | اس پہلی رویا کو اپنے یقین کے لئے تو کافی جانا مگر دوسروں کی تسلی کیلئے ناکافی۔ اس لئے پھر آپ نے دعا کی۔ کہ اے خدا میری والدہ کا حال مجھ پر ظاہر فرما سیٹھ صاحب کی والدہ صاحبہ بہت ہی بچپن میں فوت ہو گئی تھیں جبکہ سیٹھ صاحب کی عمر تین سال کی تھی۔ اس لئے ان کی شکل بھی یاد نہ تھی۔ اس لئے ایسا نشان بھی مانگا جس سے یہ یقین ہو جائے کہ یہی وہ والدہ ہے۔ کئی روز کی دعا کے بعد آپکو آپ کی والدہ ایک تخت پر بیٹھی ہوئی دکھائی گئی۔ اس کے اطراف میں بہت سے لوگ جمع ہیں کسی نے پوچھا کہ یہ بڑے درجے والی کون عورت ہے۔ تو سیٹھ صاحب کی زبان سے جواب دیا گیا۔ کہ میری والدہ ہے۔ میری جنتی والدہ ہے۔ اس طرح خدا تعالےٰ نے اپنی ذات پاک کے موجود ہونے کا ٹیچنگ آف اسلام میں بیان شدہ دعوے کے مطابق اپنا ثبوت دیا۔ لیکن اہلحدیث حصہ دار تجارت کی وجہ سے سیٹھ صاحب کی توجہ احمدیت کی طرف نہ ہوئی۔ بلکہ سخت متعصب اہلحدیث ہو گئے۔

انہی ایام میں حضرت عرفانی کبیر صاحب کسی کام کے لئے سکندرآباد میں مقیم ہوئے۔ انہوں نے سیٹھ صاحب کی طبیعت میں رشد کے آثار پائے۔ اور ان کو تبلیغ شروع کی۔ لیکن ابھی وہ وقت مقدر نہ تھا کہ آپ ایمان لاتے۔

کتاب تحفۃ الملوک

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی نے ۱۹۱۶ء میں اعلیٰحضرت نظام کے لئے ایک تبلیغی کتاب بنام تحفۃ الملوک لکھی۔ اس سلسلہ میں پہلے حکیم محمد حسین صاحب قریشی مرحوم حیدرآباد گئے۔ اور پھر حضرت مولوی سید محمد سرور شاہ صاحب اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب گئے۔ دو تین ماہ کام کرتے رہے مگر کسی کو ہدایت نہ ہوئی۔ پھر تیسری مرتبہ حضرت امیر المومنین نے مفتی صاحب اور حضرت حافظ روشن علی صاحب کو بھیجا جب اس وفد نے سکندرآباد کا رخ کیا تو سیٹھ صاحب

نے ان کو بلوا کر اپنے بنگلہ پر ان کی تقریر کروائی - اور درس قرآن شروع کرایا - تبلیغ بھی ہونے لگی - دوسری طرف شیعہ، سُنی عُلماء بھی آکر احمدیت کے خلاف دلائل دیتے - تین ماہ تک یہ سلسلہ جاری رہا - تب آپ پر صداقت کھل گئی - مگر اپنے عزیزوں کو ناراض نہ کرنے کے ڈر سے بیعت نہ کی - بلکہ درس بھی موقوف کرا دیا - اس پر آپ نے ایک مُنذر خواب دیکھا جس نے فوراً آپکے قلب کو ایک ٹھوکر لگائی - اور اس ٹھوکر کا نتیجہ یہ ہوا - کہ سیٹھ صاحب ۱۹ اپریل ۱۹۱۵ء کو جمعہ کے دن بعد نماز مولانا مولوی میر محمد سعید صاحب مرحوم کے ہاتھ پر بیعت کر کے سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہو گئے :-

احمدیّت نے کیا اثر کیا؟

احمدیّت نے آپ کے اندر ایک خارق عادت تبدیلی کی - اور سر سے پاؤں تک آپ کو بدل دیا - نمازوں کی نہ صرف پابندی ہی ہوئی - بلکہ باجماعت نمازیں - نوافل اور تہجد کا اہتمام ہو گیا - صبح و شام ذکر الٰہی میں مشغول رہنے لگے - روزوں کا اتنا اہتمام ہوا کہ ایک مدت تک ماہانہ پندرہ روزے رکھتے رہے - زکوٰۃ کی پوری باقاعدگی ہو گئی - اور تمام اہل و عیال کو ساتھ لیکر حج کا فریضہ بھی ادا کیا -

خدمتِ دینی کا جذبہ

ایک احمدی کا سب سے بڑا کام خدمتِ دین ہے - سیٹھ صاحب پر یہ جذبہ اس قدر غالب آیا کہ آپ نے اردو - انگریزی - گجراتی زبان میں متعدد کتابیں - ٹریکٹ شائع فرمائے - اور ایک ایک کتاب کے کئی کئی ایڈیشن شائع کئے - مثلاً ایکسٹریکٹ فرام ہولی قرآن - اس کتاب کے اب تک ۹ ایڈیشن چھپ چکے ہیں اور اس کتاب نے بڑی قبولیت حاصل کی - اسکے سوا سترہ عدد دیگر کتابیں اور ٹریکٹ انگریزی میں شائع کئے - اور ۱۷ کتابیں اُردو میں شائع کیں -

ٹیچنگ آف اسلام کی اشاعت ٹیچنگ آف اسلام کی برکت سے آپکی توجہ اللہ تعالیٰ کی

زندہ صفات کی طرف مبذول ہوئی۔ اس لئے آپ نے اس مبارک کتاب کی اشاعت کا خاص اہتمام کیا۔ چنانچہ اس کتاب کے ترجمے متعدد زبانوں میں کروائے۔ مثلاً برمی۔ گنڑی۔ گجراتی۔ ہندی۔ گورمکھی۔ مراٹھی۔ ملیالم۔ سندھی۔ تامل۔ تیلگو۔ اردو۔ انگریزی زبانوں میں اس کی بکثرت اشاعت کی۔ ان سب کتابوں کی اشاعت اتنی کثرت سے ہوئی۔ کہ ان کی اشاعت کی وجہ سے کئی جگہ نئی جماعتیں قائم ہوگئیں۔

مالی انعامات:۔ حضرت سیٹھ صاحب نے اسی پر اکتفا نہیں کیا۔ بلکہ انہوں نے مخالفوں پر اتمام حجت کرنے کے لئے مالی انعامات کے چیلنج بھی دئے۔ چنانچہ آپ نے پہلا انعام دس ہزار روپیہ کا دنیا کی تمام اقوام کو پیش کیا۔ کہ اسلام کے سوا اب کسی مذہب میں اب مصلح ربانی نہیں پیدا ہو سکتا۔ اور یہ اسلام کی سچائی کی دلیل ہے۔ اگر کسی اور مذہب میں اب مصلح ربانی پیدا ہو سکتا ہے۔ تو وہ اپنے آپ کو پیش کرکے دس ہزار روپیہ انعام حاصل کرلے۔ مگر کوئی ایسا مدعی پیدا نہ ہو سکا۔ پھر آپ نے دس ہزار روپیہ کا ایک دوسرا چیلنج مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو دیا۔ کہ وہ ایک حلف مؤکد بعذاب اٹھائیں۔ کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے تمام دعاوی میں سراسر جھوٹے ہیں اور مسیح ابن مریم آخری زمانہ میں آسمان سے اترینگے۔ حلف اٹھانے پر پانچسو روپیہ نقد ان کو دیا جائیگا۔ اور ایک سال تک ان پر کوئی عذاب نہ آیا۔ تو مزید دس ہزار روپیہ دیا جائے گا۔ مگر مولوی ثناء اللہ صاحب کو اس کی جرأت نہ ہوئی۔ اس طرح ان انعامات کی تعداد

ایک لاکھ روپے

تک پہنچ گئی۔ جن کو آج تک کوئی بھی حاصل نہ کر سکا۔ اور نہ آئندہ کسی کو حاصل کرنے جرأت ہو سکے گی ؛

مالی خدمت

سیٹھ صاحب نے تجارتی کاروبار اب کلیتہً اپنے بھائیوں کے سپرد کر دیا ہے۔ اور اپنی ساری توجہ سلسلہ کی خدمت میں لگا دی ہے۔ اپنا تن۔ من۔ دھن سلسلہ کے لئے قربان کر دیا ہے ۲۷ سال کے عرصہ میں حضرت سیٹھ صاحب نے پانچ لاکھ کے قریب قریب رقم دینی خدمات کے لئے صرف کر دی۔

احمدیہ جوبلی ہال ستائیس ہزار روپیہ کی ایک شاندار عمارت افضل گنج حیدرآباد میں بنوا کر سلسلہ کے حوالے کر دی۔

سیٹھ صاحب کی زندگی کا یہ تغیر۔ ان کی قربانیاں۔ ان کی نیکی۔ پاکیزگی یہ سب سلسلہ کی سچائی کی ایک دلیل ہیں۔ وہ دن اور رات سلسلہ کی خدمت میں لگے رہتے ہیں۔ اور اس طرح وہ اس الہام کے مصداق ہیں ینصرک رجال نوحی الیھم من السماء۔

سیٹھ صاحب جب سلسلہ میں داخل ہوئے تو حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے ایک رویا میں دیکھا کہ "سیٹھ صاحب ایک بڑی عمارت کے صحن میں ایک تخت پر بیٹھے ہیں اور ملائکہ آپ پر نور کی بارش کر رہے ہیں"

اس سے آپ کے مقام کی عظمت کا پتہ چلتا ہے سیٹھ صاحب کے گھر کے سب لوگ آپ کی اہلیہ۔ آپ کے بچے سیٹھ علی محمد صاحب ایم۔ اے۔ سیٹھ محمد یوسف صاحب۔ آپکی بچیاں آپکے داماد سیٹھ فاضل بھائی۔ مولوی محمود الحسن صاحب آئی۔ سی۔ ایس سیٹھ شیر علی بھائی۔ سب محبت احمدیت میں گداز۔ فدا۔ اور قربان ہیں۔ احمدیت انکی رگوں میں زندہ خون کی طرح سے گردش کر رہی ہے۔ اور انکی زندگی کا مقصد وحید احمدیت ہے۔

سیٹھ صاحب کے متعلق سلسلہ کے بہت سے لوگوں کو ایسی خوابیں بکثرت آئی ہیں کہ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حضور ان کا خاص مقام اور درجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انکی زندگی میں بڑی برکت عطا فرمائے۔ ان کے اموال۔ اولاد۔ خاندان۔ گھر اور ہر چیز میں برکت رکھدے۔ آمین :۔

(۶) حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی

آپ کا نام نامی اس عنوان کے ماتحت آنا بھی ازبس ضروری ہے۔ ۱۸۹۷ء میں جبکہ جماعت کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ اور ابتدائی زمانہ تھا محض اللہ تعالیٰ کی تائید اور نصرت کے ساتھ اخبار الحکم جاری کر کے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ملفوظات طیبہ۔ خطبات۔ الہامات وغیرہ کو محفوظ کرنے کا شرف حاصل کیا۔ اور اس طرح سے اللہ تعالیٰ کی رضاء اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خوشنودی کو حاصل کیا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے الحکم کی ان خدمات کی وجہ سے اسے اپنا ایک بازو قرار دیا۔

(۷) حضرت سیٹھ محمد غوث صاحب آف حیدر آباد دکن

سیٹھ حسن صاحب مالک کارخانہ چاند مارکہ بیڑی یادگیر، سیٹھ محمد غوث۔ صاحب کے چچازاد بھائی ہیں۔ اور وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں سلسلہ میں داخل ہو گئے تھے۔ ان کی وجہ سے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت کا آپ کو علم ہوا۔ لیکن بیعت کی طرف آپ کو توجہ نہ ہوئی۔ ۱۹۱۲ء میں حیدر آباد میں طاعون شدت سے ہوا۔ چونکہ سیٹھ صاحب کو یہ تو معلوم تھا۔ کہ طاعون حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا ایک منذر نشان ہے۔ اس لئے طاعون کی شدت نے فوراً ایمان کی دبی چنگاری کو ہوا لگا دیا۔

اس لئے حضرت مولوی میر محمد سعید صاحب کے ہاتھ پر جن کو بیعت لینے کا مجاز تھا بیعت کر لی۔ اور آپ کے سارے خاندان نے آپ کا ساتھ دیا۔

احمدیت ایک کسوٹی ہے

احمدیت انسانی اعمال کی پرکھ کے لئے ایک کسوٹی ہے۔ سیٹھ صاحب نے احمدیت میں داخل ہو کر ہر اس راستہ سے بچنا شروع کیا جو شریعت کی حدود سے متجاوز ہو جاتا تھا چنانچہ آپ کا کاروبار مٹی کے تیل کی ایک کمپنی میں بطور ایک حصہ دار کے تھا۔ اس کمپنی کا اکثر کاروبار سودی تھا۔ اس لئے سیٹھ صاحب نے اس کاروبار کو جاری رکھنا خدا تعالےٰ سے جنگ کے مترادف جانا۔ اس لئے فوراً اس سے علیحدگی اختیار کر لی۔ اور یہ پرواہ بھی نہ کی کہ کیا نتیجہ ہوگا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ کمپنی ٹوٹ گئی اور ساہوکاروں نے کمپنی کے شرکاء پر ساٹھ ستر ہزار روپیہ کا دعویٰ دائر کر دیا۔ یہ مقدمہ ۱۹۲۹ء تک چلتا رہا۔ گویا ایک مقدمہ چلتا رہا مگر سیٹھ صاحب نے محض خدا کی رضا کے لئے اس لمبے ابتلاء تکلیف اور نقصان کو برداشت کر لیا لیکن اس سودی کاروبار کی طرف رجوع نہ کیا۔ سیٹھ صاحب اس ابتلاء میں حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کو ہمیشہ دعا کے لئے توجہ دلاتے رہے۔ اور خود بھی خدا تعالےٰ کے حضور اس قدر گریہ و بکا کرنے لگے کہ خدا تعالیٰ نے حضرت میر محمد سعید صاحب پر یہ ظاہر فرمایا۔

محمد غوث کی گریہ وزاری خدا کو پسند آگئی ہے۔

اس کے ساتھ ہی سیٹھ صاحب کو انفاق فی سبیل کا بڑا خیال رہتا۔ اور سلسلہ کی ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے۔ ۱۹۲۶ء سے وہ حیدر آباد کے فنانشل سکرٹری مقرر ہوئے۔ ان کا اس منصب پر فائز ہونے کے بعد یہ طرۂ امتیاز تھا کہ وہ حیدر آباد کا بجٹ عند الضرورت

اپنی جیب سے پورا کر دیتے۔ اور پھر آہستہ آہستہ وصول کرتے رہتے۔ ان کی اس خدمت کی بناء پر حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے ۱۹۳۳ء کے جلسہ سالانہ پر فرمایا۔

"سیٹھ محمد غوث صاحب وہاں (حیدر آباد دکن) کے فنانشل سکرٹری ہیں۔ سلسلہ احمدیہ کے دیرینہ خدام میں سے ہیں۔ خدمت سلسلہ کا خاص جوش رکھتے ہیں۔ اور ان لوگوں میں سے ہیں۔ کہ جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں احمدیت سے خاص خلوص ہے اور انسانی علوم کی حد تک کہا جا سکتا ہے کہ ہر ابتلاء میں حق و صداقت پر قائم رہنے والے ہیں" (الفضل جلد ۲۱ نمبر ۷۹)

پھر ۱۲ را پریل ۱۹۳۹ء کو سیٹھ صاحب کی صاحبزادی امتہ الحفیظ کے خطبہ نکاح کے وقت فرمایا:۔

"سیٹھ محمد غوث صاحب پرانے احمدی ہیں۔ ان کے تعلقات میرے ساتھ مخلصانہ ہیں۔ ان کے بچوں کے تعلقات بھی بہت اخلاص پر مبنی ہیں۔ ان کی بچیوں کے تعلقات میری بچیوں سے نہایت گہرے ہیں۔ غرض ان کے خاندان کے تعلقات ہمارے خاندان سے ایسے ہیں گویا کہ وہ ہمارے ہی خاندان کا حصہ ہیں۔ ان کی بچیوں کو میں اپنی ہی بچیاں سمجھتا ہوں۔ اس لئے یہ نکاح گویا ہمارے ہی خاندان میں ہے"

(الفضل جلد ۲۷ نمبر ۸۶ مورخہ ۱۵ را پریل ۱۹۳۹ء)

ان فقرات سے اس خاندان کی بزرگی کا پتہ بآسانی مل سکتا ہے۔

سیٹھ محمد غوث۔ ان کے دو بڑے فرزند سیٹھ محمد اعظم سیٹھ معین الدین صاحب ایک ہی رنگ میں رنگین ہیں۔ مرد۔ عورتیں اور بچے سلسلہ کی محبت میں سرشار ہیں۔ اور ہر قسم کی قربانی کے لئے ہمہ تن تیار رہتے ہیں۔ ان کا نمونہ لوگوں کے لئے قابل صد رشک ہے۔

اللہ تعالےٰ اپنی ہر قسم کی نصرتیں اور ہر قسم کے فضل اس مبارک خاندان پر نازل فرما رہا ہے۔

یہ خاندان نہ صرف ہر تحریک میں پیش پیش ہے بلکہ خاندانِ نبوت کی محبت میں بھی دیگر ہزار ہا لوگوں سے بڑھکر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سیٹھ محمد غوث صاحب اور ان کے خاندان کے افراد جب آتے ہیں۔ وہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی عنایاتِ خاص کے مورد ہوتے ہیں۔ اور حضور کے ذاتی مہمان ہوتے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد۔

(۸)

اس قسم کے احباب کی ایک بڑی جماعت ہے۔ جو ہندوستان کے اندر بھی ہیں۔ اور ہندوستان کے باہر بھی۔ اور وہ دن رات خدمتِ دین کے لئے کمر بستہ ہیں۔ ان میں بعض بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔ اور بعض بالکل غریب اور نادار لوگ ہیں۔ ایسے لوگوں میں سے جنہوں نے اپنے وقت میں بڑی خدمتیں کی ہیں میں حضرت سیٹھ عبد الرحمٰن حاجی اللہ رکھا صاحب مرحوم آف مدراس اور حضرت سیٹھ اسمٰعیل صاحب آدم کا خاص ذکر کرتا ہوں۔ یہ دونوں ہی صحابی ہیں۔ اور حضرت مسیح موعودؑ سے ایک خاص عشق کا رنگ رکھتے ہیں۔ سیٹھ حاجی اللہ رکھا جو اب فوت ہو چکے ہیں اپنی زندگی میں عاشقانہ رنگ میں روپیہ خرچ کرتے تھے۔ اور اُس وقت ان کی قربانی بڑی بڑھی ہوئی تھی۔ اسی طرح سیٹھ اسمٰعیل آدم کا وجود بمبئی میں احمدیت کے لئے بڑا بابرکت تھا۔ اللہ ان کی زندگی میں برکت دے اور کاروبار میں غیر معمولی فروغ دے۔ آمین

اسی زمرہ میں سیٹھ ابوبکر یوسف صاحب تاجر جدہ کا نام بھی قابلِ ذکر ہے جن کی وجہ سے احمدیت کا ذکر ایک بڑی مدت تک عرب کی زمین میں شہرت پاتا رہا۔ سیٹھ ابوبکر یوسف بھی بے دریغ سلسلہ کے لئے اپنا مال قربان کرنے والوں میں سے تھے مگر اب حکومتِ سعودی

کی ایک غلطی سے آپ کو ہزار ہا روپیہ کا نقصان پہنچا اور کاروبار بند ہو گیا۔ لیکن اُن کے اخلاص و محبت میں خدا کے فضل سے کسی قسم کی کمی نہیں ہوئی۔ بلکہ یقین و اخلاص میں ترقی ہی ہوئی اللہ تعالیٰ ان کی ہر قسم کی مشکلات کو دُور فرمائے۔

(۹)

کچھ اور قابل ذکر اصحاب

کرنل ڈاکٹر عطاء اللہ[1] صاحب۔ میجر خلیفہ تقی الدین[2] صاحب۔ میجر سید حبیب اللہ شاہ[3] صاحب۔ مولوی محمود الحسن[4] صاحب آئی۔ سی۔ ایس مدراس۔ پروفیسر عطاء الرحمن[5] صاحب ڈائرکٹر تعلیم آسام ملک صاحب خان نون[6] صاحب ڈپٹی کمشنر۔ خان بہادر چوہدری نعمت اللہ خان[7] صاحب ریٹائرڈ سیشن جج۔ شیخ اعجاز احمد[8] صاحب اسسٹنٹ ویٹ کمشنر۔ چوہدری بشیر احمد[9] صاحب محکمہ سپلائی۔ چوہدری نصیر احمد[10] صاحب (گورنمنٹ آف انڈیا) کیپٹن عمر حیات[11] صاحب۔ کیپٹن نذیر احمد[12] صاحب۔ لفٹیننٹ میاں محمد لطیف[13] صاحب پائلٹ آفیسر۔ پروفیسر قاضی محمد اسلم[14] صاحب گورنمنٹ کالج لاہور شیخ بشیر احمد[15] صاحب ایڈووکیٹ لاہور۔ چوہدری اسد اللہ خاں[16] صاحب بار ایٹ لاء۔ سید محمود اللہ شاہ[17] صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی افریقہ۔ سید منیر[18] آفندی الحصنی دمشق شام۔ سید احمد آفندی[19] حلمی قاہرہ مصر۔ رشدی البطی آفندی فلسطین۔ حاجی عبد اللطیف[21] صاحب بغداد۔ میرزا برکت علی[22] صاحب بغداد و مسٹر عبد اللہ سکاٹ[23] صاحب بغداد۔ وغیرہ صدہا قابل ذکر لوگ ہیں۔ جن کو خدا نے اخلاص بے پایاں دیا ہے۔ اور وہ محبت و اخلاص سے سلسلہ کی خدمت اپنے اپنے رنگ میں کر رہے ہیں۔ بہت سے اصحاب مناسب اپنے اپنے وقت میں خدمت کر کے اپنے اللہ کے حضور چلے گئے جیسے خان بہادر محمد حسین صاحب مرحوم سیشن جج خان بہادر آصف زمان مرحوم۔ چوہدری شمشاد علی خان صاحب مرحوم آئی۔ سی۔ ایس وغیرہ

ان لوگوں کی زندگیوں پر ایک خاص رنگ چڑھ چکا ہے اور یہ لوگ دنیا کو اپنی احمدیت کی وجہ سے نمایاں نظر آتے ہیں۔

(۱۰)
میاں غلام محمد صاحب اختر لیبر وارڈن ریلوے

بعض ایسے وجوہات ہیں۔ کہ میں نے برادرم اختر صاحب کا تذکرہ نمبر ۹ کی فہرست میں نہیں کیا۔ بلکہ ان کے لئے الگ نمبر قائم کر رہا ہوں۔ اختر صاحب کی زندگی حضرت خلیفۃ المسیح ثانی کی دعاؤں کا ایک معجزانہ نمونہ ہے۔ اس لئے میں ان کا خاص ذکر کر رہا ہوں۔

اختر صاحب ریلوے کی ملازمت میں جب داخل ہوئے۔ تو اس وقت کرنل سوان ریلوے سول سرجن ان کا اور امیدواروں کا امتحان لے رہے تھے۔ اختر صاحب کی بائیں آنکھ اس نشان کو دیکھ نہ سکی۔ جو آنکھوں کے ٹسٹ کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔ مگر باوجود اس کے اختر صاحب ان امیدواروں میں کھڑے گئے جو پاس شدہ تھے۔ اور یہی نہیں بلکہ انکو عریاں بھی نہیں کیا گیا۔ جو ریلوے کے امتحان کے لئے ضروری تھا۔ اور یہ دونوں باتیں معجزانہ طور پر ظہور پذیر ہوئیں۔ ۱۹۲۸ء میں اختر صاحب کی تنخواہ ۶۰؍ ماہوار تھی۔ وہ ترقی کے لئے انتہائی کوشش کر رہے تھے۔ سفارشیں بھی کروائی گئیں۔ مگر نتیجہ کچھ نہ ہوا۔ بالآخر حضرت امیر المومنین کی دعاؤں سے ۶ ماہ کے عرصہ میں یکدم ایسی تبدیلی ہوئی۔ کہ ساٹھ سے ایک سو پچاس روپیہ ترقی ہو گئی۔

ایک جدید نشان ۱۹۲۹ء میں یہ اسامی یکدم تخفیف میں آ گئی۔ اس لئے ضروری تھا کہ اختر صاحب اپنی ساٹھ کی ملازمت پر واپس جاتے۔ مگر اسی دن راولپنڈی میں ایک انگریز لیبج انسپکٹر مر گیا جس کی اسامی پر اختر صاحب بذریعہ تار مقرر کر دئے گئے۔

اس واقعہ سے چند ماہ بعد ایجنٹ کے دفتر والوں نے ایک سینئر آدمی کو لیگج انسپکٹر کے عہدہ پر بھیج دیا۔ اور اختر صاحب کو پھر ساٹھ والی جگہ پر جانے کا حکم دیا۔ لیکن اسی روز ایک دوسرا انگریز افسر جس کا نام سٹرہل تھا مونیا سے مر گیا۔ اور اختر صاحب کو اس جگہ سے کوئی ہٹا نہ سکا۔

تیسری مرتبہ تیسری مرتبہ جون ۲۹ء میں افسران نے انکو ساٹھ کی جگہ پر واپس کیا۔ اس پر اختر صاحب کو بڑا صدمہ ہوا۔ رخصت لے کر کشمیر چلے گئے۔ اور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ کو دعا کے لئے لکھتے رہے۔ ان دعاؤں کا یہ اثر ہوا۔ کہ لاہور سے ایجنٹ صاحب بہادر کا حکم ملا کہ تم کو دوسو روپیہ ماہوار پر پشاور مقرر کر دیا گیا۔ اس تقرر نے سب لوگوں کو حیران کر دیا۔ لوگوں کی ابھی یہ حیرانی دور نہیں ہوئی تھی۔ کہ ۱۹۳۰ء میں سر کروزک والٹن ایجنٹ بہادر نے اپنے خاص اختیارات سے اختر صاحب کو تین سو پچاس روپیہ ماہوار پر سٹاف وارڈن مقرر کر دیا۔ اور یہ ایک ایسی اسامی ہے جس پر اختر صاحب کے سوا کوئی شخص اس طرح نامزد نہیں کیا گیا۔ بلکہ ہمیشہ انتخاب ہوتا رہا ہے۔

۱۹۳۸ء میں غیر معمولی حالات کے ماتحت آپ کو لیبر وارڈن مقرر کیا گیا۔ اور پانچسو روپیہ ماہوار تنخواہ مقرر ہو گئی۔

۱۹۴۲ء میں ایک عہدہ دار کی لمبی رخصت پر جانے کی وجہ سے جونیئر اسسٹنٹ پرسنل جنرل منیجر صاحب بہادر کے عہدہ پر اختر صاحب بہتر سے بہتر اور قابل سے قابل آدمیوں کو پیچھے چھوڑ کر جے۔ اے۔ پی لگا دیئے گئے۔

اختر صاحب ایک بے وسیلہ۔ بے یار و مددگار۔ ظاہر ڈگریوں سے خالی انسان ہیں۔ مگر ایک اور صرف ایک چیز ان کے پاس ہے اور وہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی دعا ہی جو دوسرے لوگوں کو میسر نہیں۔ اس دعا کی برکت سے وہ تمام مراحل طے کرتے چلے گئے۔ اور کرتے چلے جا رہے ہیں۔

اختر صاحب اب ریلوے کے اعلیٰ افسروں میں ہیں - ہزارہا آدمی ان کے ماتحت ہیں - سینکڑوں روپیہ تنخواہ ہے لیکن انکا سر آستانہ الٰہی پر ہر وقت جھکا رہتا ہے، انکا گھر احمدی مہمانوں سے ہر وقت بھرا رہتا ہے - جنکی خدمت وہ اپنے ہاتھ سے بڑے شوق اور محبت سے کرتے ہیں - میں نے خود اُن کے گھر میں ٹھہر کر دیکھا ہے - کہ وہ دن رات احمدیت کی محبت میں سرشار رہتے ہیں - چھوٹے بڑے، مرد، عورتیں اپنے امام کی محبت میں مست ہیں - اور احمدیت کیلئے اپنا سب کچھ قربان کر دینا ایک آسان کام سمجھتے ہیں - یہی حالت ہر اس احمدی کی میں نے دیکھی - جو عرف عام میں بڑے آدمیوں میں شمار ہوتا تھا - وہ بظاہر بڑے نظر آتے ہیں - مگر ان کے دل درویشی کے گلیم پوش ہیں - ان کی ایسی ٹریننگ ہو گئی ہے - کہ کوئی کام کوئی خدمت اُن کے لئے اب عیب نہیں رہی - اختر صاحب کے پاس احمدیہ مسجد ہے - مجھے وہ بتلاتے تھے کہ اس مسجد کا صحن اور عمارت وقار عمل کر کے بنائی گئی ہے - ایک دن جبکہ وہ سب اسلام کے مزدور بنے ہوئے تھے - کچھ ریلوے کے ملازم وہاں آئے - اور اپنے افسر کو مٹی ڈھوتے دیکھ کر سخت حیران ہوئے - اختر صاحب تو ایک طرف رہے - جنھوں نے چودھری سر محمد ظفراللہ خاں صاحب جیسے وزیر کبیر کو جماعت کے اراکین کے ساتھ وقار عمل کرتے دیکھا وہ اس سے بھی زیادہ حیران ہوتے تھے -

الغرض

احمدیت ایک پیغام زندگی ہے اور وہ ہر احمدی میں ایک حیاتِ عمل پیدا کرتی ہے اور اس حیات عمل سے کوئی بڑا اور چھوٹا مستثنےٰ نہیں ہو سکتا -

قادیان کی مادّی ترقی

جہان قادیان کو علمی۔ عملی۔ رُوحانی عروج حاصل ہوا۔ اور قادیان دنیائے اسلام کا مرکز بن گیا۔ وہاں قادیان کو بہت بڑی مادی ترقی حاصل ہوئی۔ وہ قادیان جس کے بازاروں میں خریدنے کے لئے چیزیں دستیاب نہ ہوتی تھیں۔ آج اس کے بازار دنیا کی چیزوں سے بھرے پڑے ہیں۔ وہ بازار جو اُجڑے ہوئے تھے۔ آج پُر رونق اور بھرے ہوئے ہیں۔ کئی نئے بازار نکل آئے ہیں۔ جہاں ایک روپیہ ماہوار کو دوکان کرایہ پر نہ چڑھتی تھی۔ اب دس دس بارہ بارہ روپے ماہوار کرایہ دینے والی دوکانیں موجود ہیں۔ تجارت کا مال دنیا کے کونوں سے آتا ہے۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ قادیان میں پان میسر نہ آتا تھا۔ آج یہ وقت ہے کہ قادیان میں پانفروشوں کی متعدد دوکانیں موجود ہیں۔ چند دن ہوئے کہ ایک پانفروش مولوی عبدالواحد نے مجھے بتلایا کہ اس کے پاس ۲۵ ہزار پان قادیان میں موجود ہیں۔ ایک ایک چیز کی کئی کئی دوکانیں ہیں۔ کپڑے کی دوکانوں کا یہ حال ہے۔ کہ دوکان لالہ ہری رام۔ راجہ رام پرتاپ صاحب کی دوکان میں کم وبیش بیس ہزار کا کپڑا موجود ہے اور ویسے تو ایک درجن سے بھی زیادہ کپڑے کی دوکانیں موجود ہونگی۔ سینکڑوں من دودھ دس دس میل سے آتا ہے۔ متعدد حلوائیوں کی دوکانیں ہیں جو سب خوب چلتی ہیں۔ جہاں ایک آدھ موچی کا کام کرتا تھا۔ وہاں بوٹ بنانے والے ایک درجن آدمی کام کر رہے ہیں۔ دارالصناعت فٹ ویئر کا کارخانہ الگ ہے۔ جس میں خاصی مقدار میں مال تیار ہوتا ہے۔ جہاں حجاموں کی یہ حالت تھی۔ کہ وہ عید وغیرہ پر انعام ملنے کی امید پر کام کرتے تھے

وہاں اب اعلیٰ درجے کے ہیئر کٹنگ اور ہیئر ڈریسنگ سیلون بنے ہوئے ہیں۔

دواخانے

ہر قسم کے ڈاکٹر یونانی - ویدک - ڈاکٹری - ہومیوپیتھی - طبِ جدید - وغیرہ کے ماہر موجود ہیں - خون - تھوک - بلغم - پیشاب - پاخانہ وغیرہ ٹسٹ کرنے کے لئے ڈاکٹر کرک جیسے تجربہ کار ڈاکٹر کی لیبارٹری موجود ہے - دانتوں کے لئے ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب ڈینٹل سرجن - ڈاکٹر حاجی جیوا اللہ صاحب ڈینٹل سرجن ہمدرد - خلیق اور دلسوزی سے کام کرنے والے موجود ہیں - آنکھوں کے لئے ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب دہلی والے نہایت محبت سے علاج کرتے ہیں - اُن کے پاس ہر قسم کی عینکیں میسر آسکتی ہیں -

طبی عجائبات کے لئے :- دواخانہ خدمت خلق - ایڈیٹر صاحب نور کا دواخانہ - حکیم نظام جان صاحب کا دواخانہ - طبیہ عجائب گھر - کاغانی صاحب کا دواخانہ - ویدک یونانی دواخانہ - دواخانہ نورالدین - دواخانہ رفیق حیات - دواخانہ فاروقی وغیرہ اچھا کام کر رہے ہیں - ان کے علاوہ متعدد انگریزی ڈسپنسریاں اور میڈیکل ہال کھلے ہوئے ہیں -

کارخانے

ستارہوزری :- ایک بہت بڑا کارخانہ ہے - ایک ہزار کے قریب مرد اور عورتیں اس کارخانے کے ذریعے اپنی زندگی کے ایام بخوبی بسر کر رہے ہیں - اس کارخانہ کے طفیل متعدد گھروں میں مشینیں لگی ہوئی ہیں - کہیں درزی کام کر رہے ہیں - کہیں عورتیں گھروں پہ لاکر کام کر رہی ہیں - یہ کارخانہ بابو اکبر علی صاحب جیسے لائق اور قابل انسان کے ہاتھ میں ترقی کر رہا ہے -

میک ورکس:- قادیان کا قابل صد رشک کارخانہ ہے۔ جس کی وجہ سے قادیان کی صنعتی شہرت دُور دُور کے شہروں تک پھیلی ہوئی ہے۔

اس کے علاوہ اکبر علی اینڈ سنز۔ جنرل سروس۔ احمد برادرز۔ پیر ورکس مکینیکل انڈسٹریز۔ آئرن سٹیل میٹل وغیرہ کارخانے لوہے کا کام کر رہے ہیں۔ جگہ جگہ بھٹیاں جل رہی ہیں۔ لوہے پگھل رہے ہیں۔ مختلف اشیاء ڈھل رہی ہیں کہیں آٹا پیسنے کی مشینیں ہیں۔ کہیں رُوئی دُھننے کی کلیں کام کر رہی ہیں۔ اور کہیں لکڑی چیرنے کی مشینیں چل رہی ہیں۔ موسم گرما میں متعدد سوڈا واٹر فیکٹریاں کام کرتی ہیں۔ عطریات کے لئے پرفیومری کا کارخانہ ہے۔ شیشہ کا کارخانہ ہے۔ غرض ہر طرف کارخانوں کی شان نظر آ رہی ہے۔

سیمنٹ کی ایجنسیاں۔ لکڑی اور کوئلے کی متعدد دوکانیں ہیں۔ اینٹوں کے لئے بھٹے کام کر رہے ہیں۔

بجلی لگی ہوئی ہے۔ کئی مکانات میں الیکٹرک واٹر پمپ کام کر رہے ہیں۔ عمدہ عمدہ باغات بن رہے ہیں۔ وسیع کوٹھیاں اور بنگلے بن رہے ہیں۔ سڑکیں اور راستے تیار ہو رہے ہیں۔

ڈاک خانہ ڈاک خانہ کا ایسا اعلیٰ انتظام ہے۔ تار۔ رجسٹری۔ منی آرڈر۔ پارسل وی۔ پی وغیرہ کے لئے الگ کھڑکیاں ہیں متعدد پوسٹ مین کام کرتے ہیں۔ بابو لوگ معقول تنخواہیں لے رہے ہیں۔ ہزار ہا روپیہ کا کاروبار۔ اور ساری دنیا کے ملکوں سے خط و کتابت ہوتی ہے۔ قادیان کے ڈاک خانہ میں سب سے پرانا آدمی منشی جان محمد پوسٹ مین ہے جو حضرت مسیح موعودؑ کا صحابی ہے۔

تار و ٹیلیفون احمدیت کے طفیل یہاں تار اور ٹیلیفون کے محکمے بھی کھل گئے ہیں۔ قادیان بیٹھ کر جس ملک سے چاہو۔ منٹوں میں ٹیلیفون پر

گفتگو کی جا سکتی ہے - یہ ایک بہت بڑی سہولت ہے جو خدا نے قادیان کو مہیا کر دی ::

ریلوے اسٹیشن ریلوے ہونے کی وجہ سے قادیان تک سفر بہت آسان ہو گیا ہے - دنیا بھر کے ملکوں سے ریلیں مہمانوں کو لے کر قادیان اسٹیشن پر آتی ہیں - اور مبلغین کو لیکر دنیا کے ملکوں کو جاتی ہیں -

ٹون کمیٹی یہاں ایک عرصہ سے ٹون کمیٹی بھی قائم ہے - جس کی وجہ سے صفائی کا اچھا انتظام ہو رہا ہے - بجلی کی روشنی ہے - اس وقت ملک مولا بخش صاحب پنشنر کمیٹی کے پریذیڈنٹ ہیں - اور میرزا اسلم بیگ صاحب سکرٹری ہیں - اس ماہ نومبر سے محکمہ چونگی بھی قائم ہو گیا ہے -

پولیس سٹیشن عرصہ سے قادیان کی حفاظت کے لئے پولیس چوکی قائم ہے - اس وقت پولیس چوکی سرکاری عمارت میں ہے - اور اس وقت چوہدری رادھا کرشن صاحب اسسٹنٹ سب انسپکٹر انچارج چوکی ہیں -

ڈی - اے - وی ہائی سکول مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول - مدرسہ احمدیہ - جامعہ احمدیہ اور نصرت گرلز ہائی سکول کے علاوہ ایک آریہ سماج کی طرف سے ڈی - اے - وی ہائی سکول بھی چل رہا ہے اور لڑکیوں کے لئے ایک پُتری پاٹھ شالہ بھی ہے -

الغرض

ریل - تار - ٹیلیفون - ڈاک خانہ - شفاخانہ - ہر قسم کے کارخانے - بازار - تجارت کی فراوانی آج کی قادیان میں موجود ہیں - اور یہ اس

جدید قادیان

کی مادّی ترقی ہے ::

جدید محلے

قادیان کی آبادی ہر طرف سے بڑھ رہی ہے۔ دارالرحمت[1]۔ دارالعلوم[2]۔ دارالفضل[3] شرقی و غربی۔ دارالبرکات[4] شرقی و غربی۔ دارالسعۃ[5]۔ دارالشکر[6] شرقی و غربی۔ دارالیسر[7]۔ دارالوداد[8]۔ دارالصحت[9]۔ باب[10] الانوار۔ دارالانوار[11]۔ باب[12] الفتوح۔ جدید محلے۔ دُور تک پھیلتے چلے گئے ہیں۔ ان کی آبادیاں خوب گنجان ہو چکی ہیں۔ اور ہر محلہ میں ایک ایک مسجد ہے۔

ان محلہ جات میں بہت سی عمارتیں قابل دید ہیں۔ دارالعلوم میں حضرت نواب محمد علی خاں صاحب کی کوٹھی دارالسلام۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب کا مکان۔ حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب کی کوٹھی الصّفّہ۔ خان بہادر شیخ رحمت اللہ صاحب کی کوٹھی۔ بابو اکبر علی صاحب کی کوٹھی تعلیم الاسلام ہائی سکول۔ بورڈنگ۔ جامعہ احمدیہ۔ نصرت گرلز ہائی سکول اور نور ہسپتال کی عمارتیں۔

دارالفضل میں حضرت میاں شریف احمد صاحب کی کوٹھی۔ چوہدری غلام حسن صاحب سفید پوش کی کوٹھی۔ ملک غلام فرید صاحب ایم۔اے اور مولوی محمد الدین صاحب بی۔اے کی کوٹھیاں۔ حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب کا فروٹ فارم۔ نیز کا ٹیج۔

دارالبرکات میں میرزا عبد الغنی صاحب افریقی کی کوٹھی جو اندھیری راتوں میں مسافروں کیلئے روشنی کرتی ہے۔ ڈاکٹر محمد الدین صاحب کی کوٹھی۔

دارالسعۃ میں چوہدری نواب محمد الدین صاحب کا مکان۔

دارالانوار کی شاندار کوٹھیاں۔ دارالحمد۔ بیت الظفر۔ بیت الحکمت گیسٹ ہاؤس سیٹھ عبد اللہ بھائی کی کوٹھی۔ بیت النصرت میر محمد اسحٰق صاحب۔ مولانا ذوالفقار علی خاں صاحب۔ سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب کی کوٹھیاں۔ یہ سب کوٹھیاں قابل دید ہیں۔ اس لئے کہ یہ سلسلہ کی صداقت کی منہ بولتی تصویریں ہیں ؎

احمدیہ جوبلی

قادیان نے خلافت ثانیہ پر پچیس ۲۵ سال گذرنے پر اور سلسلہ عالیہ احمدیہ پر پچاس سال گزرنے پر ایک جوبلی کی مبارک تقریب دیکھی - میں اس جوبلی کا ذکر اس لئے کرنا چاہتا ہوں - تاکہ دنیا کو معلوم ہو سکے - کہ عام دنیا کی جوبلیوں سے یہ جوبلی نرالی تھی جس میں سر سے لے کر پاؤں تک دین ہی دین تھا - یہ جوبلی دسمبر ۱۹۳۹ء کے سالانہ جلسہ کے موقعہ پر منائی گئی -

ہر ایک جماعت نے جو اس جلسہ میں آئی - اپنا اپنا جھنڈا اٹھایا ہوا تھا - اور وہ نہایت سادگی سے خدا تعالےٰ کی حمد کے گیت گاتے ہوئے جلسہ گاہ میں گئی - اس جلسہ میں چالیس ہزار سے زاید مرد و زن کا اجتماع تھا - وہ سب خدا کی حمد کے ترانے گاتے تھے - اس طرح قادیان کی تمام فضاء خدا تعالےٰ کی حمد سے بھری ہوئی تھی - اور یہ نظارہ ۲۸ر دسمبر کی صبح کو ۹ بجے نظر آیا - ایک گھنٹہ کے اندر تمام پنڈال کھچا کھچ بھرا ہوا نظر آتا تھا -

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی آمد پر تمام جماعت نے کھڑے ہو کر سات مرتبہ آپ کو اَھلاً وَّ سَھلاً وَّ مَرحَباً کہا - اور اس کے بعد حضور کو حسب ذیل ۱۴ جماعتوں کی طرف سے ایڈریس پیش کئے گئے -

(۱) صدر انجمن احمدیہ کی طرف سے جناب چوہدری فتح محمد سیال ایم - اے ناظر اعلیٰ نے ایڈریس پیش کیا -

(۲) جماعتہائے ہندوستان کیطرف سے آنریبل سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے ایڈریس پیش کیا -

(۳) جماعتہائے آسام کی طرف سے پروفیسر عطاء الرحمٰن صاحب ایم۔اے نے ایڈریس پیش کیا
(۴) جماعتہائے بنگال کی طرف سے خان بہادر چوہدری ابوالہاشم صاحب ایم۔اے " " "
(۵) جماعتہائے بہار کی طرف سے حکیم خلیل احمد صاحب " " "
(۶) جماعتہائے صوبہ سرحد کی طرف قاضی محمد یوسف صاحب " " "
(۷) علی گڑھ یونیورسٹی کے طلبہ کی طرف سے جناب مولوی عبدالمنان صاحب ایم۔اے " " "
(۸) آل انڈیا نیشنل لیگ کی طرف سے خاکسار شیخ محمود احمد عرفانی " " "
(۹) خدام الاحمدیہ کی طرف سے چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر " " "
(۱۰) بلاد عربیہ کی طرف سے عبدالعزیز صاحب ادیب دمشقی " " "
(۱۱) مشرقی افریقہ کی طرف سے مسٹر غلام حسین صاحب افریقی " " "
(۱۲) چینی ترکستان کی طرف سے حاجی جنود اللہ صاحب زرقانی " " "
(۱۳) جماعتہائے ملایا سنگاپور کی طرف سے مسٹر زہدی صاحب سنگاپوری " " "
(۱۴) جماعتہائے شرق الہند کی طرف سے مسٹر احمد رشدی صاحب سماٹری " " "

جلسہ خواتین

خواتین کا جلسہ خلافت جوبلی الگ تھا۔ اس جلسہ میں حضرت ام طاہر احمد صاحبہ جنرل سکرٹری لجنہ اماء اللہ نے ۲۷ دسمبر کی صبح کو لجنہ اماء اللہ کی طرف سے حضور کو تہنیت نامہ پیش کیا۔

ایک انگلستان کی احمدی نومسلمہ مس سلیمہ بینک نے انگلستان کے احمدیوں کی طرف سے انگریزی میں ایڈریس پڑھا۔

یہ سب ایڈریس اور ان کے جواب ایک کتاب روئیداد جلسہ خلافت جوبلی میں موجود ہیں ؎

لوائے احمدیّت

اس جلسہ پر پہلی دفعہ لوائے احمدیت۔ جماعت احمدیہ کو دیا گیا۔ اس جھنڈے کی یہ خصوصیت تھی۔ کہ اس کی ہر ایک چیز صحابہ حضرت مسیح موعودؑ کے ہاتھوں سے تیار ہوئی تھی۔ اس کی رُوئی میاں فقیر محمد صاحب امیر جماعت ونجواں ضلع گورداسپور نے اپنے ہاتھ سے کاشت کی۔ اور اپنے ہاتھ سے پانی دیتے رہے اور پھر خود ہی چُنائی کی۔ پھر بعض صحابہ سے دُھنوایا۔ اور پھر اپنے گھر سے کتوا کر یہ سُوت حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے کی خدمت میں بھیجدیا۔ چونکہ یہ سُوت کافی نہ تھا۔ اس لئے مزید آٹھ دس سیر روئی بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی کے ذریعے حاصل کی گئی۔ اور اس روئی کو سکرٹری صاحبہ لجنہ اماء اللہ نے بعض صحابیات کے ذریعہ کتوایا۔

کپڑے کی تیاری

صاحبزادہ میرزا ناصر احمد صاحب نے اس سُوت سے صحابی بافندگان کے ذریعے قادیان اور موضع تلونڈی میں کپڑا بنوایا۔

جھنڈے کا سائز

جھنڈے کے سائز کے متعلق فیصلہ ہوا۔ کہ اٹھارہ فٹ لمبا اور ۹ فٹ چوڑا ہو کپڑا تیار ہونے پر صحابی درزیوں نے اس میں جوڑ ڈالا۔ جھنڈے کے نقش شاہدرے سے بنوائے گئے۔ اور یہ کام ملک عطاء الرحمٰن صاحب مجاہد تحریک جدید کی سعی سے تکمیل کو پہنچا۔

جھنڈے کا پول

چونکہ جھنڈے کے پول کے لئے اتنی لمبی لکڑی نہیں مل سکتی تھی۔ اس لئے پائپ کرائے پر لے کر پول بنایا گیا۔ جو ۶۲ فٹ لمبا تھا۔ اس کے کھڑے کرانے کی خدمت بابو اکبر علی صاحب نے اپنے ذمہ لی۔ جھنڈا بڑا بھاری اور وزنی تھا اس اندیشہ تھا۔ کہ اوپر جاکر لہرائے گا نہیں۔ مگر جب اُسے لہرایا گیا۔ اور حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا کی دعاؤں کے ساتھ بلند کیا۔ تو ہوا کے ایک جھونکے سے جھنڈا بالکل کھُل کر لہرانے لگا۔ اور یہ تقریب نعرہائے تکبیر پر ختم ہوئی۔

جھنڈا لہرانے سے قبل حضور نے تمام جماعت سے حسب ذیل عہد لیا۔

"میں اقرار کرتا ہوں۔ کہ جہاں تک میری طاقت اور سمجھ ہے اسلام اور احمدیت کے قیام۔ اس کی مضبوطی اور اس کی اشاعت کے لئے آخر دم تک کوشش کرتا رہوں گا۔ اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے اس امر کے لئے ہر ممکن قربانی پیش کروں گا۔ کہ احمدیت یعنی حقیقی اسلام دوسرے سب دینوں اور سلسلوں پر غالب رہے اور اس کا جھنڈا کبھی سرنگوں نہ ہو۔ بلکہ دوسرے سب جھنڈوں سے اونچا اڑتا رہے۔ اللھم آمین۔ اللھم آمین۔ اللھم آمین۔

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْم

جھنڈے کا پہرہ

اس وقت پہرہ کا کام خدام الاحمدیہ کے سپرد ہوا جنھوں نے خاندانِ نبوت کے نونہالوں کا پہلا پہرہ لگایا۔ یہ سب کارروائی ۲ بجکر ۲۵ منٹ پر ختم ہوئی ؛؛

چراغاں

جنرل سروس کے ذریعے منارۃ المسیح پر روشنی کا انتظام کیا گیا۔ یہ روشنی ۲۸ ؍ اور ۲۹ ؍ تاریخ کی درمیانی شب کو کی گئی۔ جو نہایت دلکش تھی۔ منارۃ المسیح کی آخری منزل پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا حسب ذیل الہام بھی لکھکر لگایا گیا تھا۔

"بخرام کہ وقت تو نزدیک رسید و پائے محمدیان بر منار بلند تر محکم افتاد"

پیشکش

۲۸ ؍ دسمبر کو ایڈریسوں کے بعد آنریبل چودھری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب نے تین لاکھ روپیہ کی حقیر پیشکش حضور کی خدمت میں بطور چیک پیش کی۔ حضور نے تمام ایڈریسوں کے جواب میں ایک روح پرور تقریر فرمائی۔ جس میں اس روپیہ کے صرف کے متعلق بھی اعلان فرمایا۔ جو سراسر قوم اور جماعت کی بہبودی و ترقی کیلئے ہے۔ اور اس میں ایک خاص رقم جماعت کی اشاعت اور ترقی کے لئے اور دوسری تعلیمی بہبودی کے لئے صرف ہو رہی ہے۔

مندرجہ بالا حالات سے ہر شخص اندازہ لگا سکتا ہے۔ کہ سلسلہ عالیہ احمدیہ کی خوشی کی تقریبات کس طرح آتی ہیں اور ان کو کس طرح استعمال کیا جاتا ہے۔ ہر تقریب کا خلاصہ خدا کی رضاء اور سلسلہ کی اشاعت و ترقی اور بہبودی ہے۔ اور بس ؛

سلسلہ احمدیہ
کا
مرکزی نظام

سلسلہ احمدیہ کا مرکزی نظام

سلسلہ احمدیہ کا پہلا مرکزی نظام ایک صدر انجمن احمدیہ پر مشتمل تھا جس کا نتیجہ یہ تھا۔ کہ کاموں کا سارا بوجھ ایک شخص پر آکر پڑ جاتا تھا۔ اس زمانہ میں صحیح طریق عمل یہ ہے کہ تقسیم عمل ہو۔ اور ہر ایک کام میں زیادہ سے زیادہ افراد قوم کو شامل کر لیا جائے۔

جو لوگ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز پر یہ الزام لگاتے ہیں کہ ان کو اپنی سیادت کا شوق تھا۔ اُن کے لئے حضور کا یہ فعلی جواب کافی ہے۔ کہ آپ نے سلسلہ کے کاموں کو جمہوری نظام کے مطابق جماعت کے افراد پر اس طرح تقسیم کیا ہے۔ کہ جماعت کا بہت بڑا حصہ فعّال عضو بن گیا ہے۔ یہ پہلا نظام ۱۹۰۶ء میں قائم ہوا۔ اور حسب قانون رجسٹریشن (ایکٹ XXI آف ۱۸۶۰) رجسٹری شدہ ہے۔ ان انجمنوں کی تعداد بہت تھوڑی تھی۔ مگر خلافت ثانیہ میں اس قدر ترقی ہوئی۔ کہ دسمبر ۱۹۳۹ء تک ۷۸۶ شاخیں کھل چکی تھیں۔ یہ سب شاخیں مقامی طور پر ان فرائض کو سرانجام دیتی ہیں۔ جو صدر انجمن احمدیہ کے سپرد ہیں۔

ان انجمنوں کے عہدہ داران کا انتخاب سہ سالہ ہوتا ہے۔ اور انتخاب کے بعد منتخب شدہ اسماء مرکز میں بغرض منظوری بھیجے جاتے ہیں۔ جن کی منظوری متعلقہ ناظر صاحب دیتے ہیں۔ اور پریذیڈنٹ صاحبان کی منظوری ناظر صاحب اعلیٰ دیتے ہیں۔ اور امراء کا تقرر حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں۔

نظارتوں کا قیام

نظارتوں کا قیام ۱۹۱۹ء میں ایک فرمان مبارک کے ذریعہ ہوا جو حسب ذیل ہے:-

" تمام احباب جماعت کی اطلاع کے لئے شائع کیا جاتا ہے کہ ضروریات سلسلہ کو پورا کرنے کے لئے قادیان اور بیرونجات کے احباب سے مشورہ کرنے کے بعد میں نے یہ انتظام کیا ہے۔ کہ سلسلہ کے مختلف کاموں کے سرانجام دینے کے لئے چند ایسے افسران مقرر کئے جائیں۔ جن کا فرض ہو کر وہ حسب موقع اپنے متعلقہ کاموں کو پورا کرنے میں کوشاں رہیں۔

فی الحال میں نے اس غرض کے لئے ایک ناظر اعلیٰ۔ ایک ناظر تعلیم و تربیت ایک ناظر تالیف و اشاعت۔ ایک ناظر امور عامہ اور ایک ناظر بیت المال مقرر کیا ہے۔

اور ان عہدوں پر سردست ان احباب کو مقرر کیا ہے۔

ناظر اعلیٰ۔ مکرمی مولوی شیر علی صاحب۔ ناظر تالیف و اشاعت مکرمی مولوی شیر علی صاحب ناظر تعلیم و تربیت مکرمی مولوی سید سرور شاہ صاحب۔ ناظر امور عامہ عزیز میرزا بشیر احمد صاحب۔ ناظر بیت المال مکرمی ماسٹر عبد المغنی صاحب۔

ان کے علاوہ جماعت کی ضروریات افتاء اور قضاء کو مدنظر رکھکر افتاء کیلئے مکرمی مولوی سید سرور شاہ صاحب۔ مکرمی مولوی محمد اسمٰعیل صاحب (مرحوم) اور مکرمی حافظ روشن علی صاحب (مرحوم) کو

اور قضاء کے لئے

مکرمی قاضی امیر حسین صاحب۔ مکرمی مولوی فضل الدین صاحب اور مکرمی میر محمد اسحٰق صاحب کو مقرر کیا ہے۔ آئندہ جو تغیرات ہوں گے۔ ان سے وقتاً فوقتاً احباب کو

اطلاع دیجاتی رہیگی۔ میں امید کرتا ہوں کہ احباب ان لوگوں کے کام میں پوری اعانت کریں گے۔ اور سلسلہ کی کسی خدمت سے دریغ نہ کرینگے۔ ابتدائی کام میں بعض ضروری معلومات حاصل کرنے کیلئے ان احباب کو بیرونجات کے احباب کی مدد کی بہت ضرورت ہوگی۔ جس کیلئے ان کو بہت سا وقت خرچ کرنا ہوگا۔ مگر اللہ تعالیٰ کی رضاء کے حصول اور اس کے قائم کردہ سلسلہ کے استحکام کے لئے مجھے یقین ہے کہ سب احباب اس تکلیف کو خوشی سے برداشت کرینگے۔ اور ہر طرح ان کارکنوں کا ہاتھ بٹاکر ثواب کے مستحق ہونگے۔ اور انکی تحریرات کو میری ہی تحریرات سمجھینگے۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

خاکسار میرزا محمود احمدؒ

اس فرمان مبارک کی رُو سے سلسلہ کا جدید مرکزی نظام معرض وجود میں آیا۔

نظارت عُلیا

صدر انجمن احمدیہ کے تمام صیغہ جات کے کام کی نگرانی اس نظارت کا کام ہے۔ ناظر صاحب اعلیٰ۔ صدر انجمن احمدیہ کے بھی صدر ہیں۔ ان کی صدارت میں صدر انجمن کے اجلاس ہوتے ہیں۔ صیغہ مقبرہ بہشتی اور صیغہ جائداد کے بھی یہی افسر اعلیٰ ہیں۔

اس نظارت پر سب سے پہلے ناظر حضرت مولوی شیر علی صاحب مقرر ہوئے تھے۔ پھر چوہدری نصر اللہ خاں صاحب مرحوم اور خانصاحب ذوالفقار علی خاں صاحب فائز رہے۔ اور اب چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے ناظر اعلیٰ ہیں۔

قاضی عبد الرحمٰن صاحب قریشی پرسنل اسسٹنٹ ہیں۔ اور قاضی رشید احمد صاحب ارشد قریشی الہاشمی ہیڈ کلرک ہیں۔

نظارت دعوۃ و تبلیغ

دوسری اہم ترین نظارت، نظارت دعوۃ و تبلیغ ہے۔ اس نظارت کا کام حضرت مسیح موعودؑ کے اغراض و مقاصد اور بعثت کی غرض کو دنیا کے کونوں تک پہنچانا ہے گویا کہ حضور کا یہ الہام کہ "میں تیری تبلیغ کو دنیا کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔" اس نظارت کا مقصد اول ہے۔ اس نظارت کے ماتحت ہندوستان کے اندر اور باہر تبلیغ ہو رہی ہے ہندوستان کے باہر امریکہ۔ مغربی افریقہ۔ مشرقی افریقہ۔ انگلستان۔ جاوا۔ سماٹرا۔ برہما۔ فلسطین۔ مصر۔ سیلون۔ ماریشس میں تبلیغ اسی نظارت کے ماتحت ہو رہی ہے۔

اس نظارت کے ماتحت ایک صیغہ نشر و اشاعت کا ہے۔ جو ہر سال لاکھوں کی تعداد میں ٹریکٹ اور رسالہ جات اشاعت سلسلہ کے لئے چھاپ کر شائع کرتا ہے۔ اس کے سوا شعبہ ترقی اسلام۔ شعبہ دعوت عامہ۔ شعبہ انصار اللہ کا ہے۔

اس وقت اس نظارت کے ناظر مولوی عبد المغنی صاحب ہیں۔ مولانا عبد الرحیم صاحب نیّر حامد حسین خاں صاحب میرٹھی۔ خلیفہ صلاح الدین صاحب مختلف صیغہ جات کے انچارج ہیں۔ پیر خلیل احمد صاحب ہیڈ کلرک ہیں۔

روزنامہ الفضل اور ماہوار رسالہ مصباح بھی اسی نظارت کے جزائد ہیں۔ جو مطبع ضیاء الاسلام میں چھپتے ہیں یہ مطبع بھی اسی نظارت کے چارج میں ہے۔

الفضل سلسلہ کا آرگن ہے۔ ۱۹۱۳ء میں اسے حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے جاری کیا تھا۔ سب سے پہلا پرچہ ۱۹ر جون ۱۹۱۳ء کو شائع ہوا۔ یہ اخبار پہلے ہفتہ وار تھا پھر دو بار ہوا پھر تین بار ہوا۔ اور پھر روزانہ ہو گیا۔ حضرت امیر المومنین کے بعد حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے۔ جناب قاضی اکمل صاحب اور ماسٹر احمد حسین صاحب مرحوم بھی اس کے ایڈیٹر رہے ہیں۔ پھر خواجہ غلام نبی صاحب ایڈیٹر ہوئے۔ اور جناب

شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر اور مولوی محمد یعقوب صاحب طاہرؔ مولوی فاضل معاونین ہیں۔
چوہدری عبد المجید صاحب بی۔ اے مینیجر اور جناب بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر ہیں۔
مصباحؔ مستورات کا رسالہ ہے مولوی محمد یعقوب صاحب مولوی فاضل اسکے ایڈیٹر ہیں ؂

نظارت تعلیم و تربیت

جماعت کی تعلیمی اور تربیتی اصلاح کے لئے یہ نظارت مقرر ہے۔ اس نظارت کے ماتحت طلباء۔ یتامیٰ۔ بیوگان۔ مساکین اور غرباء وغیرہ کے لئے حسب گنجائش وظائف وغیرہ کا امدادی اور قرضہ حسنہ کا انتظام کیا جاتا ہے۔

اس وقت حضرت صاحبزادہ کیپٹن میرزا شریف احمد صاحب اس نظارت کے ناظر ہیں۔ چوہدری ظہور احمد صاحب ہیڈ کلرک ہیں۔ اور مولوی قمر الدین صاحب فاضل انسپکٹر تعلیم و تربیت اور مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری مقامی واعظ ہیں۔ اس نظارت کے ماتحت مدرسہ تعلیم الاسلام ہائی سکول۔ مدرسہ احمدیہ۔ جامعہ احمدیہ۔ ہوسٹل جامعہ احمدیہ۔ بورڈنگ تعلیم الاسلام ہائی سکول۔ نصرت گرلز ہائی سکول۔ احمدیہ ہوسٹل لاہور ہیں۔ اس کے علاوہ اندرون ہند اور بیرون ہند کی احمدیہ درسگاہیں جو مختلف مقامات میں قائم ہیں وہ بھی اسی نظارت کے ماتحت ہیں۔ اور قادیان کی تمام مساجد اور عیدگاہ کا انتظام بھی اسی کے سپرد ہے۔ اس کے سوا دار البیعت لودھانہ کا انتظام بھی اسی نظارت کے ماتحت ہے۔

نظارت بیت المال

اسلام نے بیت المال کو جس قدر اہم قرار دیا ہے وہ واضح ہے۔ سلسلہ کا سارا کاروبار بیت المال کے سہارے چل رہا ہے۔ لاکھوں روپیہ کی آمد و خرچ کا کام ہو رہا ہے۔

ہر جماعت کا سالانہ بجٹ بنتا ہے اور تشخیص ہوتا ہے۔ اور پھر اس کے مطابق سال بھر وصولی ہوتی رہتی ہے۔ اس نظارت کے ماتحت ۲۷ کارکن کام کر رہے ہیں۔ آٹھ انسپکٹر مقرر ہیں جو سارا سال دورہ کرتے رہتے ہیں۔

جناب خانصاحب مولوی فرزند علی صاحب جیسا مدبر، سلیقہ شعار انسان اس نظارت کا انچارج ہے۔ ان کے نائب خانصاحب منشی برکت علی صاحب ہیں۔ معاون ناظر بابو عبدالعزیز صاحب اور ہیڈ کلرک صوفی علی محمد صاحب ہیں۔

محاسب اس نظارت کے ماتحت محاسب صاحب صدر انجمن احمدیہ کا دفتر بھی ہے جو روپیہ لینے اور دینے کا کام کرتے ہیں۔ گویا کہ وہ ہمارے سلسلہ کے بینکر ہیں۔ آج کل میرزا محمد شفیع صاحب پنشنر محاسب ہیں۔ جو ایک تجربہ کار مخلص اور متقی انسان ہیں۔ ان کے دفتر میں خزانچی کے عہدہ پر سید محمود عالم پرانے مخلص صحابی کام کرتے ہیں۔

صیغہ امانت کا کام بھی بہت زیادہ ہے۔ روزانہ ہزارہا روپیہ کا کام ہو رہا ہے۔ اس کام کی نگرانی میرزا عبدالغنی صاحب گورنمنٹ پنشنر اور شیخ فضل احمد صاحب گورنمنٹ پنشنر کر رہے ہیں۔

آڈیٹر صدر انجمن احمدیہ کے مالی حسابات کو چیک کرنے کے لئے سید محمد اسمٰعیل صاحب آڈیٹر ہیں۔ ان کے سوا جناب شیخ عبدالحمید صاحب آف لاہور ریلوے آڈیٹر اور میرزا محمد صادق صاحب آنریری طور پر سلسلہ کے حسابات کو آڈٹ کرتے ہیں۔

نظارت تالیف و تصنیف

یہ نظارت خود سلسلہ کی تائید میں لٹریچر لکھتی ہے اور شائع کرتی ہے۔ عام جماعت

لٹریچر کو دیکھنے اور جانچنے کا انتظام بھی نظارت کے سپرد ہے۔ تاکہ بغیر تحقیق کے کوئی بات نہ چھپ جائے۔ سلسلہ کے ہر صیغہ کا اس قدر کنٹرول ہے کہ احمد آفندی حلمی صاحب نے قاہرہ (مصر) میں ایک کتاب لکھی۔ انہوں نے خود قادیان آکر اس کتاب کو صیغہ تالیف و اشاعت کے سامنے پیش کیا۔

نظارت تالیف و تصنیف کے ماتحت متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔ جیسے الکلمۃ الفصل۔ سیرت خاتم النبیین حصہ اول۔ سیرت المہدی ہر سہ حصہ۔ ہمارا خدا۔ تبلیغ رسالت۔ سیرت خاتم النبیین حصہ دوم۔ الحجۃ البالغہ وغیرہ

انگریزی ترجمۃ القرآن کا کام اور صحیح بخاری کے ترجمہ کا کام بھی اس نظارت کے ماتحت ہو رہا ہے۔

اس نظارت کے ماتحت مرکزی لائبریری بھی ہے۔ اور صیغہ بک ڈپو۔ ریویو آف ریلیجنز انگریزی اور اردو ہیں۔ صیغہ بک ڈپو کے انچارج مولوی نعمت اللہ صاحب مولوی فاضل ہیں۔ ریویو انگریزی کے ایڈیٹر صوفی عبد القدیر صاحب بی۔اے نیاز سابق مبلغ جاپان ہیں۔ اور ریویو اردو کے ایڈیٹر مولانا علی محمد صاحب اجمیری بی۔اے مولوی فاضل ہیں۔ مرکزی لائبریری کے انچارج حکیم غلام حسین صاحب ہیں۔

کتابوں کی اصلاح اور نظر ثانی

کا کام ملک محمد عبد اللہ صاحب مولوی فاضل کے سپرد ہے۔ جو نہایت عمدگی سے اس خدمت کو سرانجام دے رہے ہیں۔ میری اس کتاب میں بھی مجھے ان کی طرف سے قیمتی مدد پہنچی ہے۔ جزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اس صیغہ کے ناظر بھی حضرت میرزا شریف احمد صاحب ہیں۔

نظارت امورِ خارجہ

یہ نظارت حکومتِ وقت، غیر احمدی۔ غیر مسلم انجمنوں یا ریاستوں وغیرہ اور جماعت کے مابین ضروری تعلقات اور امور کے طے کرانے کے اہم کام پر مامور ہے۔ اسی طرح یہ نظارت مجالس واضع قوانین اور دیگر انتخابی مجالس میں سلسلہ کے مفاد کی نگرانی کرتی ہے۔ اس نظارت کے موجودہ ناظر جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ہیں۔ اور سردار عطاء اللہ صاحب بی۔اے ہیڈ کلرک ہیں۔

اس نظارت کے ماتحت احمدیہ کمپنیوں کی بھرتی وغیرہ کا کام بھی ہے۔ نیز جرائم پیشہ اقوام کی بستیاں بھی تھیں جواب بالکل آزاد ہو چکی ہیں۔

نظارت امورِ عامہ

اس نظارت کے ماتحت سلسلہ کی اندرونی سیاست، رفع تنازعات، اجرائے فیصلہ جات محکمہ قضاء، رشتہ ناطہ۔ امداد بیکاراں۔ احتساب۔ تنفیذ۔ امداد مظلومین بہبودی جماعت وغیرہ کے علاوہ تجارت، صنعت و حرفت کو فروغ دینے کے ذرائع و اسباب پر غور کرنے کا کام بھی ہے۔

چوہدری علی محمد صاحب بی۔اے۔ بی ٹی۔ معاون ناظر ہیں۔ میاں فضل کریم صاحب بی۔اے۔ ایل۔ ایل۔ بی وکیل صیغہ تنفیذ کے انچارج ہیں۔ منشی کظیم الرحمن صاحب ہیڈ کلرک ہیں۔ مولوی فضل الدین صاحب وکیل مشیر قانونی ہیں۔ اور جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب ناظر امورِ عامہ ہیں۔

نورِ ہسپتال کا انتظام بھی اس نظارت کے ماتحت ہے۔ جس کے انچارج جناب ڈاکٹر حشمت اللہ صاحب ہیں۔ اور اسسٹنٹ ڈاکٹر رحیم بخش صاحب ہیں۔ اور ہیڈ کمپونڈر

صوفی محمد یعقوب صاحب ہیں۔ نور ہسپتال کو آنریری طور پر لفٹیننٹ ڈاکٹر محمد الدین صاحب سے بھی بڑی امداد مل رہی ہے۔

نظارت ضیافت

سلسلہ کے مہمانوں کے لئے کھانے اور رہائش کا انتظام اس نظارت کے سپرد ہے۔ سال بھر میں بلا مبالغہ پچاس ساٹھ ہزار افراد اور حاضری کے لحاظ سے لاکھوں انسانوں کے کھانے اور رہائش کا انتظام اس نظارت کے سپرد ہے۔ سالانہ جلسہ۔ مجلس مشاورت عیدین۔ رمضان شریف وغیرہ تقریبوں پر اس نظارت کو بہت بڑا کام کرنا پڑتا ہے۔

دارالشیوخ دارالشیوخ میں ۱۷۵ نادار۔ معذور اور یتیم لوگ کھانا کھاتے ہیں۔ ان سب کا انتظام بھی اسی نظارت کے سپرد ہے۔

اس نظارت کے عملے میں کل ۱۷ آدمی ہیں۔ حضرت میر محمد اسحاق صاحب ناظر ہیں۔ اور بابو سراج الدین صاحب ریٹائرڈ اسٹیشن ماسٹر معاون ناظر ہیں۔

نظارت مقبرہ بہشتی

مقبرہ بہشتی اور وصایا کا کام اس نظارت کے سپرد ہے۔ اس وقت تک ۶۳۰۸ وصایا ہو چکی ہیں۔ اور ۸۸۶ موصی دفن ہو چکے ہیں۔ جن میں سے ۷۰ کی یادگاریں لگائی گئیں۔ وصایا دور دراز ملکوں سے بھی ہوتی ہیں۔ چنانچہ کبابیر فلسطین سے بھی وصیتیں کی گئی ہیں۔ اور مشرقی افریقہ کے بعض مقامات سے بھی۔ اور دمشق سے بھی۔

اس صیغہ کے انچارج سکرٹری حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب ہیں۔ اور ہیڈ کلرک مولوی عطا محمد صاحب ہیں۔

صیغہ پرائیویٹ سکرٹری

حضرت امیر المومنین کے دفتر کے کام کو چلانے کے لئے ایک صیغہ ہے۔ جسے

صیغہ دفتر پرائیویٹ سکرٹری کہا جاتا ہے۔ اس صیغہ کے افسر اعلیٰ کا نام پرائیویٹ سکرٹری ہے۔ اس دفتر کا کام بڑا اہم ہے۔ زکوٰۃ کا کام بھی اسی دفتر کے ماتحت ہے حضور سے ملاقاتیں کرانا۔ بیعت کا ریکارڈ رکھنا مجلس مشاورت کا کام حضور کی لائبریری کا انتظام وغیرہ بہت سے کام اس صیغہ کے سپرد ہیں۔ اس صیغہ کے انچارج صاحبان مولانا نیّر صاحب۔ جناب مولوی عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے۔ صوفی عبدالقدیر صاحب بی۔اے۔ شیخ یوسف علی صاحب بی۔اے۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب۔ ملک صلاح الدین صاحب ایم۔اے۔ چوہدری مظفر الدین صاحب بی۔اے بنگالی وغیرہ اصحاب رہ چکے ہیں۔ اس وقت مولانا اعجاز صاحب مولوی فاضل ہیں۔ اسسٹنٹ صاحبان میں سے مولوی قمر الدین صاحب۔ سردار مصباح الدین صاحب۔ چوہدری محمد یار صاحب عارف مولوی فاضل اور اعجاز صاحب قابلِ ذکر ہیں۔

صیغہ قضا

اسلام میں قضاء کا ایک اہم محکمہ تھا۔ جو مسلمانوں کے قبضے سے نکل گیا احمدیوں کے تنازعات کے انسداد کے لئے یہ اہم ترین صیغہ حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ نے پھر ۱۹۱۹ء میں قائم فرمایا۔ آج کل اس صیغہ کے انچارج مولوی عبدالرحمٰن صاحب جٹ مولوی فاضل ہیں۔

محکمہ قضاء میں عدالت ابتدائی۔ اور مرافعہ اولیٰ اور ثانی۔ اور عدالت بورڈ ہے عدالت بورڈ حضرت امیر المومنین کے قائم مقام کے طور پر کام کرتا ہے۔

قاضیوں میں حضرت میر محمد اسحاق صاحب۔ مولوی ارجمند خاں صاحب۔ میر عبدالحق صاحب بی۔اے۔ ایل ایل بی۔ صوفی غلام محمد صاحب۔ مولوی تاج الدین صاحب فاضل۔ مولوی ظہور حسین صاحب فاضل۔ قاضی محمد عبداللہ صاحب بی۔اے۔ بی ٹی

بابو اکبر علی صاحب ⁂

بورڈ کے قاضیوں میں شیخ بشیر احمد صاحب ایڈووکیٹ - مولوی ابوالعطاء صاحب چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر - چوہدری مشتاق احمد صاحب باجوہ بی - اے - ایل - ایل بی ہیں - ان کے علاوہ مقامی قاضی بھی بہت سے ہیں جو ہر محلہ سے تعلق رکھتے ہیں ⁂

صیغہ افتاء

فتووں کے لئے اس وقت مفتی سلسلہ احمدیہ کے عہدہ پر حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب فائض ہیں -

نظامت جائداد

سلسلہ کی تمام جائداد کی حفاظت کا کام ایک نظامت کے سپرد ہے جس کے ناظم جناب ملک مولا بخش صاحب پنشنر ہیں - مختار عام منشی محمد الدین صاحب ہیں اور کلرک منشی سربلند خاں صاحب و منشی محمد حسین صاحب ہیں -

صیغہ پراویڈنٹ فنڈ بھی اسی صیغہ کے ماتحت ہے ⁂

صیغہ تعمیرات

سلسلہ کی تعمیرات کا کام ایک الگ صیغہ کے ماتحت ہے جس کے انچارج سید سردار حسین صاحب اورسیر ہیں -

کمیٹی محاسبہ مال

ناظر صاحب بیت المال - محاسب صاحب - آڈیٹر صاحب پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی

گئی ہے۔ یہ کمیٹی صدر انجمن کے مالی اور حسابی معاملات میں ضروری مشورے دیتی ہے ٭

دفاتر کا کمیشن

سلسلہ کے دفاتر پر مختلف ضرورتوں کے ماتحت کمیشن مقرر ہوتے رہتے ہیں۔ ایک کمیشن سالانہ دیکھ بھال اور نئے ملازموں کی بھرتی کے لئے مقرر ہے جس کے ممبروں میں حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب سول سرجن بھی ہیں اور اختر صاحب آف لاہور اسکے سکرٹری ہیں یہ مختصر خاکہ ہے اس مرکزی نظام کا۔ جو بذات خود ایک مفصل کتاب کا محتاج ہے۔ اسی نظام کے مطابق سارے ملک کے طول وعرض میں ہر صیغہ سے متعلق سکرٹری مقرر ہیں۔ جو کام کر رہے ہیں۔

مجلس مشاورت

سال میں ایک دفعہ اسلام کی اس امتیازی خصوصیت کے ماتحت اَمْرُهُمْ شُوْرٰى بَيْنَهُمْ سلسلہ کے نمائندے جمع ہوتے ہیں۔ اور نہایت اہم معاملات پر غور و فکر کرتے ہیں۔ اور بجٹ تیار کرتے ہیں۔ اس کا نام مجلس مشاورت ہے۔ ہماری مجلس مشاورت میں کبھی دھڑا بندی نہیں ہوتی۔ ہر شخص اپنا مشورہ حضرت امام کے حضور ادب سے پیش کر دیتا ہے۔ اور بس۔

سوائے سلسلہ احمدیہ کے مسلمانوں میں اب کہیں بھی شوریٰ کا انتظام نہیں ٭

سلسلہ کے مصنّفین صحافیین وغیرہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے **سُلطان القلم** کا خطاب عطا فرمایا۔ اور آپ کی قلم میں وہ قوت ودیعت کی گئی تھی۔ کہ کسی دشمن کو آپ کے سامنے آنے کی جرأت نہ ہوتی تھی۔ اس لئے آپ نے فرمایا ؎

صفِ دشمن کو کیا ہم نے بحجت پامال
سیف کا کام قلم سے ہے دکھایا ہمنے

جب آپ نے قلم کو ہاتھ میں لے کر قلمی جہاد شروع کیا۔ اسوقت آپ بالکل تن تنہا تھے۔ مگر خدا تعالیٰ نے جیسے ہر میدان میں آپ کو **فوق التصوّر** کامیابی عطا فرمائی۔ اور ہر میدان میں بڑھایا اسی طرح تحریر کے میدان میں بھی آپ کو اہل قلم حضرات کا ایک جرار لشکر عطا فرمایا۔ جو آپ کے لائے ہوئے مشن کو لے کر کھڑا ہوا۔ اور اس طرح بھی اللہ تعالیٰ نے اس تن تنہا انسان کی تائید فرمائی۔ اور دنیا پر ثابت کر دیا۔ کہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ آپ کے ساتھ ہے۔

مصنّفین

سلسلہ کے لٹریچر میں اس وقت تک تصانیف کی تعداد سینکڑوں سے نکل کر ہزاروں تک پہنچ چکی ہے جن کا میں شمار نہیں کر سکتا۔ ان کے مصنّفین میں سے بطور نمونہ کچھ نام ہر طبقہ کے لکھ دینا کافی خیال کرتا ہوں۔

(۱) حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح اول (۲) حضرت مولوی عبدالکریم صاحب۔

(۳) حضرت خلیفة المسیح الثانی ایده اللہ بنصرہ العزیز۔ (۴) حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔
(۵) حضرت مفتی محمد صادق صاحب (۶) حضرت مولوی شیر علی صاحب (۷) حضرت حافظ روشن علی
صاحب مرحوم (۸) حضرت میرزا بشیر احمد صاحب (۹) حضرت مولوی سید سرور شاہ صاحب
(۱۰) حضرت مولوی محمد اسمٰعیل صاحب مرحوم (۱۱) مولانا جلال الدین صاحب شمس (۱۲) مولانا
ابو العطاء صاحب (۱۳) شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر (۱۴) جناب ملک عبد الرحمٰن صاحب خادم
(۱۵) مولوی غلام احمد صاحب فاضل بدوملہوی (۱۶) مولوی عبید الرحمٰن صاحب مبشر فاضل
(۱۷) ملک محمد عبد اللہ صاحب فاضل (۱۸) جناب سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحب۔
(۱۹) جناب میر قاسم علی صاحب مرحوم (۲۰) خان صاحب مولوی فرزند علی صاحب (۲۱)
خان صاحب منشی برکت علی صاحب (۲۲) مولوی محمد شریف صاحب فاضل مبلغ فلسطین۔
(۲۳) سردار محمد یوسف صاحب ایڈیٹر نور (۲۴) مولوی علی محمد صاحب اجمیری ایڈیٹر ریویو اُردو
(۲۵) قاضی محمد نذیر صاحب فاضل (۲۶) صوفی عبد القدیر صاحب بی۔اے ایڈیٹر ریویو انگریزی
(۲۷) مولانا عبد الرحیم صاحب درد ایم۔اے (۲۸) چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔اے
(۲۹) خلیفہ صلاح الدین صاحب احمد (۳۰) گیانی عباد اللہ صاحب (۳۱) گیانی واحد حسین صاحب
(۳۲) مہاشہ محمد عمر صاحب (۳۳) ملک فضل حسین صاحب (۳۴) پروفیسر عبد اللہ ناصر صاحب
(۳۵) حضرت میر محمد اسحاق صاحب (۳۶) مولوی ظفر الاسلام صاحب (۳۷) مولوی عبد الواحد
صاحب عمر (۳۸) مولوی ظہور حسین صاحب مبلغ روس (۳۹) مولانا غلام رسول صاحب راجیکی
(۴۰) مولانا عبد الرحیم صاحب نیر (۴۱) قاضی اکمل صاحب (۴۲) ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب
(۴۳) مولوی محمد جی صاحب فاضل و چودھری غلام محمد صاحب بی۔اے۔ (۴۴) حضرت سید
منظور محمد صاحب۔ (۴۵) حضرت پیر سراج الحق صاحب مرحوم (۴۶) حضرت مولوی عبید اللہ
صاحب بسمل مرحوم (۴۷) مولوی فتح الدین صاحب مرحوم دھرمکوٹی (۴۸) مولوی فضل الدین صاحب
وکیل (۴۹) ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم (۵۰) خاکسار محمود احمد عرفانی ؎

صحافیین

اصحابِ قلم میں سے دوسرا گروہ اخبار نویس حضرات کا ہے۔ جنہوں نے سلسلہ کی تائید اور خدمت دین کے لئے اپنے قلموں سے خوب کام لیا ہے۔ اس سلسلہ میں دو قسم کے اصحابِ قلم ہیں۔ ایک وہ جو بطور نامہ نگار کام کرتے ہیں۔ اور دوسرے وہ جو باقاعدہ بطور فن اور پیشہ کے صحافت کا کام کرتا ہے۔ یہاں نامہ نگاروں کا ذکر نہیں کر سکوں گا۔

الحکم سلسلہ میں سب سے پہلا اخبار الحکم ۱۸۹۷ء میں جاری ہوا۔ اور اس کی ایڈیٹری کا شرف حضرت شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی کو حاصل ہوا۔ اس طرح آپ سلسلہ میں سب سے پہلے اخبار نویس ہیں۔ اس وقت الحکم کو خاکسار محمود احمد عرفانی ایڈٹ کرتا ہے۔

البدر دوسرا اخبار البدر ۱۹۰۰ء میں محمد افضل صاحب مرحوم نے جاری کیا۔ ان کی وفات کے بعد میاں معراج الدین صاحب مرحوم نے اسے سنبھالا۔ اور حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر مقرر ہوئے۔ جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل بھی بدر کی ایڈیٹری کے فرائض ادا کرتے رہے۔

ریویو انگریزی و اردو ۱۹۰۲ء میں ریویو انگریزی اور اردو حضرت مسیح موعودؑ کی منشاء مبارک کے ماتحت جاری ہوا۔ ریویو کی ایڈیٹری کے سلسلہ میں حسب ذیل اسماء قابلِ ذکر ہیں۔ حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔اے۔ حضرت مولوی شیر علی صاحب۔ مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔اے۔ مولوی محمد الدین صاحب بی۔اے۔ اب صوفی عبدالقدیر صاحب بی۔اے انگریزی ریویو کے ایڈیٹر ہیں۔ اور اور مولوی علی محمد صاحب اجمیری مولوی فاضل ریویو اردو کے ایڈیٹر ہیں۔

تشحیذ الاذہان ۱۹۰۵ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے

اپنے ایام صاحبزادگی ہی میں جاری کیا تھا۔ پھر عرصہ تک قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل تشحیذ کا کام کرتے رہے۔

رسالہ احمدی و اخبار الحق خلافت اُولیٰ میں دہلی سے جناب میر قاسم علی صاحب مرحوم نے اخبار الحق جاری کیا۔ اور ایک رسالہ احمدی بھی جاری کیا تھا۔

الفضل ۱۹۱۳ء میں حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے اپنی خلافت سے قبل اخبار الفضل جاری کیا۔ اس اخبار میں حضرت میرزا بشیر احمد صاحب ایم۔ اے نے بھی بطور ایڈیٹر اہم خدمات سر انجام دی ہیں۔ اب خواجہ غلام نبی صاحب ایڈیٹر۔ شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر اور مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر معاونین کے طور پر کام کر رہے ہیں۔

احمدی خاتون خلافت ثانیہ کی ابتداء میں مستورات کے لئے دفتر الحکم سے ایک رسالہ ماہوار احمدی خاتون کے نام سے جاری کیا گیا۔ جو چھ سات سال تک جاری رہا۔ حضرت عرفانی کبیر اس کے ایڈیٹر تھے۔

فاروق:۔ جناب میر قاسم صاحب نے خلافت ثانیہ میں قادیان سے جاری کیا۔

مصباح:۔ مستورات کا یہ اخبار خلافت ثانیہ میں پندرہ روزہ جاری ہوا۔ ایک عرصہ تک اس کی ایڈیٹری کے فرائض قاضی اکمل صاحب انجام دیتے رہے اب یہ اخبار ماہوار رسالہ کی صورت میں شائع ہوتا ہے اور مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر مولوی فاضل اس کے ایڈیٹر ہیں۔

سن رائز لاہور سے تحریک جدید کے ماتحت انگریزی میں ہفتہ وار اخبار جناب قاضی عبد الحمید صاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی کی ادارت میں نکلتا ہے۔ اپریل ۱۹۳۵ء سے آپ اس کے ایڈیٹر ہیں۔ آپ سلسلہ کے ایک نہایت مخلص خاندان کے فرد ہیں۔ حضرت ڈاکٹر کرم الٰہی صاحب مرحوم و مغفور آف امرتسر آپ کے والد بزرگوار تھے۔

قاضی عبدالحمید صاحب نے ۳۲ء میں کشمیر موومنٹ میں راجوری اور پونچھ کے مظلومین کی بہت بڑی مدد کی۔ اور ان کو قتل۔ ڈکیتی اور دوسرے جرائم میں سے قانونی امداد دیکر باعزت بری کرایا۔

فرقان پیغامی فتنہ کے کچلنے کے لئے مولوی ابوالعطاء صاحب ماہوار رسالہ فرقان قادیان سے نکالتے ہیں۔

اخبار نور:۔ ایک لمبے عرصہ سے سکھوں اور آریوں وغیرہ میں تبلیغ کے لئے جاری ہے جو سردار محمد یوسف صاحب کی ادارات میں شائع ہوتا ہے۔

سلسلہ کے ان مرکزی جرائد کے علاوہ بیرونی مقامات سے بھی کئی اخبار اور رسالے نکلتے ہیں۔ جیسے فلسطین سے البشریٰ جس کے ایڈیٹر مولوی محمد شریف صاحب ہیں۔ امریکہ سے مسلم سن رائز صوفی مطیع الرحمٰن صاحب ایم۔ اے نکالتے ہیں۔ ملیبار سے ستیہ ورشن این حامد صاحب نکالتے ہیں۔ کلکتہ سے بنگالی زبان میں ایک پندرہ روزہ اخبار عبدالرحمٰن خانصاحب بی۔ اے۔ ایل ایل بی نکالتے ہیں۔ مشرقی افریقہ سے مولوی شیخ مبارک احمد صاحب سواحیلی زبان میں محبوبِ خدا رسالہ نکالتے ہیں۔ الغرض اور بھی کئی رسالے اور اخبار نکلتے ہیں۔ اور ایک بڑی جماعت اہل قلم حضرات کی اس کام پر رات دن لگی ہوئی ہے ٭

مبلغین

سلسلہ کی تبلیغ پر سینکڑوں اشخاص آنریری اور غیر آنریری طور پر لگے ہوئے ہیں۔ ان میں سے چند کے نام درج کرتا ہوں۔ مولوی جلال الدین صاحب شمس لنڈن۔ صوفی مطیع الرحمٰن صاحب ایم۔ اے امریکہ۔ مولوی رمضان علی صاحب ارجنٹائن۔ حکیم فضل الرحمٰن صاحب نائیجیریا۔ مولوی نذیر احمد صاحب مبشر گولڈ کوسٹ اور مولوی نذیر احمد صاحب بی۔ اے۔ شیخ مبارک احمد صاحب مشرقی افریقہ۔ حافظ جمال احمد صاحب ماریشس۔ مولوی رحمت علی صاحب سماٹرا۔

ملک عزیز احمد صاحب اور مولوی عبدالواحد صاحب سماٹری جاوا - مولوی محمد شریف صاحب فلسطین - مولوی محمد صادق صاحب سماٹرا - مولوی محمد شریف صاحب اٹلی - مولوی غلام حسین صاحب ایاز سنگاپور - وغیرہ بہت سے مبلغین غیر ملکوں میں اور ہندوستان کے اندر سلسلہ کی خدمت پر دن رات لگے ہوئے ہیں -

شعرائے سلسلہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

کچھ شعر و شاعری سے اپنا نہیں تعلق
اس ڈھب سے کوئی سمجھے بس مدعا یہی ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے موزوں کلام خود لکھا - اور اس کا اصل سبب بھی تبلیغ حق ہی قرار دیا - اس میدان میں بھی آپ اکیلے ہی تھے - مگر آپ کے مقاصد کو شعر و شاعری کے ذریعہ سے دنیا تک پہنچانے والے بھی سینکڑوں پیدا ہو گئے - انگریزی - عربی - فارسی - اردو - ہندی - پنجابی - بنگالی وغیرہ ساری دنیا کی زبانوں میں احمدیت کے مقاصد کے لئے شاعری کرنے والے لوگ پیدا ہو گئے - یہاں چند ناموں پر اکتفا کرتا ہوں :-

(۱) حضرت مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم (۲) حضرت مولوی عبید اللہ صاحب مرحوم بسمل (۳) حضرت حافظ سید مختار احمد صاحب مختار (۴) مولوی غلام احمد صاحب اختر اوچ - (۵) حضرت مولوی غلام رسول صاحب راجیکی (۶) خانصاحب مولوی ذوالفقار علی خاں صاحب (۷) حضرت میر ناصر نواب صاحب (۸) حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب (۹) حضرت صاحبزادہ میرزا بشیر احمد صاحب ایم - اے (۱۰) حضرت صاحبزادہ میرزا شریف احمد صاحب

(۱۱) حضرت مولوی عبدالرحیم صاحب نیّر (۱۲) جناب قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل۔
(۱۳) جناب قیس مینائی صاحب (۱۴) ماسٹر عبدالرحمٰن صاحب خاکی۔ (۱۵) ماسٹر محمد شفیع صاحب اسلم (۱۶) میر اللہ بخش صاحب تسنیم (۱۷) مولوی محمد احمد صاحب. بی۔ اے ایل۔ ایل۔ بی کپورتھلہ۔ (۱۸) عبدالرشید صاحب تبسم بی۔ اے (۱۹) محمد صدیق صاحب ثاقب زیروی
(۲۰) میاں غلام محمد صاحب اختر لاہور (۲۱) شیخ عبدالحکیم صاحب دہلی (۲۲) ماسٹر علی محمد صاحب صابر بی۔ اے۔ بی ٹی۔ (۲۳) ماسٹر محمد علی صاحب اظہر (۲۴) شیخ رحمت اللہ صاحب شاکر۔
(۲۵) مولوی محمد یعقوب صاحب طاہر (۲۶) مولوی قاسم علی صاحب قادیانی آف رامپوری۔
(۲۷) حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ (۲۸) محترمہ امۃ الحفیظ صاحبہ مانڈلے (برما)
(۲۹) شیخ روشن دین صاحب تنویر (۳۰) مولوی فتح الدین صاحب مرحوم دھرمکوٹ بگہ۔
(۳۱) منشی جھنڈے خان صاحب میر عَلَم۔ وغیرہ وغیرہ یہ اور صدہا دوسرے حضرات شعر کے ذریعے سے احمدیت کی خدمت کرتے رہے اور کر رہے ہیں۔ اللّٰھم زد فزد۔

الغرض خدا تعالےٰ نے آپ مبلغ بھی دیئے۔ علماء بھی دیئے۔ ادیب بھی دیئے۔ ہر علم وفن کے جاننے والے دیئے اور کوئی کمی نہ رہنے دی۔ اور یہ دلیل بھی آپ کی سچائی اور تائید ربانی کے لئے ایک بڑی دلیل ہے ؂

سلسلہ احمدیہ کی ترقی کیلئے کچھ خاص تحریکیں

لجنہ اماء اللہ مستورات سلسلہ کے متعلق اس سے الگ دوسری جگہ میں مفصل لکھ ہوں۔ یہاں صرف اس قدر بیان کرنا مقصود ہے۔ کہ حضور نے ۱۹۲۲ء میں عورتوں کی ترقی اور بہبودی کے لئے لجنہ اماء اللہ مستورات کی ایک انجمن قائم کی۔ لجنہ اماء اللہ کی صدر حضرت امیر المومنین کی حرم اول حضرت ام ناصر احمد صاحب ہیں۔ اور

اور سکرٹری شپ کے فرائض حضرت امۃ الحی صاحبہ مرحومہ اور حضرت سیدہ سارہ بیگم صاحبہ مرحومہ بھی ادا کرتی رہیں۔ اُستانی مریم بیگم صاحبہ کو بھی اس خدمت پر فائض رہنے کا شرف حاصل ہو چکا ہے۔ ۳۲-۱۹۳۱ء میں خاکسار کی اہلیہ مبارکہ محمودہ صاحبہ کو بھی بطور معاون سکرٹری کی خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ اب ایک لمبے عرصہ سے آپا مریم بیگم صاحبہ اُم طاہر احمد صاحب حرم ثانی حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ایدہ اللہ تعالیٰ اس عظیم الشان کام پر مامور تھیں۔ اب حضرت مریم صدیقہ صاحبہ جنرل سکرٹری ہیں۔

لجنہ اماء اللہ نے قادیان کی مستورات میں تعلیم کے جذبہ کو عام کیا۔ لجنہ کی ممبرات گھروں میں پھر پھر کر تعلیم کی تلقین کرتی تھیں۔ نماز اور قرآن کریم باترجمہ سنتی تھیں۔ بڑی عمر کی مستورات کو پڑھنے کی ہدایت کرتیں۔ اور اس کام میں ان کو بڑی کامیابی ہوئی۔

صیغہ دستکاری

بے کس اور بیوہ عورتیں خیال کرتی تھیں کہ ہم صرف خیرات کے ذریعہ ہی زندہ رہ سکتی ہیں۔ مگر لجنہ اماء اللہ نے ان کی ایسی تربیت کی۔ کہ ان کے لئے دستکاری کے کام مہیا کر کے ان کو خیرات سے ہٹا کر کام کی طرف لگا دیا۔ اب اسی تربیت کا نتیجہ ہے کہ صدہا عورتیں اپنے ہاتھ سے کما کر کھاتی ہیں۔

برلن مسجد

۱۹۲۳ء میں برلن میں مسجد بنانے کی تجویز تھی۔ اس تجویز پر خواتین نے ۷۲ ہزار روپیہ جمع کر دیا جو بعد میں لنڈن کی مسجد پر خرچ کیا گیا۔

مستورات کا سالانہ جلسہ

جب سے لجنہ اماء اللہ قائم ہوئی ہے اس وقت سے مستورات کے سالانہ جلسہ کا انتظام کلیۃً لجنہ کے ہاتھ میں دے دیا گیا ہے اور وہ بڑی خیر و خوبی سے دن رات لگ کر یہ کام کرتی ہیں۔

یتیم بچوں کی دعوتیں

احمدی مستورات میں ہر طرح سے بیداری پیدا ہو چکی ہے۔ وہ یتیم بچوں کی دعوتیں کرتی ہیں۔ اپنے ہاتھ سے اُن کو

کھانا کھلاتی ہیں۔ ان کو پیار کرتی ہیں۔ انہوں نے خلافت جوبلی میں بھی دل کھول کر حصہ لیا۔ انہوں نے وصایا کرنے میں بھی خوب حصہ لیا۔ اس وقت تک ۱۵۰۰ تک وصیتیں ان کی طرف سے ہو چکی ہیں۔ مجلس مشاورت میں انکو حق نمائندگی حاصل ہے تحریک جدید میں وہ بڑھ چڑھ کر حصہ لے رہی ہیں۔ غرضیکہ وہ ہر تحریک میں مردوں کے دوش بدوش کام کر رہی ہیں۔

الغرض

لجنہ اماء اللہ کے قیام سے مستورات میں ایک جدید زندگی اور جدید روح پیدا ہو چکی ہے۔ اور وہ اپنے فرض منصبی کو خوب سمجھ رہی ہیں ؎

تحریکِ جدید

۱۹۳۴ء میں احرار نے احمدیت کے خلاف قادیان میں ایک محاذ قائم کیا تھا۔ اس کے مقابل میں اللہ تعالےٰ کے منشاء کے ماتحت حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ نے ایک تحریک شروع کی جس کا نام تحریک جدید رکھا۔ اس تحریک میں آپ نے قوم سے ۱۹ مطالبات کئے تھے۔ جو حسب ذیل ہیں:۔

(۱) سادہ زندگی (۲) مرکز سلسلہ میں اپنی جائدادوں کی امانتیں جمع کرانا (۳) دشمن کے گندے لٹریچر کا جواب (۴) تبلیغ بیرون ہند (۵) خاص تبلیغ (۶) تبلیغی ہر وے، (۷) اپنی رخصتوں کی مدت کو سلسلہ کے لئے وقف کرنا۔ (۸) اپنی زندگیوں کو وقف کرنا۔ (۹) موسمی رخصتوں کی مدت کا وقف کرنا (۱۰) صاحب پوزیشن لوگ لیکچر دیا کریں۔ (۱۱) ۲۵ لاکھ روپیہ کا ریزرو فنڈ قائم کرنا (۱۲) پنشنر لوگ اپنے آپ کو خدمت سلسلہ کے لئے وقف کر دیں۔ (۱۳) اپنے بچوں کو تعلیم کے لئے قادیان بھیجیں (۱۴) حسب حیثیت

لوگ اپنے بچوں کے مستقبل کو سلسلہ کے لئے پیش کریں۔ (۱۵) بے کار غیر ملکوں میں چلے جائیں (۱۶) لوگ اپنے ہاتھ سے کام کریں (۱۷) بے کار چھوٹے سے چھوٹا کام بھی کر لیا کریں (۱۸) قادیان میں احباب مکان بنائیں (۱۹) دُعا سے مدد کی جائے ٭

ان مطالبات کے ماتحت تحریک جدید کا کام بڑے زور سے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ بنصرہ العزیز نے شروع فرمایا۔ اور جماعت نے پورے زور سے خوش آمدید کہا ٭

جماعت کی مالی حالت کی مضبوطی

حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالےٰ نے سندھ میں نہایت وسیع پیمانے پر اراضی خرید فرمائی۔ روئی کے کارخانے کھولے۔ جس سے صدہا بے کاروں کو روزگار مل گیا۔ اور توقع کی جاتی ہے۔ کہ یہ جماعت کی مالی حالت کو نہایت مضبوط بنا دیگی۔

وقفِ زندگی

اس سلسلہ میں آپ نے وقفِ زندگی کی تحریک فرمائی۔ جس پر حسب ذیل نوجوانوں نے اپنے آپکو وقف کیا۔ انمیں سے کچھ کام کر رہے ہیں اور باقی حضور کی نگرانی میں تربیت حاصل کر رہے ہیں

(۱) مولوی رمضان علی صاحب۔ ارجنٹائن
(۲) مولوی غلام حسین صاحب ایاز سنگاپور
(۳) سید شاہ محمد صاحب جاوا
(۴) ملک عزیز احمد صاحب سماٹرا جاوا
(۵) ملک محمد شریف صاحب اٹلی و سپین
(۶) مولوی ابراہیم صاحب ناصر۔ ہنگری
(۷) مولوی محمد دین صاحب ریاستہائے بلقان
(۸) مولوی محمد صدیق صاحب مغربی افریقہ
(۹) مولوی نذیر احمد صاحب مبشر ״
(۱۰) مولوی محمد رفیق صاحب شہید کاشغر چینی ترکستان
(۱۱) عدالت خان صاحب چینی ترکستان جاتے ہوئے کشمیر کے شمالی علاقہ میں فوت ہو گئے۔
(۱۲) محمد اسحاق صاحب - چین زیر تعلیم
(۱۳) شیخ عبد الواحد صاحب ״
(۱۴) مولوی سیف الرحمٰن صاحب ״
(۱۵) مولوی محمد صدیق صاحب ״
(۱۶) حافظ قدرت اللہ صاحب ״
(۱۷) مولوی صدر الدین صاحب ״
(۱۸) چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر ״

(۱۹) چوہدری مشتاق احمد صاحب زیر تعلیم (۲۴) میاں عبدالحی صاحب زیر تعلیم
(۲۰) شیخ ناصر احمد صاحب " (۲۵) مولوی نورالحق صاحب "
(۲۱) چوہدری عبداللطیف صاحب " (۲۶) مرزا منور احمد صاحب "
(۲۲) ملک عطاء الرحمٰن صاحب " (۲۷) مولوی محمد احمد صاحب "
(۲۳) چوہدری غلام یٰسین صاحب " (۲۸) حافظ عبدالغفور صاحب - جاپان "

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ان سب کے وجود کو بابرکت فرمائے۔ آمین ؛

خدّام الاحمدیّہ

۳۱ جنوری ۱۹۳۸ء کو نوجوانوں کی حضور نے تنظیم فرمائی۔ اور خدام الاحمدیہ کا وجود معرضِ ظہور میں آیا۔ خدام الاحمدیہ کا حسب ذیل لائحہ عمل تھا۔

۱۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نوجوانوں کی تنظیم

۲۔ سلسلہ عالیہ احمدیہ کے نوجوانوں میں قومی روح اور ایثار کا پیدا کرنا

۳۔ اسلامی تعلیم کی ترویج و اشاعت کرنا

۴۔ نوجوانوں میں اپنے ہاتھ سے کام کرنے اور صاف ماحول میں رہنے کی عادت پیدا کرنا۔

۵۔ نوجوانوں میں مستقل مزاجی پیدا کرنا۔

۶۔ نوجوانوں کی ذہانت تیز کرنا۔

۷۔ نوجوانوں کو قومی بوجھ اٹھانے کے قابل بنانے کیلئے ورزش جسمانی کا اہتمام۔

۸۔ نوجوانوں کو اسلامی اخلاق میں رنگین کرنا۔

۹۔ قوم کے بچوں کی اس رنگ میں تربیت اور نگرانی کرنا۔ کہ ان کی آئندہ زندگیاں قوم کے لئے مفید ثابت ہو سکیں۔

۱۰۔ نوجوانوں کو سلسلہ کے کاموں میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لینے کی ترغیب و تحریص۔

۱۱۔ نوجوانوں میں خدمتِ خلق کا عملی جذبہ پیدا کرنا

۱۲۔ نوجوانانِ سلسلہ کی بہتری کے لئے حتی الوسع ہر مفید بات کو جامۂ عمل پہنانا۔

اس لائحۂ عمل کو عملی صورت دینے کے لئے کئی ایک شعبہ جات قائم کئے گئے۔ مثلاً (۱) شعبۂ تجنید (۲) شعبۂ تعلیم (۳) شعبہ تربیت و اصلاح (۴) شعبہ خدمتِ خلق۔ (۵) شعبہ وقار عمل (۶) شعبہ ذہانت و صحت جسمانی (۷) شعبہ ایثار و استقلال۔ (۸) شعبہ اطفال (۹) شعبہ مال (۱۰) شعبہ کار خاص (۱۱) شعبہ اشاعت ؁

اس پروگرام کے مطابق خدام الاحمدیہ شاندار کام کر رہے ہیں۔ اس وقت اس عظیم الشان تحریک کی قیادت حضرت میرزا ناصر احمد صاحب کے ہاتھ میں ہے۔ اور اس کے سکرٹری چوہدری خلیل احمد صاحب ناصر بی۔ اے ہیں۔ واقفین تحریک جدید کے نوجوانوں کی زندگیوں میں اللہ تعالےٰ ہر طرح برکت عطا فرمائے۔ آمین ؁

انصار اللہ

اس کے علاوہ بڑی عمر کے احباب کی تنظیم انصار اللہ کے ذریعے کی گئی ہے۔ انصار اللہ کے صدر حضرت مولوی شیر علی صاحب اور سکرٹری مولانا عبدالرحیم صاحب درد ایم۔ اے ہیں ؁

ہمارے مبلغین کے کارنامے

مجھے افسوس ہے کہ اس کتاب کے آخری حصہ میں میں نے کتاب کا اچھی طرح سے گلا گھونٹا ہے۔ اور جو کچھ اور جس طرح میں لکھنا چاہتا تھا۔ وہ کاغذ کی تنگی کی وجہ سے میں لکھ نہ سکا۔ اس لئے میں نے اس حصہ کو بالکل نکال دیا ہے جو منظوم تھا۔ اور اس طرح

سے میرے بہت سے شاندار دوستوں کو مجھ سے رنجیدہ ہونا پڑے گا۔

میرا خیال تھا

کہ میں مشنوں کے ساتھ مبلغین کی خدمات پر مفصل ریمارک کرسکوں گا۔ مگر افسوس کہ میں اب اس سارے حصے کو حذف کرنے پر مجبور ہوں۔ مولوی ظہور حسین صاحب کے ساتھ جو کچھ روس میں پیش آیا۔ مولوی جلال الدین صاحب شمس پر دمشق میں قاتلانہ حملہ ہوا۔ مولوی محمد نذیر صاحب ملتانی کا احمد آباد میں پیٹ چاقو سے پھاڑ دیا گیا۔ مگر معجزانہ طور پر خدا نے اُن کو بچا لیا۔ حکیم خلیل احمد صاحب مونگھیری کو مدراس میں زخمی کیا گیا تھا اسی طرح بعض دوسرے مبلغین کے ساتھ دشمنوں کیطرف سے ظالمانہ برتاؤ ہوتے رہے۔ یہ سب امور اب کسی دوسرے موقعہ کے لئے چھوڑتا ہوں۔

لنڈن کے بعض مبلغین

ہمارا لنڈن مشن ایک اہم مشن ہے۔ اس کے بعض مشہور مبلغین ہیں۔ اور بعض ایسے مبلغین بھی ہیں۔ جن کا ذکر کم سُنا جاتا ہے۔ مگر انہوں نے اپنے اپنے وقت میں خوب کام کیا ہے۔ اس لئے میں اُن کا مختصر سا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ ہمارے لنڈن کے پہلے مشنری چوہدری فتح محمد صاحب سیال ایم۔ اے ہیں۔ اور دوسرے قاضی محمد عبد اللہ صاحب بی۔ اے۔ بی ٹی ہیں۔ قاضی صاحب کو حضرت امیر المومنین نے جو ہدایات لکھ کر دی تھیں۔ اُن میں ایک ہدایت یہ تھی۔ کہ

"جب آپ کو کوئی مشکل پیش آئے۔ تو آپ مجھے حالات لکھ کر خط ڈال دیں۔ مجھے خط ملے یا نہ ملے۔ اللہ تعالےٰ کے فضل سے آپ کو اس معاملہ میں صحیح راہ نمائی ہوجائیگی"

قاضی صاحب کہتے ہیں کہ میں نے اس پر ہمیشہ عمل کیا اور فائدہ اٹھایا۔

قاضی صاحب کو لنڈن میں بڑی محنت سے کام کرنا پڑا۔ کیونکہ اس وقت نہ کوئی اپنی عمارت تھی اور نہ کوئی مسجد تھی۔ نہ لوگ سلسلہ سے واقف تھے۔ سب کام ان کو اپنے ہاتھ سے کرنے پڑتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات پیدا کر دیے۔ کہ اب جو مشن کی عمارت ہے یہ جگہ قاضی صاحب کو ایک لمبے عرصہ کے لئے ٹھیکہ پر مل گئی اور اس طرح مشن کے لئے آسانی ہو گئی۔ اور یہی زمین بعد میں مشن نے خرید لی۔

قاضی صاحب کے کام کو دیکھنے والے ایک دو آدمی مجھے مصر میں ملے تھے۔ انہوں نے آپ کے کام کی اور محنت کی بڑی تعریف کی تھی۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے۔ آمین۔

بھائی عزیز الدین صاحب مرحوم

بھائی عزیز الدین صاحب مرحوم سیالکوٹی اپنے زمانے میں لنڈن مشن کی بڑی خدمت کرتے رہے ہیں۔ ہائیڈ پارک میں جا کر وہ لیکچر دیا کرتے تھے۔ وہ اب زندہ نہیں رہے۔ مگر ہم کو ان کا نام زندہ رکھنا چاہیئے۔

سردار مصباح الدین صاحب

مولوی مبارک علی صاحب بنگالی ماہ ستمبر میں برلن میں مشن کھولنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اُن سے حضرت امیر المومنین ایدہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے سردار صاحب نے چارج لیا۔ اور اگست ۱۹۲۳ء تک لنڈن مشن کے انچارج رہے۔ اگست میں مولانا نیر صاحب نے افریقہ سے آکر چارج لے لیا۔

۱۹۲۲ء کے اخیر میں سردار صاحب نے امیر عبداللہ والئے شرق اردن سے

ایک وفد کے ساتھ ملاقات کی۔ جس کے ممبر بابو عزیز الدین صاحب مرحوم۔ سیٹھ علی محمد صاحب اور میاں عبدالرحیم صاحب خالدؔ تھے۔ اور عربی زبان میں سلسلہ کا پیغام اُن کو دیا۔

۱۹۲۴ء کے شروع میں مسٹر ریمزے میکڈانلڈ سے خط و کتابت کی۔ اور ان کی خواہش پر ٹیچنگ آف اسلام ان کو پیش کی۔ آپ نومبر ۱۹۲۴ء میں حضرت امیرالمومنین کے ساتھ ہندوستان واپس آئے۔

بعض اَور مبلّغینؔ

مکرم شیخ نواب الدین صاحب مرحوم بی۔ اے۔ بی۔ ٹی لنڈن میں سلسلہ کے کاروبار کے سلسلہ میں گئے تھے۔ اور تبلیغی خدمات بھی سرانجام دیتے رہے۔

صوفی عبدالغفور صاحب چین میں تبلیغ کے سلسلہ میں گئے تھے۔

مولوی عبداللہ خاں صاحب اختر جنوبی سنگاپور گئے تھے۔ جہاں کافی عرصہ تک تبلیغ کرتے رہے۔

مولوی غلام نبی صاحب مولوی فاضل ۱۹۰۳ء میں اور حاجی عبدالکریم صاحب آف کراچی گذشتہ جنگ کے دنوں میں مصر میں تبلیغی خدمات بجالاتے رہے۔

حضرت میر محمد سعید صاحب مرحوم آف حیدرآباد اور حاجی ممتاز علی خاں صاحب حجاز میں بغرض تبلیغ گئے۔ مگر حکومت نے ان کو وہاں سے نکال دیا۔

ملکانہ مسلمانوں کے ارتداد کے وقت صدہا احمدی تبلیغ کے لئے گئے۔ جن کا ذکر سلسلہ کے اخبارات میں موجود ہے ؎

پیغامات

پیغامات

ذیل میں چند اُن مکتوبات گرامی کو پیغامات کے عنوان سے شائع کرتا ہوں۔ جو ہندوستان کے علمی طبقہ کے بعض عظیم المرتبت شخصیتوں کی طرف سے مجھے میری درخواست پر موصول ہوئے۔

یہ سب حضرات ہمارے سلسلہ میں داخل نہیں ہیں۔ مگر ان کی آنکھ سلسلہ کی خوبیوں کو دیکھ رہی ہے۔ اور انہوں نے وسعتِ قلبی سے اس کا اظہار اپنے گرامی ناموں میں فرمادیا۔ بعض اور پیغامات کی توقع تھی۔ مگر افسوس کہ وہ وقت پر پہنچ نہیں سکے۔ جیسے محترم خواجہ حسن نظامی صاحب آف دہلی کا پیغام۔ معزز معاصر لالہ کرم چند جی آف پارس لاہور کا پیغام۔ تاہم چونکہ مجھے انہوں نے یقین دلایا تھا۔ کہ وہ اپنے پیغام بھیجدیں گے۔ اس لئے میں اُن کے لئے بھی اپنے قلب میں جذباتِ شکر محسوس کرتا ہوں۔ (مؤلف)

عالیجناب نواب بہادر یار جنگ بہادر آف حیدرآباد دکن کی نگاہ میں

ہمارے سلسلہ کا مرکز

مارچ ۱۹۴۰ء کے اواخر میں لاہور مسلمانانِ ہند کا مرکز بنا ہوا تھا۔ ایک تو اس وجہ سے کہ وہاں آل انڈیا مسلم لیگ کا وہ اہم اجلاس منعقد ہو رہا تھا۔ جس نے ہندوستان کی

سیاسیات میں ایک نئے باب کو کھولا۔ دوسرے اس لئے کہ خاکساروں کی جماعت پر حکومت پنجاب کی بیدردانہ آتش باری نے سارے ہندوستان کے مسلمانوں کو آتش زیر پا کر دیا تھا۔ اجلاس مسلم لیگ کے اختتام پر میری تمام تر توجہ خاکساروں کے مسئلہ پر مرکوز تھی۔ اسی سلسلہ میں ضرورت پیش آئی۔ کہ میں اپنے کرم فرما چودھری سر ظفر اللہ خانصاحب سے ملاقات کروں۔ جو اس زمانہ میں وائسرائے کی مجلس وزراء کے اہم ترین رُکن تھے۔ اس لئے بتاریخ ... مارچ ۱۹۴۰ء میں چند گھنٹوں کے لئے قادیان گیا۔ جہاں چودھری صاحب مقیم تھے۔ گو میں نے قادیان میں صرف چند گھنٹے بسر کئے۔ لیکن ان چند گھنٹوں کی یاد ابھی تک باقی ہے۔

اسٹیشن پر میرے قدیم کرم فرما مولوی عبد الرحیم صاحب نیّر اور مولوی محمد اعظم صاحب نے استقبال کیا۔ مولوی عبد الرحیم صاحب نیّر جماعت احمدیہ قادیان کی طرف سے کئی سال تک حیدر آباد میں مقیم رہے ہیں۔ اور ان چند اصحاب میں سے ہیں جنھوں نے مجلس اتحاد المسلمین حیدر آباد کا سنگ بنیاد رکھا۔ اور مولوی محمد اعظم صاحب حیدر آباد کی مشہور دوکان محمد اعظم معین الدین کے مالک اور مجلس اتحاد المسلمین کی مجلس عاملہ کے قدیم ترین رکن اور میرے رفیق کار ہیں۔ اور ان چند نوجوانوں میں سے ہیں۔ جن کی رفاقت پر میں فخر کرتا ہوں۔ ان دونو حضرات نے زوال آفتاب تک مجھے قادیان کی ایک ایک گلی میں گھمایا اور جماعت احمدیہ کے ایک ایک ادارہ کی سیر کرائی۔

قادیان پنجاب کے ضلع گورداسپور کی ایک چھوٹی سی آبادی ہے۔ لیکن جماعت کا مرکز ہونے کی وجہ سے آج اس کو بین الاقوامی شہرت حاصل ہے۔ ہر سال ماہ دسمبر میں وہاں اس جماعت کے متوسلین کا کثیر اجتماع ہوتا ہے۔ جس کی خصوصیت میرزا غلام احمد صاحب کے جانشین میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب کا خطبہ ہے۔ الخ خطبات کو احمدی عقاید سے اپنے کامل اختلاف کے باوجود میں التزاماً پڑھا کرتا ہوں۔ تمام

ہندوستان کے احمدیوں کی نمائندگی کا دوسرا اجتماع ہر سال ایسٹر کی تعطیلات میں ہوا کرتا ہے۔ جس کو یہ لوگ اپنا بجٹ سیشن کہتے ہیں۔ اتفاق سے میں اسی زمانہ میں قادیان پہنچا تھا۔ اور ان نمائندوں میں سے بعض سے مجھے ملاقات کا موقعہ ملا۔

احمدی جماعت کو اپنی بقا و استحکام کے لئے جن شدید مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اس نے قدرتاً ان میں ایک مکمل تنظیم پیدا کر دی ہے۔ اور چونکہ کوئی تنظیم ایثار کے بغیر نہیں پیدا ہو سکتی۔ اس لئے میں قادیان کے تمام اداروں کے تفصیلی معائنہ کے بعد یہ یقین رکھتا ہوں۔ کہ اس جماعت کے پیرو اپنے اندر اطاعت امیر اور ایثار کے حقیقی جذبات رکھتے ہیں۔

قادیان کا مدرسۃ العلوم۔ عربی کی درسگاہ۔ دار الاقامہ۔ دار الاشاعت۔ بین الاقوامی تبلیغ کا مرکز۔ نوجوان فدائیانِ احمدیت کا تنظیمی ادارہ۔ مہمان خانہ۔ میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب امیر جماعت کا دفتر۔ یہاں تک کہ قبرستان۔ ان میں سے ہر ایک اپنی باقاعدگی اور خوش سلیقگی کے اعتبار سے کارکنوں کی دلچسپی اور فرض شناسی کا ثبوت دے رہے تھے۔ اور یہ محسوس ہوتا تھا۔ کہ میں کسی جماعت کے تنظیمی اداروں کو نہیں بلکہ کسی حکومت کے مختلف محکمہ جات کا معائنہ کر رہا ہوں۔

قادیان سے نہ مجھے کوئی عقیدت ہے نہ مذہبی حیثیت سے دلچسپی۔ میں قادیانی عقائد نبوت و مہدویت کا اتنا ہی مخالف ہوں جتنا ایک صحیح العقیدہ مسلمان ہو سکتا ہے۔ لیکن خذ ما صفا کے اصول کے ماتحت میری دلی تمنا ہے۔ کہ میں تمام دنیا کے مسلمانوں کو اس چھوٹی سی جماعت کی طرح منظم اور ایک مرکز کے تحت جو اصول اسلامی کے مطابق ہے حرکت کرتا ہوا دیکھوں۔ اسی وجہ سے قادیان کے سفر کو میں اپنی زندگی کے وہ لمحات سمجھتا ہوں۔ جن میں میری نظر ہوشیار نے کچھ دیکھا اور حاصل کیا۔

لال گڑھی (جاگیر) ۲۰ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۳۱ اکتوبر ۱۹۴۲ء

سلسلہ احمدیہ کے مبلّغین

محترم دوست ملک عبدالقیوم صاحب بار ایٹ لاء سابق ایڈیٹر مسلم سٹینڈرڈ لنڈن
پروفیسر لاء کالج لاہور

سلسلہ احمدیہ کے مشاغل اور مساعی کو جاری ہوئے اس وقت کم و بیش پچاس سال ہوتے ہیں اور گو ابھی سلسلہ کے متوسلین نے اس مساعی کو عملی حیثیت سے مختلف رنگوں اور شکلوں میں پیش کیا۔ مگر اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ کہ سلسلہ احمدیہ کا اہم ترین اور درخشاں ترین وہ کارنامہ ہے۔ جس کا تعلق تبلیغ و توسیع اسلام سے ہے۔ بلکہ سچ تو یہ ہے۔ کہ یہی جذبۂ تبلیغ اسلام سلسلہ احمدیہ کی ابتداء اور نشوونما کا محرک ہوا۔ احمدی مبلغین کی شیفتگیٔ اسلام کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ کہ انہوں نے اسلام کی چودھویں صدی میں جسے مسلمانوں کا دورِ انحطاط کہنا موزوں ہوگا۔ احیائے اسلام ایسے پُر عظمت مگر بظاہر حد درجہ مشکل مقصد کو نہ صرف ضروری بلکہ سہل اور ممکن بھی جانا۔ حالانکہ سنین جاریہ کے حالات ہر اعتبار سے اس اہتمام بالشان مساعی کے مانع تھے۔ قرونِ اولیٰ اور وسطیٰ کی اسلامی تاریخ اسلامی مبلغین اور مصلحین کی مجاہدانہ سرگرمیوں سے لبریز ہے جنھوں نے اسلام کو جغرافیائی اور طبعی قیود سے آزاد جان کر ایک جہانگیر برادری کا مرجع بنایا۔ مگر یہ سرگرمیاں اور کوششیں زیادہ تر انفرادی حیثیت سے رونما ہوئیں۔ سلسلہ احمدیہ نے اپنے تبلیغی نصب العین کو ایک ادارے کی صورت دے کر ایک منظم کوشش بنا دیا۔ اس منظم کارکردگی کا ایک ادنےٰ کرشمہ ہے کہ سلسلہ احمدیہ کے مبلغین گذشتہ رُبع صدی کے دوران میں ایشیا۔ افریقہ اور امریکہ میں متعدد تبلیغی ادارے قائم کر کے اعلائے کلمۃ الحق کر رہے ہیں۔ نیز اسی

کارکردگی کی طفیل غیر اسلامی دنیا جو اسلام کے متعلق تنگ نظر اور بد باطن عیسائی مبلغین کے معاندانہ طرز عمل کی خوگر تھی۔ پہلی مرتبہ اسلامی محاسن سے بہرہ ور کر رہے ہیں۔ میری رائے میں اس فرض سے کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہونے کا امتیاز سلسلہ احمدیہ اور بانیٔ سلسلہ احمدیہ کا حق ہے۔ اور وہ اس پر جس قدر نازاں ہوں بجا ہے۔ پھر اس سلسلہ کے متوسلین نے اس مہم عظیم کا بیڑا ایسے ملک سے اٹھایا۔ جہاں کے مسلمان بحیثیت قوم سیاسی۔ علمی اور اقتصادی اعتبار سے ملکی آبادی کی پست ترین جز و بن چکے تھے۔ اور وہ اس ادارہ کی مساعی کی برکت سے تحصیل علم اور جماعتی تنظیم کی ضروریات سے متجسس ہوئے۔ یعنی سلسلہ احمدیہ نے ایک پنتھ سے کئی ایک کاج پیدا کئے۔

میں محترم اور دوستِ دیرینہ شیخ محمود احمد صاحب عرفانی کی تاریخ سلسلہ احمدیہ کی اشاعت کو ایک اہم قومی ضرورت تصور کرتا ہوں۔ اور امید رکھتا ہوں کہ اس کے پڑھنے سے اس زمانہ کشمکش میں تحفظ اسلام کی اشد ضرورت محسوس کریں گے۔"

عالیجناب میرزا حسین احمد بیگ صاحب ناظم عدالت دارالقضاء حیدرآباد دکن کا پیغام۔

"مذہبی عقائد اور تعصب سے قطع نظر کر کے اگر احمدیہ جماعت کی تبلیغی کارگذاری اور اندرونی تنظیم و اتحاد پر غور کیا جائے۔ تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے۔ کہ اس جماعت کا کارنامہ قابل رشک ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ جب تک کسی قوم میں ایثار و یک جہتی نہ ہو۔ وہ ترقی کے زینہ پر گام زن نہیں ہو سکتی۔ احمدیہ جماعت کے ایک کارکن محمود احمد صاحب عرفانی کو میں نے مصر میں قومی کاموں میں مصروف پایا تھا۔ قومی کام کی خاطر ترک وطن کرنا ایثار کی ایک اعلیٰ مثال ہے"

محترمی ڈاکٹر پروفیسر ظہیر الدین احمد صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ
کی نگاہ میں

تحریکِ احمدیّت

"مختلف مذاہب کے پیروؤں نے آج کل جس تعصب و تنگ نظری اور بغض و منافرت کا انسانیت سوز اور شرمناک مظاہرہ کر رکھا ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ دنیا کی نظروں میں ہندوستانیوں کی رسوائی ہو رہی ہے۔ بلکہ یہ چیز مذہب ہی سے ایک عام بیزاری پیدا کر رہی ہے۔ اور لامذہبیت کے داعیوں کی ہمت افزائی کا باعث ہو رہی ہے۔ موجودہ صورت حال رکاکت کی اُس حد انتہا کو پہنچ چکی ہے کہ اب زیادہ عرصہ تک اس سے تغافل برتنا مذہب دشمنی کا مرتکب ہونا ہے۔ لہذا اُن روشن دماغ اور صاحبِ فکر بزرگوں کی کوششیں یقیناً مستحق تحسین و تقدیر ہونگی۔ جو اہل مذاہب میں مسامحت و رواداری اور بے تعصبی اور بلند نظری پیدا کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں۔ اور اس طرح ملک اور مذہب کی واقعی خدمت انجام دے رہے ہیں۔ انکی دُور بین نگاہوں نے اس حقیقت کو پالیا ہے۔ کہ مخالف نقطہ نظر سے جہل و ناواقفیت ہی ان تمام خرابیوں کی جڑ ہوا کرتی ہے۔ اس عناد اور مخالفت کی حدت کو جب ہی کم کیا جا سکتا ہے کہ غیر نقطہ نظر کے متعلق زیادہ سے زیادہ واقفیت مہیا کر دی جائے۔ محترم شیخ محمود احمد صاحب عرفانی نے اپنی حالیہ تصنیف "قادیان" کے ذریعہ اس بلند نصب العین کی جانب بہت ہی اہم قدم اٹھایا ہے اور ہندوستان کی موجودہ مذہبی اور اصلاحی تحریکات میں سے ایک بہت ہی زیادہ نمایاں، زیادہ چُست اور چاق و چوبند تحریک احمدیت ——— اس کی ہر گونہ تنظیم، اس کے مشاہیر اساطین۔ اس کے اصول و معتقدات اور اس کے مرکز سے تعلق وافر اور قابل اعتما

معلومات بہم پہنچانے کی بڑی کامیاب کوشش فرمائی ہے۔

ایک زندہ تحریک ہونے کے اعتبار سے احمدیت اپنے متعلق زیادہ سے زیادہ واقفیت اور معلومات بہم پہونچانے کا اُن لوگوں سے بھی مطالبہ کر سکتی ہے جو میری طرح احمدی تو نہیں ہیں۔ لیکن اس تحریک کے اساطین و مشاہیر کی مخلصانہ مساعی کو بہت زیادہ قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور ان سے فکری اتصال قائم رکھنا اپنا ایک اہم اخلاقی اور اجتماعی فرض تصور کرتے ہیں۔

شیخ صاحب کے ساتھ تقریباً گذشتہ رُبع صدی سے اپنے نیازمندانہ اور صادقانہ تعلقات کی بناء پر میں بلاخوف تردید کہہ سکتا ہوں کہ اس کام کو ان سے بڑھکر کوئی اور انجام دے بھی نہیں سکتا تھا۔ آج سے کوئی بیس سال پہلے جب میں مصر میں طالب علمانہ زندگی بسر کر رہا تھا۔ ان کی خداداد قابلیتوں نے میرے قلب و دماغ میں اُسی وقت اپنے لئے شہ نشین تیار کر لیا تھا۔ ایک وسیع النظر عالم ایک فصیح البیان مقرر، ایک قادر الکلام خطیب اور ایک مقتدر اہل قلم کاتب اور صحافی کی حیثیت سے انہوں نے اپنے پہنچنے کے چند ہی دن بعد مصر کے علمی، سیاسی، ادبی اور صحافی حلقوں میں جو نمود اور ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی۔ وہ بہت کم ہندوستانیوں کو غیر ممالک میں حاصل ہوئی ہوگی۔ واقعہ تو یہ ہے کہ مصر کے دوران قیام میں شیخ صاحب نے ہندوستانی نبوغ اس کے ذہنی کمال اور فکری ارتقاء کی جس دیانت اور قابلیت کے ساتھ سفارت کی ہے وہ بہرحال اہل وطن کی واقعی تقدیر کی مستحق ہے۔ پارلیمنٹ مصر کے جنرل سکرٹری محمود بے خیرت کا یہ قول مجھ کو فخر و مباہات کے ساتھ ہمیشہ یاد رہے گا کہ "ہندوستانی ذہانت اور نبوغ کے افسانے تو بہت سے تھے۔ ان کی تصدیق استاذ محمود کو دیکھ کر ہوئی"۔ اسی فیاض ذہن اور جبار فکر کی "قادیان" پیداوار ہے۔ جس نے غریب الدیاری میں اپنے وطن کو سرخرو اور اپنے ذہنی تفوق کیلئے ہر طبقہ و خیال سے خراج تحسین حاصل کیا تھا۔ میں اس شاہکار کا بدل خیر مقدم کرتا ہوں اور ابنائے وطن سے متوقع ہوں کہ اس کے شایان شان خیر مقدم میں کوتاہی

جماعتِ احمدیہ کی تنظیم

عالیجناب میرزا سلیم بیگ صاحب کارکن اعلیٰ ہائیکورٹ حیدرآباد دکن

و

سیّاح بلادِ اسلامیہ و ماہر خطوط و شناخت ابہام

سنہ ۱۹۲۴ء میں پہلی مرتبہ مجھے قاہرہ (مصر) جانے کا اتفاق ہوا۔ میں قاہرہ میں ٹھہر گیا۔ اور میرے ہمسفر دوست دو روز قاہرہ میں ٹھہر کر یورپ چلے گئے۔ تقریباً ایک ہفتہ کے بعد مجھے قاہرہ میں محمود احمد صاحب عرفانی سے ملنے کا شرف حاصل ہوا۔ کچھ وطنیت۔ کچھ سلسلۂ واقفیت نے ہم دونوں کو اس طرح متحد کیا۔ کہ میرا اکثر وقت محمود احمد صاحب عرفانی کے ساتھ گذرنے لگا۔ عرفانی صاحب قاہرہ میں جماعت احمدیہ کی طرف سے مبلغ اسلام تھے۔ اور وہاں اپنے مشن کا کام مصریوں میں نہایت ہی خوبیوں کے ساتھ کر رہے تھے۔ اجنبیت اور غیر ملکی ہونے کے باوجود عرفانی صاحب نے مصری شرفا کی مجلسوں میں اچھا رسوخ پیدا کر لیا تھا۔ نامور اور ذمہ دار ہستیوں سے مراسم رکھتے تھے۔ اس لئے عرفانی صاحب کی وجہ سے مجھے قاہرہ اور زندگی قاہرہ کے مطالعہ کا کافی موقع ملا۔ اور میں اس مشن کی کوششوں کو بھی دیکھتا رہا۔ جو عرفانی صاحب مبلغ کی حیثیت سے وہاں انجام دے رہے تھے۔ عرفانی صاحب کی ہی رہبری سے فلسطین اور شام میں جماعت احمدیہ کے تبلیغی مشن کی کوششوں کو دیکھا۔

دوسری مرتبہ سنہ ۱۹۳۰ء میں قاہرہ جانے کا اتفاق ہوا۔ اور یہ میری خوش نصیبی تھی کہ عرفانی صاحب موجود تھے۔ اور ان کا مشن نہایت کامیابی سے اپنے کام میں لگا ہوا تھا۔ اِس

مرتبہ کی ملاقات تجدید اتحاد کا باعث ہوئی اور مجھے مشن کی کارگذاری پر مشن کے رسوخ پر۔ مبلغ کے خلوص پر غور کرنیکا بہت زیادہ موقع ملا۔ میں ان تاثرات کو لئے ہوئے فلسطین۔ شام۔ استنبول اور برلن وغیرہ گیا۔ جہاں مجھے جماعت احمدیہ کی تنظیم اور کوششوں کا ثبوت ملتا گیا۔ مجھے حقیقتاً نہایت صدق دل سے اس کا اعتراف ہی کہ میں نے ہر جگہ جماعت احمدیہ کے مبلغوں کی کوششوں کے نقوش دیکھے۔ ہر جگہ اسلامی روایات کیساتھ تنظیم دیکھی ہر جگہ اس جماعت میں خلوص اور نیک نیتی پائی۔ جماعت احمدیہ میں سب سے بڑی خوبی اتحاد عمل اور امام جماعت کے احکام کی پابندی ہے۔ اس کے اراکین کہیں اور کسی حال میں شعار اسلام اور احکام اسلام کو نظر انداز نہیں کرتے اور نہ اپنی اصلی غرض اور فرض سے انجان ہوتے ہیں۔ تقریروں۔ تحریروں یا ملاقاتوں میں ان کا نقطۂ نظر موجود ہوتا ہی۔ اور وہ اشارۃً کنایۃً اپنا کام کئے جاتے ہیں محنت برداشت کرتے ہیں غیر مانوس اور غیر مشرب لوگوں میں رسوخ پیدا کر کے اپنے فرائض کی تکمیل کرتے ہیں۔ اور اپنی تبلیغی حیثیت کو نمایاں رکھتے ہیں۔ محمود احمد صاحب عرفانی نے سنہ ۱۹۳۰ء میں قاہرہ سے ایک اخبار "اسلامی دنیا" بھی اردو زبان میں ٹائپ پریس سے شائع کیا تھا یہ اخبار مصور بھی تھا۔ اور اردو میں اسلامی دنیا کی خبریں نہایت شرح و بسط سے شائع ہوتی تھیں افسوس ہی کہ ناگزیر مجبوریوں نے اس اخبار کو جاری نہ رہنے دیا۔ اور اشاعت بند ہو گئی۔ اس اخبار میں کچھ حصہ میرے سفر کا بھی شائع ہوا تھا۔

شام و مصر کی ان ملاقاتوں کا یہ اثر ہوا کہ مجھے جماعت احمدیہ کے صدر مرکز قادیان جانیکا اتفاق ہوا۔ ڈسمبر سنہ ۱۹۴۰ء میں قادیان دار السلام پہنچا۔ قادیان امرتسر سے تقریباً ۵۰ میل ہی۔ ریل جاتی ہی مگر دو تین جگہ اسکو بدلنا پڑتا ہی یہ ایک گاؤں ہی۔ جہاں جماعت احمدیہ کے عروج کے ساتھ اس قصبہ کو بھی عروج ہو رہا ہی سڑکیں بن گئی ہیں۔ مکانات تعمیر ہو گئے ہیں۔ باغ اور کھیلوں کے میدان تیار کئے جا رہے ہیں۔ اسپتال۔ مدارس اور بورڈنگ ہاؤس تیار ہیں جہاں اسی جماعت کے اساتذہ اپنی جماعت کے ہونہار بچوں کی تعلیم و تربیت پر لگے ہوئے ہیں

اسپتال جس کا خرچ جماعت احمدیہ برداشت کرتی ہے منظم اور ایک حد تک آلات و ادویات سے آراستہ ہے
بورڈنگ ہاؤس کی عمارت بہت وسیع اور شاندار شاہجہانی وضع پر تعمیر کی گئی ہے جو ایک پُرفضا مقام پر
اسکول کے متصل ہے۔ اسی کے قریب وہ میدان ہے۔ جہاں جماعت کے ضروری اور سالانہ اجلاس ہوتے
ہیں۔ میں نے دیکھا ہے کہ سالانہ اجلاس کی تیاری اس میدان میں نہایت وسیع پیمانہ پر ہو رہی تھی۔ مہمانوں
کے قیام۔ مہمانوں کے طعام و ضروریاتِ زندگی کی فراہمی پر اراکین کی سعی بلیغ قابل تحسین و قابل تقلید
تھی۔ اوقات و اہتمام کی تقسیم جو اس جماعت کی نمایاں خوبی ہے۔ سرعت اور خلوص نیت کے ساتھ
کار فرما تھی۔ گو میں سالانہ اجلاس کے وقت تک قیام نہ کر سکا۔ مگر انتظام و اہتمام کے نقوش میرے
سامنے تھے اور ہر وقت میں ان کی یک جہتی کا قائل اور انکی مدنیت کا شیدا ہوتا گیا۔

قبرستان کا اہتمام اور ایسی صف بندی میں نے پہلی مرتبہ قادیان میں دیکھی۔ بغیر کسی آرائش
اور بلحاظ منصب کے اس قبرستان میں قبور ایک صف میں بنائی گئی ہیں۔ مدفن کی لوح مدفونوں کی ایک
مختصر تاریخ وفات اور وصیت نامہ کے نمبر رجسٹری کے ساتھ کندہ ہوتی ہے۔ ہر قبر پر بالالتزام یہ لوح ہوتی
ہے۔ ہر قبر دوسری قبر سے معقول فاصلہ پر ہوتی ہے۔ ہر صف کے آمدورفت کیلئے راستہ چھوڑا جاتا ہے۔
اور عمدہ طریقہ پر اس قبرستان کو سایہ دار درختوں سے خوشنما کیا گیا ہے۔ قادیان میں اکثروں نے ترک وطن
کر کے سکونت اختیار کر لی ہے۔ یہاں ایک ایسی انجمن بھی ہے۔ جو اپنی جماعت کو قادیان میں تعمیر مکان کے
لئے قرضہ دیتی ہے اور بالاقساط وصول کرتی ہے۔ اس جماعت کے اراکین اپنی املاک جماعت کیلئے وقف کر
دیتے ہیں اور اس کا انتظام بھی ایک خاص محکمہ کی نگرانی میں ہوتا ہے۔ خزانہ۔ داد و ستد۔ امور مذہبی۔ نشر و اشاعت
یا اہتمام ترکہ و وقف کیلئے محکمہ جات قائم ہیں۔ ہر ایک کیلئے ایک مقررہ عملہ اور عہدہ دار ہے۔ ان سب دفاتر پر
خلیفہ ثانی حضرت میاں بشیر الدین محمود صاحب کی نگرانی ہے۔ جو بالذات روزانہ اس کی خدمات کی جانچ کرتے ہیں
جس زمانہ میں مجھے قادیان جانیکا اتفاق ہوا حضرت خلیفہ صاحب تفسیر قرآن لکھنے میں مصروف تھے یہ
تفسیر قادیان میں شب و روز کی محنت سے بروقت شائع ہوئی اور حضرت صاحب کی عنایت سے اس "تفسیر کبیر" کی
ایک جلد مجھے بھی حیدرآباد میں ملی جس کا میں بیحد ممنون ہوں۔ خداوند تعالیٰ انکے کام میں برکت دے۔ اور ہمیں
احکام قرآنی کے سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ فقط"

مولانا محمد اصغر صاحب انصاری رجسٹرار انجمن ہائے امداد باہمی بھوپال کا پیغام

" جناب کا گرامی نامہ مورخہ ۲۴ نومبر ۱۹۴۲ء موصول ہوا۔ مجھے افسوس ہے۔ کہ میں اپنی بعض پریشانیوں کے باعث جلد جواب نہ دے سکا ...... بہر صورت جہاں تک نظام تحریک احمدیت کا تعلق ہے۔ میں یقیناً اسے پسندیدہ نظر سے دیکھتا ہوں۔ تحریک کی بقا اور اس کی ترقی یقیناً بہت کچھ اسی صحیح نظام کا نتیجہ ہے۔

میں خود احمدی نہیں ہوں لیکن مجھے آپکی تحریک سے اس لحاظ سے ضرور دلچسپی ہے کہ آپکی تحریک نے اسلامی اصول اور اسلامی طرز زندگی کو اپنوں اور غیروں کے سامنے اچھی طرح پیش کیا ہے۔ اس اعتبار سے آپ حضرات شکریہ کے مستحق ہیں "

سردار امر سنگھ صاحب آف شیر پنجاب لاہور کی نظر میں جماعت احمدیہ

" احمدی حضرات کے مذہبی خیالات و عقائد سے مجھے اختلاف ہے۔ بالخصوص گورونانک دیو کے مذہب کے متعلق میں انکے نظریوں کو بالکل غلط اور غیر منصفانہ سمجھتا ہوں۔ لیکن ان اختلافات سے قطع نظر اپنے مذہب کی اشاعت کا جو جوش احمدیوں میں پایا جاتا ہے۔ جس جوش و خلوص سے اس مٹھی بھر جماعت نے اپنی تبلیغی سرگرمیوں کا جال سارے کرۂ ارض پر بچھا دیا ہے اور اس عظیم تبلیغی تنظیم کیلئے یہ قلیل التعداد جماعت جو عظیم مالی قربانیاں ہر سال کرتی رہتی ہے میں اس کیلئے انکا مداح ہوں۔ اور دعا کرتا ہوں کہ خدا میری قوم کو بھی اپنے مذہب کی اشاعت کیلئے ایسے ہی جوش ایسے ہی شوق تنظیم اور اس تنظیم کے لئے انضباط اور مالی قربانیوں کی توفیق بخشے "

اِمتنان

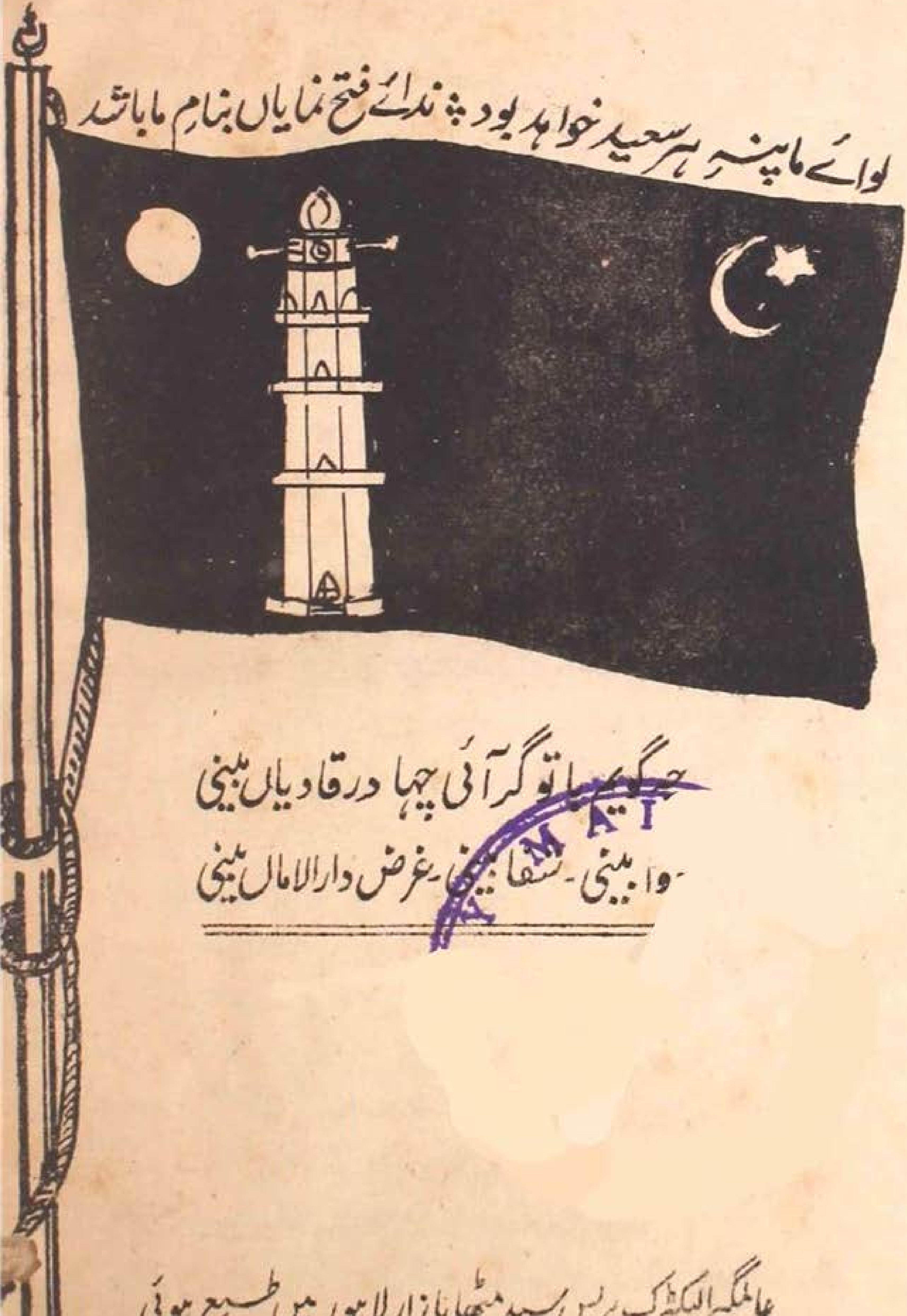
۱۔ سب سے اول میں اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتا ہوں جس نے اس کتاب کی تصنیف کیلئے مجھے توفیق دی۔ باوجود شدید محنت کے میری بیماری پر کوئی خاص اثر نہ پڑا۔ پھر اس کے فضل سے ہر قسم کی روکیں اور موانع دُور ہوئے۔ اس لئے میرا سر اس کے فضل اور رحم کو دیکھ کر جھکتا ہے۔ اور خلوص دل سے شکر بجالاتا ہے۔ الحمد للہ۔ ثم الحمد للہ۔ ثم الحمد للہ

۲۔ اس سلسلہ میں بہت سے احباب اور بزرگوں نے میرے ساتھ محبت اور اخلاص کا برتاؤ کیا اور کتاب کی اشاعت میں فیاضی سے کام لیا جس کیلئے میں ان کا بھی تہ دل سے شکر گذار ہوں۔ جیسے حضرت سیٹھ عبد اللہ الہ دین صاحب آف سکندر آباد۔ حضرت والد صاحب قبلہ شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی۔ اخویم مکرم سیٹھ محمد اعظم صاحب حیدر آباد دکن۔ جناب نواب محمد عبد اللہ خاں صاحب قادیان۔ خان محمد احمد خاں صاحب آف قادیان۔ جناب شیخ مظفر الدین صاحب امپیریل الیکٹرک سٹور پشاور۔ میاں غلام محمد صاحب اختر آف لاہور میرزا اجمل بیگ صاحب آف قادیان اور چوہدری ظہور احمد صاحب ہیڈ کلرک نظارت تعلیم و تربیت اسی سلسلہ میں جناب میرزا رشید احمد صاحب خلف الرشید حضرت میرزا سلطان احمد صاحب کا شکر گذار ہوں جنہوں نے کتاب کی ایک سو جلد خاص طور پر خرید فرما کر گراں قدر امداد مجھے دی۔ اسی طرح مکرمی سید عبد الحی صاحب آف منصوری نے ۲۰ جلد خرید فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور میرزا صالح علی صاحب۔ سید ارتضیٰ علی صاحب آف لکھنؤ کی طرف سے گراں قدر مدد ملنے کی توقع ہے۔ میرزا ارشد بیگ صاحب آف پٹی نے بھی قابل شکریہ اعانت کی ہے۔ ان کے علاوہ مکرم شیخ محمد اسمٰعیل صاحب سرساوی نے خاص دعاؤں سے مدد فرمائی۔ مکرمی ملک محمد عبد اللہ صاحب مولوی فاضل نے نہایت توجہ سے مسودہ دیکھنے میں مدد فرمائی۔ مکرمی شبلی صاحب بی کام نے کتاب کی طباعت میں میری بہت بڑی مدد فرمائی۔ مکرمی قاضی نور محمد صاحب خوشنویس کا میں شکر گذار ہوں جنہوں نے اس کتاب کی کتابت میں پوری توجہ سے کام لیا ہے۔ نیز برادر عزیز شیخ محمد ابراہیم علی صاحب عرفانی نے بھی ہر طرح سے میرا ہاتھ بٹایا اور میری مدد کی۔

میں ان سب بزرگوں اور بھائیوں کا شکر گزار ہوں اللہ تعالیٰ ان سب کو بہترین جزائے خیر دے۔ اور ان کے اموال میں برکت پر برکت عطا فرمائے۔ آمین

خاکسار محمود احمد عرفانی

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد



چہ گویم تا تو گر آئی چہا در قادیاں بینی

دوا بینی - شفا بینی - غرض دار الاماں بینی

عالمگیر الیکٹرک پریس سید مٹھا بازار لاہور میں طبع ہوئی

لوائے ما پنہ ہر سعید خواہد بود ۔ ندائے فتح نمایاں بنام ما باشد



چہ گویم با تو گر آئی چہا در قادیاں بینی

دوا بینی ۔ شفا بینی ۔ غرض دارالاماں بینی

بر ایکٹرک پریس سید مٹھا بازار لاہور میں طبع ہوئی